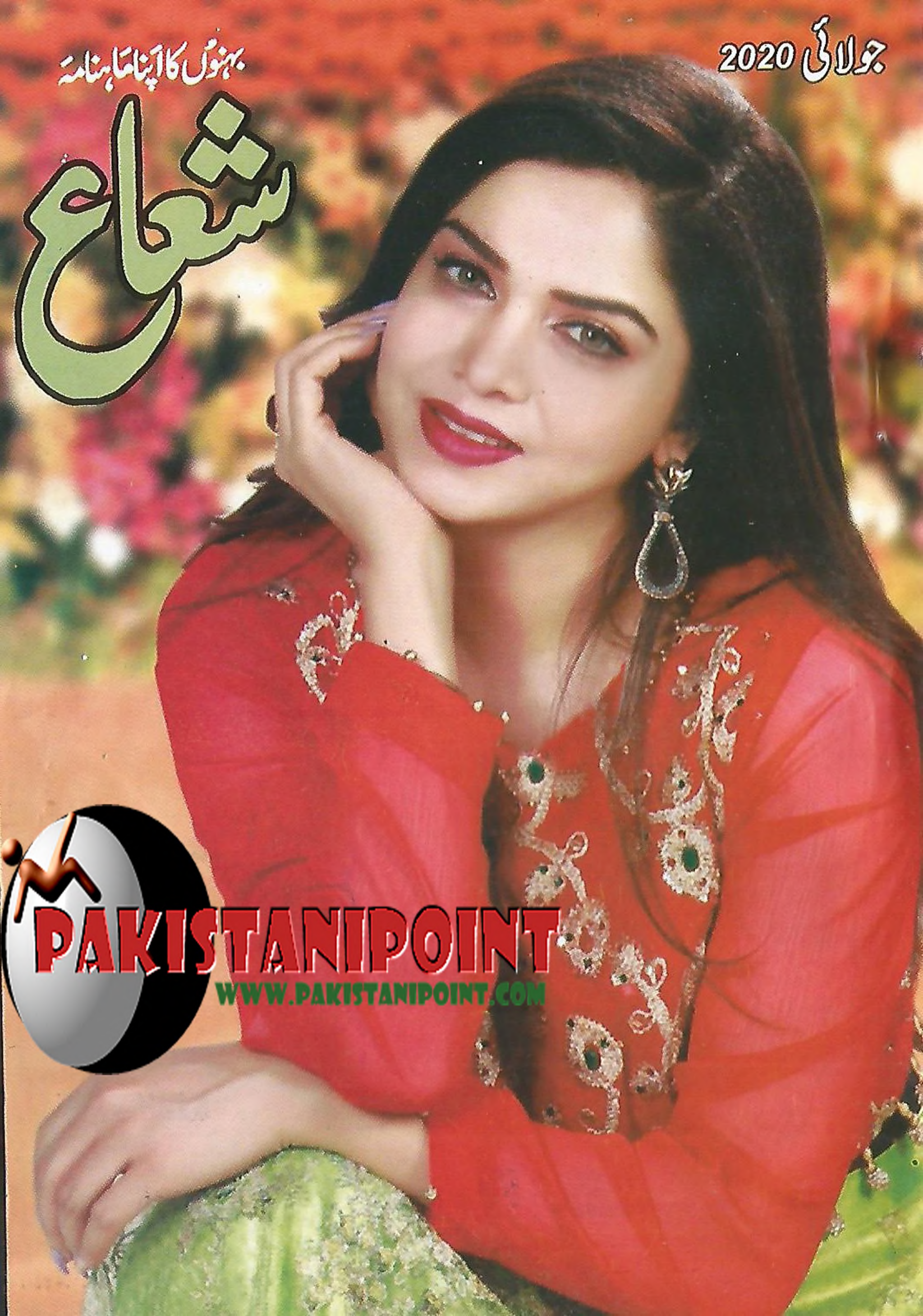

PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

پہلی شعاع	رضیہ جمیل	10
حمد	نعمان فاروق	11
نعت	پروفیسر تابش	11
نبی کی باتیں	ادارہ	12

انٹرویو

عدیل چوہدری سے ملاقات	شاہین رشید	26
دستک	شاہین رشید	23
جب تجھ سے ناتا	شین۔الف	16
امی	عمار مسعود	250

ناول

شہرِ تمنا	نعیمہ ناز	210
شام کی حویلی میں	رخسانہ نگار عدنان	36

مکمل ناول

محبت کے رنگ	افشین نعیم	72
زرمینہ	گل ارباب	146

ناولٹ

وہ نازنین	فرح بخاری	114
مالا مال	قانتہ رابعہ	188

افسانے

شبو کا دولہا	حمیرا شفیع	57
ساجی کی کہانی	شازیہ الطاف ہاشمی	68
آج کی اصغری	بینا صدیقی	103
آہ تمنائے دل	جویریہ مریم	111
شکستہ پا	شمیم رانی	141
پانچواں قصہ	منعم ملک	203
کیسے کیسے لوگ	عمارہ جہان	233

نظمیں غزلیں

غزل	حمیدہ شاہین	238
غزل	احمد مشتاق	237
نظم	اقبال طارق	238
غزل	رابعہ بلوچ افق	237

جولائی 2020
جلد 34 شمارہ 11
قیمت 70 روپے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

03172266944

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... -/840 روپے
ایشیاء افریقہ، یورپ .... -/7000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا .. -/8000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	30	یاد کے جھروکے	امت الصبور	252
مسکراہٹیں	ادارہ	239	آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	245
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	242	موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	256
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	241	خوبصورت ملتے	ادارہ	258

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - [illegible]

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

رضیہ جمیل

ہماری شعاع

شعاع جولائی کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

چہروں پر خوف کے سائے۔ بجھی بجھی سی ہنسی۔ ایک طرف بیماری کا خوف اور پریشانی ہے۔ دوسری طرف روزگار کا غم۔

گھر میں قید رہیں تو کب تک، باہر نکلیں تو کیا کریں۔

لاک ڈاؤن کا سلسلہ بھی عجیب ہے۔ کہیں ایسی پابندی ہے کہ گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ کہیں آزادی کا یہ عالم کہ بغیر کسی احتیاط کے کاروبارِ زندگی میں مگن ہیں۔

معاشرتی زندگی بھی معطل ہو کر رہ گئی ہے۔ اپنوں کے دُکھ درد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ بیماری میں عیادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فون پر حال احوال پوچھ لیں، تسلی دے دیں۔ خوشیاں، تقریبات۔ مہمان داری۔ مل بیٹھنے کا لطف بھی ختم ہوا۔ سیر و تفریح، گھومنے پھرنے پر بھی پابندی۔ کہاں یہ عالم تھا کہ سر کھجانے کی فرصت نہ ہوتی تھی۔ سینکڑوں کام فرصت کی راہ تکا کرتے تھے۔ کہاں یہ حال کہ فرصت ہی فرصت ہے۔ لیکن بے دلی کا وہ عالم کہ کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

کوئی نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ کہاں جا کے رُکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے رحم کے طالب ہیں۔

جب سے پرچوں کا آغاز ہوا ہے، کبھی کوئی شمارہ التوا میں نہیں پڑا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب دو ماہ تک ہمارے ادارے کے پرچے شائع نہیں ہوئے۔

شعاع جون کا شمارہ آیا تو قارئین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہمیں بہت سے فون، خط موصول ہوئے۔ جن میں بہنوں نے شعاع ملنے پر خوشی کا اظہار کیا اور ہمیں بتایا کہ انہوں نے شعاع کی کمی کس شدت سے محسوس کی اور وہ کتنی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

ہماری بہت سی قارئین نے ہمیں بتایا کہ انہیں پرچے کے حصول میں کافی دشواریوں سے گزرنا پڑا۔ بہت سی قارئین ابھی تک پرچا حاصل نہیں کر پائی ہیں۔

قارئین کی یہ محبت ہمارے لیے بہت قیمتی احساس ہے۔ اس کے لیے ہم تہہ دل سے ان کے ممنون ہیں۔

ایسی قارئین جنہیں پرچے کے حصول میں دشواریوں کا سامنا ہے اور وہ ابھی تک پرچا حاصل نہیں کر پائی ہیں۔

اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کر سکتی ہیں۔ تفصیلات اس نمبر پر فون کر کے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

0317-2266944

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اہلِ زمین پر رحم فرمائے۔ اور ہر طرح کی پریشانیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- افشین نعیم کا مکمل ناول۔ محبت کے رنگ،
- گل ارباب کا مکمل ناول۔ زرمینہ،
- فرح بخاری اور فائزہ رابعہ کے ناولٹ،
- رخسانہ نگار عدنان اور نعیمہ ناز کے ناول،
- حمیرا شفیع، شازیہ الطاف ہاشمی، بینا صدیقی، جویریہ مریم، شمیم رانی، عمارہ جہان اور منعم ملک کے افسانے،
- معروف فنکار عدیل چوہدری سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین کے تجربات،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- خط آپ کے، باتوں سے خوشبو آئے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

حمد باری تعالیٰ

میرے خدا خیال کو ایسا کمال دے
فکرِ مجاز سے جو بشر کو نکال دے

تیرے سوا کسی کی طلب نہ کر سکوں
ہونٹوں کو میرے صرف تُو اپنا سوال دے

کر سرخرو مجھے حق و باطل کی جنگ میں
باطل کا خوف بھی مرے دل سے نکال دے

تیرے حضور میری جبیں سجدہ ریز ہو
میری زباں کو ذکر کے سانچے میں ڈھال دے

جس روشنی سے تُو نے بنائی ہے کائنات
اس روشنی سے راستہ میرا اجال دے

بخشے ہر ایک ذہن کو ہر لمحہ اک جلا
نعمان کو تُو حمد کا ایسا کمال دے

نعمان فاروق

نعت رسولِ مقبول ﷺ

ہے ذکر فرشتوں میں جمالِ بشری کا
اللہ رے یہ اوج تری جلوہ گری کا

ہے عشقِ محمد ﷺ میں گریبان کا یہ عالم
فن سر بہ گریباں ہے یہاں بخیہ گری کا

لے جوشِ جنوں آج وہاں تک مجھے لے جا
مل جاتا ہے جس جا پہ صلہ دربدری کا

خوشبوئے ریاضِ نبوی کا جو امیں ہو
آ جائے وہ اک جھونکا نسیمِ سحری کا

تابندہ تیرے نور سے آدم کی جبیں ہے
رکھا ہے بھرم تو نے مقامِ بشری کا

پروفیسر تابش

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

زنا کی حد

حضرت ابو ہریرہ، حضرت زید بن خالد اور حضرت شبل رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا اور کہا۔“

”میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق کیجیے۔“

اس کا مخالف (دوسرا آدمی) زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے کہا۔

”(جی ہاں) ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کر دیجیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”کہو۔“

اس نے کہا۔ ”میرا بیٹا اس شخص کے ہاں نوکر تھا، اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کر لی۔ میں نے سو بکریاں اور ایک غلام اس کا فدیہ دے دیا۔ پھر میں نے اہل علم میں سے متعدد افراد سے (مسئلہ) پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس کی بیوی کی سزا رجم ہے۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام تم واپس لے لو اور تمہارے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔“

اور دوسرے صحابی سے فرمایا۔

”اُنیس! اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ (اپنے جرم کا) اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔“

(امام ابن ماجہ کے استاد) حضرت ہشام بن عمار نے فرمایا۔ ”حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے (اور اس سے پوچھا) تو اس نے اعتراف کر لیا، چنانچہ انہوں نے اسے سنگسار کر دیا۔

(بخاری)

فوائد و مسائل:۔

(1) کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اس لیے ہم نے ”کتاب اللہ“ کا ترجمہ ”اللہ کا قانون“ کیا ہے۔

(2) قتل وغیرہ کے مقدمات میں فریقین میں صلح ہو سکتی ہے، خواہ دیت دینے کی شرط پر صلح ہو یا ویسے معاف کر دیا جائے۔ لیکن ”زنا“ کا مقدمہ قابل مصالحت نہیں۔

(3) غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

(4) شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔

(5) زنا کا جرم جس طرح چشم دید گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح اقرار جرم سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”مجھ سے (اللہ کا حکم) حاصل کر لو۔ مجھ سے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

(اللہ کا حکم) حاصل کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک راستہ (اور قانون) مقرر کردیا ہے۔ کنوارے لڑکے اور کنواری لڑکی کی سزا سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لیے جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی سزا سو کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ہے۔"

(مسلم۔ باب حدود)

فوائد و مسائل:۔

(1) ارشاد نبوی: "اللہ نے ان کے لیے ایک راستہ مقرر کردیا ہے۔" سے اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں یہ حکم نازل ہوا تھا۔ ترجمہ: "تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں تو تم ان پر اپنے میں سے چار گواہ ٹھہرالو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کردے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔"

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانیوں کو صرف سنگ ساری کی سزا دی، کوڑے نہیں لگوائے۔ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوڑوں کی سزا سنگ ساری میں مدغم ہوگئی۔

(3) غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے مارنا ہے، اس کے علاوہ ایک سال کے لیے وطن سے دور بھیجنا ہے تاکہ ماحول تبدیل ہونے سے گناہ کی ترغیب ختم ہوجائے۔ آج کے دور میں سزائے قید کو جلاوطنی کا متبادل قرار دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ جیل کا ماحول جرائم کی حوصلہ افزائی کرنے والا نہ ہو۔

سنگسار کرنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"مجھے خطرہ ہے کہ لوگوں پر کچھ طویل عرصہ گزرنے پر کوئی شخص یہ بھی کہنے لگے گا، مجھے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) میں رجم کا ذکر نہیں ملتا۔ اس طرح وہ لوگ اللہ کا ایک فریضہ ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوجائیں گے۔ سنو! رجم حق ہے، جب کہ مرد شادی شدہ ہو اور گواہی ثابت ہوجائے یا حمل یا اعتراف موجود ہو۔ میں نے یہ آیت پڑھی ہے۔ ترجمہ۔ "بڑی عمر کا مرد اور بڑی عمر کی عورت جب بدکاری کریں تو انہیں ضرور رجم کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو) رجم کی سزا دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے بھی رجم کی سزا دی۔"

فوائد و مسائل:۔

(1) رجم کا مطلب یہ ہے کہ اگر زنا کا مجرم مرد ہو یا عورت شادی شدہ ہو تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کردیا جائے۔

(2) زنا کے مجرم کے لیے رجم کا حکم سابقہ شریعتوں میں بھی موجود تھا۔ بائبل کے موجود نسخوں میں بھی زانی کے لیے سزائے موت کا حکم موجود ہے۔

(3) قرآن مجید میں بعض آیات یا ان کے احکام منسوخ ہوئے ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور آیت کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے۔

(4) زنا کا جرم تین طرح ثابت ہوتا ہے (ا) چار چشم دید گواہوں کی گواہی سے۔ (ب) مجرم کے اقرار جرم سے (ج) غیر شادی شدہ عورت کو حمل ہوجانے سے، البتہ غیر شادی شدہ مجرم کو سنگ سار نہیں کیا جائے بلکہ اسے سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

اعتراف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ "میں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

شازیہ اکرم

پڑھا تو دل خوش ہوا کہ اب جبکہ زندگی کی گھما گھمی میں ہر بندہ مشغول ہے تو کس کے پاس اتنا ٹائم ہے کہ ہماری داستان الم سنے اور کچھ دل میں احساس کہ کس کے سامنے سچ بولیں کہ شہر کے چوراہے پہ آئینہ لے کر نکلنے کا حوصلہ بہت ہی کم لوگوں میں ہوتا ہے اور ہم بھی ساری عمر اس شعر پر عمل کرتے رہے کہ......

تھوڑا تھوڑا جھوٹ ملا لے اپنی سچی باتوں میں
ورنہ جھوٹے لوگوں میں تو کیسے عمر گزارے گا

مگر کبھی کبھی دل کرتا ہے ناکہ صرف سچ بولیں چاہے خلق خدا ہمیں جتنا بھی مغلوب کر دے، سو میں کوشش کروں گی کہ سچ کہوں اور قارئین بہنوں سے بھی درخواست کروں گی کہ پلیز غیر جانبداری سے مجھے میرے قصور گنوایئے گا۔

س: شادی کب ہوئی؟

ج: ہمیں زیادہ عرصہ نہیں ہوا اس دشت کی سیاحی میں، 11-11-11 کو ہماری شادی صادق آباد کے مشہور میرج ہال میں ہوئی۔ میری شروع سے خواہش تھی کہ میری شادی کا نائٹ فنکشن ہو اور لان میں ہو تو اللہ نے میری یہ خواہش یوں پوری کی کہ میرے ساتھ میری نند کی بھی شادی تھی — اس کی شادی میرا ولیمہ تھا۔ سو تاریخ فائنل کر کے ہمیں بتایا گیا اور ہم نے جو ہوٹلز کے چکر لگانے شروع کیے تو ہر اچھا ہوٹل ریزرو تھا۔ نہ جانے کیا خاص بات تھی۔ اس دن میں کہ اس دن بہت شادیاں تھیں یہاں تک کہ جس مشہور پارلر سے ہم نے ہمیشہ تیار ہونے کا سوچا تھا۔ وہ بھی بکنگ کرنے کو تیار نہ تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ شادی کی تاریخ بدل لیں خیر ہمارے چھوٹے سے شہر سے اس دن تیار ہونے والی میں بارھویں دلہن تھی۔

س: شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟

ج: لڑکی نے اگر دنیا میں جنت دیکھنی ہو تو وہ اپنے میکے کے گھر پر ایک نظر ڈال لے مگر شادی کے بعد۔ پہلے تو میکے کا گھر ایک قید خانہ لگتا ہے۔ پیا کے گھر کے سہانے سپنے جو ہوتے ہیں۔ خیر تو ہم فیشن کے دلدادہ تھے۔ شاعری کے شوقین تھے۔ کبھی کبھی لوکل اخباروں میں ہمارے مزاحیہ کالم چھپتے تو کبھی ہم کسی ادبی محفل میں مدعو ہوتے کبھی کالج (جہاں ہم پڑھاتے تھے) اور وہاں ہر فنکشن کے روح رواں تھے) اور ہر فنکشن کی کمپیئر بھی، کبھی رسالے کتابوں میں رکھ کر پڑھتے تھے۔

مجھے اب بھی یاد آتا ہے تو ہنسی آتی ہے کہ ہم لوگ چھت پر سوتے تھے۔ میں کہانی پڑھ رہی تھی کہ مما نے کہا کہ رات بہت ہو گئی ہے سو جاؤ اور لائٹ بند کر دی اور ہم کہانی کے زیروبم میں کھوئے ہوئے تھے تو آپ یقین کریں کہ 40 اوراق کی کہانی ہم نے رسالہ چارپائی کے نیچے کر کے چاند کی روشنی میں پڑھی۔

اور یہ شادی سے کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ مما ڈانٹ رہی تھیں کہ رسالہ نہ پڑھو۔ ڈارک سرکل بن جائیں گے تو میں نے سردیوں کے دنوں میں رضائی منہ پر لے کر ایمرجنسی لائٹ جلا کر کہانی پڑھی اور گھر والوں کو کہا کہ میں سو رہی ہوں۔

گھومنا پھرنا اور شاپنگ کرنا پسندیدہ مشاغل تھے۔ اس وقت کوئی پوچھتا کہ فارغ وقت کے کیا مشاغل ہیں تو ہم شرمندہ ہو جاتے کہ اب اتنی لمبی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

فہرست ایک سانس میں کیسے گنوائیں (اور اب بھی سوچتے ہیں کوئی پوچھتا تو کہ فارغ وقت ملتا کیسے ہے)

خیر جناب کبھی کالج میں بازو اور پر ٹانگے لڑکیوں سے مہندی لگوا رہے ہیں تو کبھی پنجاب ٹیچرز یونین جس کے ہم شادی سے پہلے جنرل سیکرٹری تھے) کی کمپیئرنگ کر رہے ہیں۔

خیر ہماری شادی سے بہت سے لوگوں کے لیے جگہ خالی ہو گئی۔ کوکنگ کا بے حد شوق تھا میری شادی عید کے ایک ہفتے بعد تھی اور میری اپنی بہن سے آخری جھگڑا اس بات پہ ہوا تھا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ عید پہ کوکنگ وہ کرے گی اور میں کہہ رہی تھی کہ میں کروں گی خیر کہا نا کہ بہت سے لوگوں کے لیے جگہ خالی کر دی۔ اپنے کالج، طلباء اور پرنسپل محترم جناب صابر ملک صاحب کی پسندیدہ ٹیچر تھی۔

س: اس رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی؟

ج: بہنوں! مشرقی تہذیب میں عورت کو پیدا ہوتے ہی شرم و حیا سکھا دی جاتی ہے اور اس کے اندر والدین کی عزت کا پاس کوٹ کوٹ کے بھرا ہوتا ہے اور ہم تو تھے ہی دو بہنوں کی اکلوتی بہن ہاہاہا سمجھ میں آ گیا ہوگا ہم صرف تین بہنیں ہی ہیں ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے تو بیٹیاں تو ہوتی ہی حساس ہیں اور خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب بھائی نہ ہو تو وہ اور بھی والدین کا سہارا بننے کی کوشش کرتی ہیں سو ہم نے ہر کام خود کیا خواہ وہ گھر کے ہوں یا باہر کے، دوہری ذمہ داری الحمدللہ بخوبی نبھائی۔ کبھی بیٹی بن کے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور کبھی بیٹا بن کے سہارا۔

اس کے علاوہ میرے والد صاحب سعودیہ میں رہتے تھے تو ہر وقت والدہ یہ کہتی رہتی تھیں کہ ایسے نہ کرو کہ جب والد اور بھائی نہ ہوں تو لڑکیوں کو بہت سنبھل کے رہنا پڑتا ہے۔ کچھ یونیورسٹی کے سارے دور میں ہم یہ سوچتے رہے کہ پڑھ کے جائیں گے تو والدین نے پتا نہیں کیسا شہزادہ ہمارے لیے ڈھونڈا ہو گا ہاہاہا۔

خیر یہ رشتہ رشتے کروانے والی نے کروایا تھا اور ہم نے بڑوں کی پسند پر سر جھکا دیا تھا۔

اور بہنوں ایک اور بات کہنا چاہتی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں 90 فیصد شادیاں والدین کی پسند سے ہی ہوتی ہیں اور بیٹیاں چاہے جتنی بھی پڑھی لکھی اور جاب کرنے والی ہوں، چاہے جوتے سے لے کر گھر تک خود بنانے والی ہو، وہ اپنے والدین کی پسند کو ہی اپنی پسند بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔

اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ رشتے دیکھنے کے نام پر ہمارے معاشرے میں جو لڑکیوں کا جمعہ بازار لگتا ہے۔

وہ لڑکی کو اتنا تھکا دیتا ہے کہ وہ خود ہی ہار مان جاتی ہے۔ خیر ساری باتوں کی ایک بات بلکہ آپس کی بات کہ ہم نے انہیں رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ (دیکھ لیں ہماری ہوشیاری)

خیر ہوا کچھ یوں کہ مما رشتہ دیکھ کے آئیں تو اگلے دن صبح صبح میں اور مما کہیں جا رہے تھے اور پیچھے بائیک پر ایک لڑکا آ رہا تھا۔ سخت سردیوں کے دن تھے اور اس نے کھیس لپیٹا ہوا تھا پیچھے ایک بابا بیٹھا تھا۔ مما نے دیکھتے ہی میرے پاؤں پر پاؤں مارنا شروع کر دیا میاں صاحب نے بھی مما کو پہچان لیا اور بائیک بھگا لے گئے (انہوں نے سوچا کھیس میں دیکھ کر یقیناً ہم انکار کر دیں گے)

اور اسی رات نند کا فون آ گیا کہ تم نے آج بھائی کو دیکھا تھا اور ہم فوراً مکر گئے اور آج تک اس کے بھائی کے سامنے مکرے ہوئے ہیں مگر بہنوں آپ سے کیا پردہ۔

س: ذہن میں جیون ساتھی؟

ج: یہ کیسا سوال پوچھ لیا ظالمو...... بھلا وہ بھی کوئی لڑکی ہے کہ جو اپنے ہونے والے جیون ساتھی کو سوچتی نہ ہو، بہت بار خوابوں میں شبیہہ سوچی کبھی بندھن ڈرامے کے اسد میں اسے کھوجا اور کبھی سالار کو چرانے کے خواب دیکھے کبھی کالج میں دوستوں کے سامنے اس میں ہونے والی خوبیوں کی فہرست گنوائی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اور کبھی ہوسٹل میں رات کو دیر تک جاگ کر آنے والی ہستی کے جاگتی آنکھوں خواب دیکھے، کبھی ایم سی ایس کے لڑکوں کو ٹائی لگائے دیکھ کر سوچا کہ وہ ٹائی لگاتا ہو اور کبھی عینک والے اسد (بندھن کے ہیرو) کو دیکھ کر ہمارے سپنوں کے راجکمار کے بھی عینک لگ جاتی۔ بس فہرست تو خوبیوں کی لمبی ہے مگر ہم مختصراً بتاتے ہیں کہ لونگ، کیرنگ اور سنسیئر ہو۔

س: منگنی کتنا عرصہ رہی؟

ج: میرا رشتہ دیکھنے یہ لوگ 10 نومبر کو آئے تھے اور پھر درمیان میں دیکھنے دکھانے میں دو ماہ گزرے اور اگلے سال گیارہ نومبر کو میری شادی ہوئی تقریباً 10 ماہ میری منگنی رہی اور فون پر بات ہوتی تھی۔

س: شادی سے پہلے سسرال......؟

ج: ہر لڑکی بہت سے خواب لے کر سسرال آتی ہے کہ وہ سسرال کے گھر کو اپنا گھر بنا لے گی۔

مجھے پتا تھا کہ وہ لوگ گاؤں میں رہتے ہیں ان کا اور ہمارا رہن سہن بہت مختلف ہے میں نے سوچا تھا میں ان کا اسٹائل تبدیل کر دوں گی۔ اپنے گھر میں بھی میں کبھی ڈیکوریشن پیس بناتی تو کبھی اپنے گھر کی دیواروں کو مختلف رنگوں میں رنگ دیتی تھی۔ یہ پتا نہیں تھا کہ جب سسرال کا رنگ چڑھتا ہے تو کوئی رنگ اوپر نظر نہیں آتا ہے۔ میرے سسرال والے لکڑی کا چولہا استعمال کرتے تھے تو میری والدہ نے کہا کہ اس نے تو آج تک دیکھا بھی نہیں تو میرے سسر بولے کہ کوئی بات نہیں ہمارے گھر سلنڈر ہے اور میری بیٹی بھی صبح دیر سے سو کر اٹھتی ہے ہمارے گھر کا شہر والا ماحول ہے۔

سب کچھ بتایا بس یہ نہیں بتایا کہ بیٹی اور بہو کے لیے ظرف میں فرق ہے۔ بے حد وعدوں اور دعوؤں کے ساتھ رشتہ لیا پھر شادی کی تاریخ لینے آئے تو ہمارے ہاں تاریخ لینے آنے والوں کو جوڑے دینے کا رواج نہیں تھا مگر ان کے ہاں تھا۔ ہم نے جوڑے نہیں دیے تو جب وہ مجھے جوتوں کی شاپنگ کروانے لے کے گئے تو میری نند گرم شال میری دادی ساس کے لیے دیکھنے لگی تو میری ساس کہنے لگیں مت دیکھو کہ یہ شازیہ لے کر آئے گی۔"

"تو نند بولی جیسے پہلے ہمیں جوڑے دیے ہیں۔"

تب میرا دل بہت دکھا اور میں گھر آ کر بہت روئی۔ والد صاحب کو بھی غصہ آیا۔ مگر میرے سسر منت سماجت کرنے لگے اور ویسے بھی جوڑے تو خدا نے پتا نہیں ہمارے وجود کی مٹی لیتے ہی ہمارے لیے بنا دیے ہوتے ہیں۔

س: شادی کے بعد تعلیم؟

ج: میں ان دنوں گورنمنٹ اسکول میں جاب کے ساتھ ساتھ کمیونٹی کالج میں تدریس کے فرائض سر انجام دے رہی تھی۔ اور وہاں کی ہر دل عزیز ٹیچر تھی۔ وہ جاب میرا دل تھی آپ اندازہ کریں کہ ہر کلاس نے مجھے فیرویل دی تھی اور ہر کلاس نے الگ الگ انداز سے اپنا کلاس روم سجایا تھا کسی نے پھولوں کی لڑیاں لگائی تھیں تو کسی نے کینڈل لگائی تھی اور میری پسندیدہ کھانے کی چیزیں منگوائی تھیں اور ہر کلاس نے گفٹ دیے تھے۔ پورے کالج نے میرے ساتھ تصویریں بنائی تھیں۔ میرے پرنسپل اور اسٹاف نے الگ الگ فیرویل دی تھی۔ اتنے بوکے اور گفٹ ملے تھے کہ اسٹاف روم بھر گیا تھا......اور کبھی کسی ٹیچر کو اتنے گفٹ نہیں ملے تھے۔ آخری دن سب لڑکیاں رو رہی تھیں اور میں خود بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ بس اس کے بعد تو قربانیوں کی لمبی فہرست ہے۔

س: شادی بخیر و خوبی انجام پائی؟

ج: بہنو! ایک بات میں بہت دکھ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ حق مہر ایک حق ہے جو اسلام نے عورت کو دیا ہے مگر افسوس لوگ اس میں بھی رد کد و کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں ہے کہ حق مہر عورت کا حق ہے اور شوہر۔ کی حیثیت کے مطابق ہو۔

مگر لوگ حق مہر کے معاملے میں بہت تھوڑے دل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میری جب شادی کی تاریخ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

طے کرنے آئے تو پانچ تولہ طلائی زیور طے ہوا تھا مگر نکاح کے وقت میرے سسر کہنے لگے ہم نے دو تولے لکھوانا ہے تب میرے اندر کی انصاف پسند لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی اور میں نے پانچ تولہ پر نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ سب لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں ۔میری فرینڈز اور اسٹوڈنٹ پوچھتیں کہ نکاح کب ہوگا تو میں نے ہنس کر کہا کہ میرے سسرال میں نکاح کا رواج نہیں ہے۔ خیر دو گھنٹے کے بعد وہ مانے اور نکاح ہوا مگر یہ پتا نہیں تھا کہ وہ اس کا بدلہ کیسے لیں گے۔

میری بہنوں نے رستہ رکوائی کی تو میرے سسر نے تین سو روپیہ دیا اور بولنے لگ گئے۔ میری بہنوں نے وہ پیسے بھی واپس کر دیے۔

پھر دودھ پلوائی کی باری آئی تو پانچ ہزار اتنے برے منہ کے ساتھ دیے کہ میری بہن رونے لگی۔

گھر آتے ہی انہوں نے میری گھوڑا پکڑوائی کی رسم کی میرے دیور نے پانچ ہزار روپے لیے پھر دوسرا دیور آ گیا اور کہنے لگا میں نے رسم کرنی تھی۔ میری ساس کہنے لگیں۔ اس کو بھی پانچ ہزار دے دو۔ میں نے دے تو دیے مگر سچی بتاؤں، دل میں بہت بال آ گیا کہ میری بہنوں کے تو کسی نے ایسے ناز نہ اٹھائے ایسی دل جوئی نہ کی، جس نے بیٹی دے دی۔ اس کے بعد اس کے پاس بچا کیا کہ بیٹیاں تو جگر کا ٹکڑا ہوتی ہیں۔

خیر یہ رسمیں زندگی میں خوب صورتی لانے کے لیے ہوتی ہیں مگر جب زندگی ان رسموں کی وجہ سے بدصورت ہو جائے اور رشتوں میں رنجش آئے تو ایسی رسم کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس کے علاوہ میری بری میں 24 جوڑے تھے جن میں سے نو میری نند نے اپنے لگائے تھے جو واپس آ کر اس نے نکال لیے تھے۔ اپنے جوتے اور چادر لگا کر بری دکھادی تو ایسی باتوں نے لڑکی کا دل تو خراب کرنا ہی ہے نا۔ پھر میری نند نے ویسے یہ اپنی پارلر سے بکنگ کروائی تھی اور میری نہیں کروائی کہ گھر میں ہی تیار ہو جانا۔

س: شادی کے بعد جو پہلی بات شوہر نے کی؟

ج: ہاہاہا یہ سوال ایک دفعہ میری کزن نے بھی کیا تھا تو اسے میں نے جو جواب دیا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا مگر یہ سچ ہے کہ میری رخصتی رات دو بجے ہوئی اور رواج کے مطابق میری کزن میرے ساتھ آئی۔ وہ کہتی تھی کہ یہاں رہنے کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اس کے ہزبینڈ نے لینے آنا تھا۔ اس نے آتے آتے چار بجا دیے تھے۔ اس دوران وہ اور میرا ہزبینڈ باتیں کرتے رہے تو جب وہ گئی تو بہت نیند آ رہی تھی۔ سچ میں یاد نہیں کہ کیا کہا تھا۔

س: شادی کے بعد؟

ج: بس سمجھ لیں کہ رنگین فلم ہٹا کر کوئی بلیک اینڈ وائٹ فلم لگا دے تو کیسا لگتا ہے۔ یہی حال ہمارا تھا۔ میرے سسرال میں ایک کونے میں ہمارا کمرہ تھا اور دوسرے کونے میں باتھ روم' ہم ٹھہرے اٹیچڈ باتھ استعمال کرنے والے، پورا گھر ایک ہی باتھ روم استعمال کرتا تھا۔

ایک اور مزے کی بات بتاؤں کہ ہمارا کمرہ بہت چھوٹا تھا سسرال والوں کے دل کی طرح۔ میرے بیڈ اور ڈریسنگ ٹیبل کے بعد اتنی جگہ ہوتی کہ ایک بندہ پھنس کے گزر سکے۔ آگے ٹی وی لاؤنج اور دوسرے کمرے تھے۔ ہمارے کمرے میں روشنی اور ہوا کی کوئی جگہ نہ تھی اور گاؤں میں لائٹ بھی بہت جاتی تھی۔

صبح اٹھتے تو لائٹ گئی ہوتی تھی میں اور میرے ہزبینڈ اندھیرے میں تیار ہوتے ایک دفعہ سردیاں تھیں۔ میں نے کوٹ پہنا تو ساتھ ہی میری سیج کی ایک لڑی کوٹ میں پھنس گئی اور میں دوپٹہ لے کر بائیک پہ بیٹھ گئی سارے راستے وہ لہرا لہرا کر لوگوں کی تفریح طبع کا باعث بنی رہی۔ اور اسکول میں اسٹاف کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

میرے اور ان کے ماحول میں بہت فرق تھا میں گھر کے کام کاج اتنے زیادہ کرنے کی عادی نہ تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نیر میں جھوٹ نہیں بولوں گی مگر صفائی ستھرائی کا کام میرے سسرال والوں نے مجھ سے کبھی نہیں کروایا تھا۔ کام والی آتی تھی مگر وہ میرا فرنیچر صاف نہیں کرتی تھی۔ میرا ڈائننگ ٹیبل ٹی وی لاؤنج میں تھا۔ میں اسکول سے آ کر امی کے گھر بیٹھی رہتی تھی کہ ہزبینڈ فارغ ہوں تو گھر جاؤں۔ وہ اپنے کاموں میں بزی ہوتے تھے۔ جب گھر پہنچتی تو کھانا پکانے کا ٹائم ہوتا تھا۔ اس میں بزی ہو جاتی تھی تو میری ساس جو بھی گھر میں آتا اسے دکھاتی تھیں کہ اس کے فرنیچر پر مٹی پڑی ہے اور صبح اٹھتے ہی اسکول جانے کی جلدی ہوتی ہے میرا اسکول میرے سسرال سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ تھا اور پھر لائٹ بھی نہ ہوتی تھی۔

س: شادی کے کتنے عرصہ بعد کام کاج سنبھالا؟

ج: مزے کی بات یہ ہے کہ میری شادی اور ولیمے میں ایک دن کا وقفہ تھا اور اگلے دن میرے سسرال والے مجھے دوپہر کا کھانا دینا ہی بھول گئے وہ بھی میں نے مانگا تو شام کے چار بجے ایک شوربے کی پلیٹ اور دو روٹیاں ملی اور میں نے ولیمے سے اگلے دن اپنے لیے انڈہ بنایا تھا اور پھر شادی کے ایک ہفتے بعد ساس شہر چلی گئیں تو میں گھر میں اکیلی تھی تو میں نے بیڈ شیٹس اور کپڑے وغیرہ دھو دیے جو کہ میری ساس کو پسند نہیں آئے دھلے ہوئے۔

س: سسرال اور میکے کے کھانے میں کوئی فرق محسوس ہوا؟

ج: سسرال اور میکے کے کھانے پکانے میں بے حد فرق تھا وہ اس طرح کہ یہاں پر دالیں اور وہ بھی چنے کی دال بوائل رائس کے ساتھ شوق سے کھائی جاتی تھی اور چنے کی دال مجھے بے حد ناپسند ہے جہاں تک پکانے کی بات ہے میرے سسرال میں دو کچن تھے ایک بڑا اور ایک چھوٹا مگر وہ لوگ صحن میں کھانا پکاتے تھے ایک دفعہ میری ساس فیصل آباد گئیں تو اگرچہ کام کا بے حد لوڈ تھا۔ جاب بھی تھی مگر وہ ایک ہفتہ میں نے بے حد خوشی سے گزارا۔

کچن کو اپنی مرضی سے سیٹ کیا۔ سنک نہیں تھا تو دو بالٹیاں رکھیں پانی والی۔ انسان جس ماحول کا عادی ہو اسی میں خوش رہتا ہے۔ گھر میں بھی ہمیشہ کھڑے ہو کر سلیب پہ کھانا پکانے کی عادی تھی۔ سسرال میں بڑے کچن سے گلاس لو، صحن کے آخری کونے میں لگی ٹونٹی سے دھو اور ٹی وی لاؤنج میں جا کر پانی لے کر پیو میں نے چینج کرنے کی کوشش کی مگر بے سود......

میں نے کچن کو اپنی مرضی سے سیٹ کیا مگر میرے سسرال والوں نے آتے ہی وہ سب کچھ پہلی والی حالت میں کر دیا۔ اور میں دل مسوس کر رہ گئی۔ ایک دفعہ گھر میں مہمان آئے تو میں نے سسرال والوں کی الماری سے کپ نکال لیے بعد میں لگائے تو میرے سسر آ گئے اور کہنے لگے کہ کپوں کی ترتیب غلط ہے تو میں نے ترتیب تبدیل کر دی تو کہنے لگے کہ یہ بھی غلط ہے میں نے پھر اوپر نیچے کر دیے تو کہنے لگے ایسے نہیں جیسے پہلے تھے ویسے ہی لگاؤ۔ وہ اتنے لکیر کے فقیر تھے کہ لگے بندھے قاعدے سے ادھر ادھر ہونے کو تیار نہ تھے۔ خیر ہم نے اس کا یہ حل نکالا جب بھی کوئی چیز اٹھاتی تو پہلے تصویر بنا لیتی اگر ساس کہیں رہنے جاتیں تو پورے گھر کی تصویر بنا لیتی جیسے ہی ان کی واپسی کا پتا چلتا میاں صاحب کہتے چلو بیگم گھر کو پہلے والے حلیے میں لاؤ اور میں تصویر دیکھ کر اسٹارٹ ہو جاتی۔

س: سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی؟

ج: شادی سے پہلے میرے سسر کہتے تھے کہ شازیہ جیسے کھانے بناتی ہے ایسے کھانے بڑے بڑے ہوٹلز میں ملتے ہیں خیر کھانوں کی تو شادی کے بعد بھی تعریف ہوتی رہی ہے۔

میری نند ایک دفعہ میری غیر موجودگی میں تعریف کر رہی تھی کہ ایک دفعہ سسرال میں دعوت پر میں نے دو کلو گوشت سے چکن جلفریزی، منچورین، بون لیس اور کباب بنا لیے۔ مگر مسئلہ سارا یہ تھا کہ گھر میں کچھ ہو تو بندہ کچھ بنائے ہمارا فریج ہمیشہ پکانے والی چیزوں سے بھرا رہتا تھا جب کہ سسرال میں آلو، ہری مرچ ٹماٹر تک ناپ تول کر روز کے حساب سے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آتے تھے کہ ہم شہریوں کی طرح باسی کر کے نہیں کھاتے۔

مجھے الگ شفٹ ہوئے سات ماہ ہو گئے ہیں اور اب سات ماہ میں میں نے ایک دفعہ بھی مہمانوں کے لیے کچھ بھی باہر سے نہیں منگوایا مگر جب گھر میں ہی کچھ بنانے کو نہ ہو تو پھر خالی پیاز کی بندہ کیا ڈش بنائے۔

مجھے کھانے میں کالی مرچ بے حد پسند ہے وہ میں سالن میں ڈالتی تھی تو میری ساس وہ چھپا کر کمرے میں رکھنے لگیں کہ یہ ضائع کرتی ہے۔ گرم مسالے وغیرہ بھی چھپا کر رکھتی تھیں۔

س: سسرال میں وہ مقام ملا جو آپ کا حق تھا؟

ج: اگر مقام دیا ہوتا تو رونا کس بات کا تھا جب بھی میں جاتی تو بولتے بولتے چپ ہو جاتے ظاہر ہے جب آپ سنیں گے نہیں تو رائے کون لے گا آپ کی۔

میں اپنے سسرال میں اچھوت تھی۔ آپ یقین کریں کہ میرے سسرال کی جوائنٹ فیملی تھی ساتھ دو چچا سسر کے گھر تھے۔ ان کے گھر لڑکیاں تھیں مگر وہ میرے پاس نہیں آسکتی تھیں میری ساس نے پابندی لگائی تھی اور نہ ہی میں ان کے گھر جا سکتی تھی۔ میری جاننے والی اسی گاؤں میں رہتی تھی وہ فون کر کے کہتیں کہ ہم آپ کے گھر آئے تھے تو آپ کی ساس نے دروازے سے ہی روک دیا کہ آپ گھر میں نہیں ہیں حالانکہ میں گھر میں ہوتی تھی۔

س: سسرال والوں سے؟

ج: ہر لڑکی بڑے سنہرے خواب لے کر سسرال جاتی ہے مجھے بھی شادی سے پہلے سب کہتے تھے کہ وہ کنجوس ہیں تو میں کہتی تھی کہ وہ اگر ہوٹلنگ نہیں کروائیں گے تو میں گھر میں کھانا پکالوں گی۔ یہ تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ چیزیں نہ ہوں تو کیسے کھانا پکائیں گے میں نے سوچا تھا کہ میں ان کے گھر کو سجادوں گی مگر وہاں تو چیز ادھر سے ادھر کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

س: بچوں کی پیدائش پر سسرال والوں کا ردعمل؟

ج: بچوں کی پیدائش کیا بات بتاؤں میں کوئی مظلوم قسم کی رونے دھونے والی لڑکی نہیں ہوں مگر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

میں اک زندہ لڑکی تھی اک شخص نے مجھ کو مار دیا

تو میرے سسرال والوں کا فریج، ٹی وی لاؤنج میں تھا اور میں اوپر کے کمرے میں رہتی تھی۔ کمرے کی بھی الگ ہی کہانی ہے۔ دراصل گھر میں ایک ہی باتھ تھا۔ وہ بھی صحن کے آخر میں، اوپر کے کمرے کے ساتھ باتھ روم تھا تو میں اوپر کمرے میں شفٹ ہونے لگی تو اتنی لڑائی ہوئی۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ میں اوپر جا کر سو جایا کروں مگر میرے جہیز کا بیڈ وغیرہ نیچے رہے۔

ہے نا مزے کی بات کہ سسرال والے میکے والوں کی چیزوں کو بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جب کہ اوپر کے کمرے میں صرف دو چارپائیاں اور پیاز رکھی تھی۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی فریج کی تو میری ساس ٹی وی لاؤنج کو تالا لگا کر ساتھ چچا سسر کے گھر جا کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اور شام کو آتی تھیں۔ میں سارا دن گرم پانی پی کے گزارتی تھی۔ تنگ آ کر میں نے اپنا فریج نکالا تو فریج کے ساتھ اسٹیبلائزر نہیں تھا تو میری ساس نے میرے شوہر کو منع کر دیا کہ تم نے اسٹیبلائزر نہیں لے کر دینا۔ یہ اپنے گھر والوں سے لے کر آئے اور اس کا فریج نیچے رکھا جائے تو جہاں فریج لاک ہو۔ ایسی حالت میں میں کیا کھا سکتی تھی۔

اور ویسے بھی ان کے ہاں دوپہر کے کھانے کی عادت ہی نہیں تھی سو دوپہر کا کھانا میں امی کے گھر سے کھا کے جاتی تھی مگر گرمیوں کی چھٹیوں میں گرم دوپہریں بھوکے اور گرم پانی پیتے میں نے پریگنینسی کے دن گزارے ہیں وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں پریگننٹ تھی اور چارپائی نہیں اٹھاتی تھی تو میرے سسرال والے کہتے تھے۔ لو یہ انوکھی ماں بن رہی ہے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پہلی بیٹی پیدا ہوئی تو سسرال سے کوئی دیکھنے بھی نہیں آیا۔

س: جوائنٹ فیملی سے اتفاق کرتی ہیں؟

ج: توبہ کریں جی ایسے جوائنٹ فیملی سسٹم سے ہمیں اللہ بچائے اگر اچھا سسرال ہو تو جوائنٹ فیملی سسٹم ٹھیک ہے ورنہ سنگل فیملی سسٹم زندہ باد۔ ویسے بھی جوائنٹ فیملی سسٹم میں آپ اپنی مرضی سے اپنے بچوں کی تربیت بھی نہیں کر سکتے۔

س: سسرال کے ماحول کو تبدیل کرنے کی کوشش کی؟ کس حد تک کامیاب ہوئیں؟

ج: میں نے کوششیں تو بہت کیں مگر بار آور نہیں ہوئی اور اب تو میں ان سے ملتی ہی نہیں، ہاں مگر کھانے کے طریقے ان کو سکھائے ورنہ ان کے ہاں مہمانوں کی آمد پر صرف ایک سالن ہی پکاتے تھے۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گی کہ لڑکی ہزار خواہشیں لے کر سسرال جاتی ہے۔ سسرال والوں کو بھی چاہیے کہ اپنے دل کو وسعت دیں۔ اور اس کو سسرال کے گھر کو اپنا گھر سمجھنے کا موقع دیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ سے غلطیاں نہیں ہوئیں۔ بہت ہوئی ہیں مگر وہ سب ردعمل تھا ان کے رویے کا۔ میں نے کبھی فصلوں پر ٹینڈے لگے نہیں دیکھے تھے کہ ہم زمین دار فیملی سے بے لونگ ضرور کرتے تھے مگر ہر سال ٹھیکے پہ دیتے تھے اور میری ساس یہ کہتی تھیں کہ جاب اور گھر کے کام کے ساتھ ٹینڈوں سے کپاس بھی نکالوں اور مثالیں دیتی تھیں کہ فلاں کی بہو اپنے تھاپ کے اسکول جاتی ہے تو میں کہتی تھی کہ وہ ایسی فیملی سے آئی ہوں گی۔ میں الحمد اللہ فنانشلی اپنے سسرال والوں سے بہت اسٹرونگ فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔

اور یہ بھی نہیں تھا کہ میرا سسرال کوئی جاہل تھا میرا ایک دیور یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے دوسرا پی ایچ ڈی کرنے ملک سے باہر گیا ہے۔ سسر انیسویں گریڈ کے آفیسر تھے مگر بہنوں! گھر کا ماحول کیسا ہو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

تنگ آ کر میرے گھر والوں نے مجھے گھر بنوا کر دیا تو میرے سسرال والوں نے اس شرط پر سامان اٹھانے دیا کہ پہلے حق مہر کا زیور واپس کریں۔ میں آپ کے توسط سے کہنا چاہوں گی کہ حق مہر چھیننے والوں کے خلاف ضرور لکھیں۔ حق مہر عورت کا حق ہے اور اسلام میں ہے کہ جس نے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ مہر نہیں دے گا وہ زانی ہے۔

وہ وقت گزر گیا اب میں الحمد اللہ اپنے والدین کی دعاؤں اور تعاون سے اپنے گھر میں خوش باش ہوں اور میری دو پیاری پیاری بیٹیاں ہیں جو میری جان ہیں۔ بس بیٹے کی کمی ہے وہ بھی خدا دے دے تاکہ میں بھی مشق ستم ساس بن کے دکھاؤں ہاہا۔

میں نے بہت قربانیاں دی ہیں سب نے کہا کہ یہ سدھرنے والے لوگ نہیں ہیں مگر میں نے اپنے بچوں کے لیے قربانیاں دی میں انہیں ماں اور باپ دونوں کا پیار دینا چاہتی تھی اور سچ بتاؤں تو جب میری ہی میرے گالوں پہ پیار کرتی ہے تو پھر میں ہر دکھ ہر غم بھول جاتی ہوں۔ بیٹیاں گلے لگتی ہیں تو لگتا ہے کہ دنیا میں جنت ہے تو بس ماں کی جنت بچوں کا ساتھ ہی ہے۔

اب میں الگ گھر میں رہتی ہوں جو کہ میرے والدین نے مجھے گفٹ کیا ہے میرے ہزبینڈ اور بچے سسرال جاتے ہیں میں نے انہیں کبھی نہیں روکا۔ وہ اپنے فرائض پورے کریں میرا ملنے کا کوئی ارادہ نہیں بہت سی باتیں نہیں لکھیں کہ ''منظور تھا پردہ تیرا''

سسرال والوں سے یہی کہنا چاہوں گی کہ بہو کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی بیٹی کے ساتھ ہو، شکریہ۔

☆☆

دستک دستک دستکہ

شاہین رشید

صدف آشان

''کیا حال ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ہوں، گھر والے بھی ٹھیک ہیں بس آج کل گھر پر ہی ہوں۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے۔''

''میاں صاحب بچے سب ہی گھر پر ہوں گے؟''

''جی بالکل...... سب ہی گھر پر ہیں۔ میاں صاحب اور میرا پروفیشن ایک ہی ہے تو دونوں ہی گھر پر چھٹیاں گزار رہے ہیں۔''

''کچھ بتائیں کہ آپ کیا کیا کرتی ہیں؟''

''میرے میاں صاحب بھی ڈائریکٹر ہیں اور میں بھی۔ ہم دونوں ایک ہی فیلڈ سے وابستہ ہیں...... اور ہم اپنی پروڈکشن بھی کرتے ہیں۔''

''اچھا گڈ...... آپ خوب صورت ہیں اور اداکاری بھی بہت اعلیٰ کرتی ہیں۔ اداکاری کے علاوہ کیا کیا کرتی ہیں وہ بھی بتائیے؟''

''میں اداکاری بھی کرتی ہوں، لکھنے کا بھی شوق ہے اور پروڈیوسر بھی ہوں اداکاری کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہی ہے میں ہوسٹ بھی ہوں۔''

''واہ آپ تو ہرفن مولا ہوگئیں؟''

''جی اللہ کا شکر ہے اور میں نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا ہے اور ہمارا سیاسی بیک گراؤنڈ ہے۔''

''آپ دونوں ایک ہی فیلڈ سے ہیں۔ زندگی میں کامیاب ہیں...... غرور کیا کبھی؟''

''نہیں اللہ کا شکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں اور میں آپ کو بتاؤں کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں جو ایک بات کامن ہے وہ یہ کہ ہم دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، دوسروں کو خوشی دے کر خوش ہوتے ہیں۔ ہمارا تو گویا مشن ہی یہی ہے کہ ہر انسان خوش رہے۔ اس لیے ہم دوسروں کے لیے راہ بناتے رہتے ہیں۔''

''میاں بیوی ایک ہی فیلڈ کے ہوں، ایک جیسا کام کر رہے ہوں، ایک ساتھ گھر سے باہر ہوں تو پھر سسرال والے تھوڑا منہ بناتے ہیں۔ آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟''

''نہیں ہرگز نہیں...... میں تو اپنے سسرال میں سب کی پسندیدہ بہو اور بھابی ہوں۔ سب نے بہت سراہا میرے کام کو اور بہت عزت دی مجھے۔ ہاں میرے میاں میں ایک دو ساسیں ہیں جو ساس والے طعنے دیتی رہتی ہیں۔'' (ہنستے ہوئے)

''جہیز میں لوگ بلکہ لڑکیاں کافی کچھ لے کر آتی ہیں مگر آپ تو وہ کچھ لے کر آئی تھیں جو کوئی نہیں لاتا؟''

''ہنستے ہوئے۔ جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے بچپن کی ''میڈ'' جو میری ہیلپر ہیں، وہ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

میرے ساتھ آئی تھیں جہیز میں، تو مجھے نہ بچوں کے سلسلے میں اور نہ ہی گھر کے کاموں میں کوئی مسائل ہوئے۔"

"پھر تو آپ بے فکر ہو کر گھر سے باہر اپنی فیلڈ کے کام کر لیتی ہوں گی؟"

"ایسا نہیں ہے کہ میں کوئی گھر سے غافل تھی۔ جو ذمہ داریاں تھیں بہ خوبی نبھائی تھی اور نبھاتی ہوں۔ پہلے میں بہ حیثیت پروڈیوسر کام کرتی تھی پھر بطور اداکارہ کے جب میں پروڈیوسر تھی تو گھر کے لیے زیادہ وقت نہیں نکال پاتی تھی مگر جب اداکاری کی طرف آئی تو مجھے گھر کے لیے کافی ٹائم مل جاتا تھا۔"

"اپنی بیٹیوں کے بارے میں بتائیں وہ اس فیلڈ میں ہیں؟"

"میری ماشاء اللہ چار بیٹیاں ہیں اور پڑھ رہی ہیں اس فیلڈ میں فی الحال نہیں ہیں نہ ہی ہم نے اس بارے میں سوچا اور نہ ہی ان کے دلوں میں ڈالا ہے کہ آپ کو کیا بننا ہے اور کیا نہیں۔"

"میاں صاحب ڈائریکٹر آپ ہر فن مولا فنکارہ ہیں اور بیٹیاں تو والدین کا عکس ہوتی ہیں کچھ تو نظر آتا ہوگا بیٹیوں میں؟"

"ہاں جی...... بالکل...... میری بڑی بیٹی پڑھا کو بیٹی ہے، پہلے تو اس کو اس فیلڈ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر اب اس کا رجحان اس فیلڈ کی طرف ہوا ہے اور وہ کمرشل ماڈلنگ کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح میری دوسری بیٹی بہت اچھی مصورہ ہے اور تیسری بیٹی کو گانے کا شوق ہے، نعت خوانی بھی بہت اچھی کر لیتی ہے اور چوتھی بیٹی تو ایک بہت ہی ہٹ فنکارہ بنے گی اور ہر وقت کہتی ہے کہ میں بڑی ہو کر اداکاری کروں گی اور پاپا آپ مجھے ٹائٹل پر لگائیں گے نا...... تو دیکھیں فیوچر میں کیا ہوتا ہے...... ہمارا دل ہے کہ ہماری بڑی بیٹی ڈاکٹر بنے۔"

"چلیں بیسٹ آف لک......"

ناہید شبیر

"کیا حال ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"عموماً لڑکیاں جب اس فیلڈ میں آتی ہیں تو بتاتی ہیں کہ گھر والوں کو ان کا اس فیلڈ میں آنا پسند نہیں ہوتا۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا؟"

"نہیں اللہ کا شکر ہے کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ میں جب اس فیلڈ میں آئی تو میری ماما تو بہت خوش ہوئیں کیونکہ ان کی خواہش بھی تھی کہ میں اس فیلڈ میں آؤں اور ایک بڑی اداکارہ بنوں۔"

"پہلی بار جب اپنے آپ کو اسکرین پر دیکھا تو کیسا لگا تھا؟"

"مجھے تو اپنا آپ بہت اچھا لگا اور مجھے معلوم تھا کہ یہ میں ہی ہوں۔ مگر گھر والوں کو اور دیگر رشتے داروں کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ میں ہوں۔ مگر اب سب کو پتہ چل گیا ہے کہ میں ہی ہوں جو اسکرین پر آتی ہوں۔"

"اپنی پہچان کیسی لگتی ہے؟"

بہت اچھی، سچ میں لوگ پہچان جاتے ہیں تو میری سمجھ میں نہیں، ان کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ میں تو بس خیالوں میں ہی سوچا کرتی تھی کہ ڈراموں میں آؤں گی تو لوگ مجھے پہچان لیں گے اور

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مجھ سے بات کریں گے۔ جب سچ سچ ایسا ہوتا ہے تو دل بہت خوش ہوتا ہے۔"

"کوئی خواب جو بھول نہیں پا رہیں؟"

"ہاں...... ایک ہے کہ میں کسی عجیب سی جگہ پر ہوں اور وہاں سے نکلنے کے لیے تگ و دو کر رہی ہوں کہ ایک ٹرک نظر آتا ہے میں جلدی سے اس کے اوپر چڑھ جاتی ہوں اور اسے گھر چلنے کا کہتی ہوں...... مگر راستہ اتنا لمبا ہو جاتا ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ بس یہی خواب اکثر یاد کرتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ وہ کیا خواب تھا۔"

"کہیں جانے کے لیے تیاری میں کتنا وقت لیتی ہیں؟" گھر میں کس بات پر زیادہ ڈانٹ پڑتی ہے؟"

"زیادہ نہیں...... جلدی تیار ہو جاتی ہوں۔ البتہ ڈانٹ اس بات پر پڑتی ہے کہ جب آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاؤں تو بس پھر ہٹنے کا نام نہیں لیتی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے تھوڑا ایکنی پرابلم ہے۔ تو بس آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر مختلف دوائیاں لگاتی رہتی ہوں۔"

"اچھا...... پھر پرابلم سولو ہوا؟"

"جی...... جی کافی حد تک...... چہرہ کافی صاف ہو گیا ہے۔"

"گزرا وقت اچھا تھا یا آج کا؟"

"آج کا...... آج کل میں خوش رہتی ہوں کہ اللہ کا بڑا کرم ہو گیا ہے۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

300

چلمن

نادرہ خاتون

قیمت -/300 روپے

نسیم سحر قریشی

قیمت -/400 روپے

دست کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

معروف فنکار، ماڈل، ڈاکٹر

عدیل چوہدری سے ملاقات

شاہین رشید

عدیل چوہدری خوب صورت اور بارعب شخصیت، بہترین فنکار گو کہ چوہدری والے کردار نہیں کرتے مگر جو بھی کردار کرتے ہیں بہترین کرتے ہیں۔ گزشتہ سال "بھروسہ پیار تیرا" بے حد مقبول ہوا اور 2020 میں سیریل "منافق"۔

عدیل چوہدری کا زیادہ وقت ملک سے باہر گزرتا ہے۔ صرف ڈراموں کی وجہ سے پاکستان آتے ہیں۔ لیکن یہ بڑی بات ہے کہ عدیل چوہدری دنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں، ہمیشہ رابطے میں رہتے ہیں۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"آج کل کہاں بسیرا ہے؟"

"ٹورنٹو میں۔"

"آپ کا سیریل "منافق" دیکھا۔ کہانی میں بہت جھول تھا مگر پھر بھی اچھا تھا۔ اور آپ کی پرفارمنس تو بہترین تھی۔ آپ کو کیا رسانس ملا؟"

"مجھے بھی بہت اچھا رسپانس ملا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سیریل کو بہت پسند کیا گیا۔ آپ سب کی تعریف میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔"

"اگلا پروجیکٹ کیا ہے؟"

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کون سا ہے، کب آن ایئر ہوگا۔ بس دعا یہ کریں کہ ملک وائرس کی وجہ سے جس کرائسیس سے گزر رہا ہے۔ اس سے ہمیں نجات مل جائے۔ (آمین)"

"جی...... بالکل"

"کچھ اپنے بارے میں بتایئے، پھر آپ کی فیلڈ کی طرف آتے ہیں؟"

"بالکل جی...... میرا نام میری والدہ نے رکھا تھا "عدیل چوہدری" اس لیے مجھے اپنا نام بہت پسند ہے۔ پیار کے بھی بہت سے نام ہیں۔ مگر مجھے "عدیل" ہی کہلوانا اچھا لگتا ہے۔ میں 15 جون 1988 میں کراچی میں پیدا ہوا اور "چوہدری" سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہماری مادری زبان "پنجابی" ہے۔ اور گھر میں اردو، پنجابی اور انگریزی میں بات ہوتی ہے۔ ہم تین بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے۔ ایک بھائی ڈاکٹر ہیں اور دوسرے بیرسٹر ہیں اور میں بھی ڈاکٹر ہوں۔"

"آپ بھی ڈاکٹر ہیں؟"

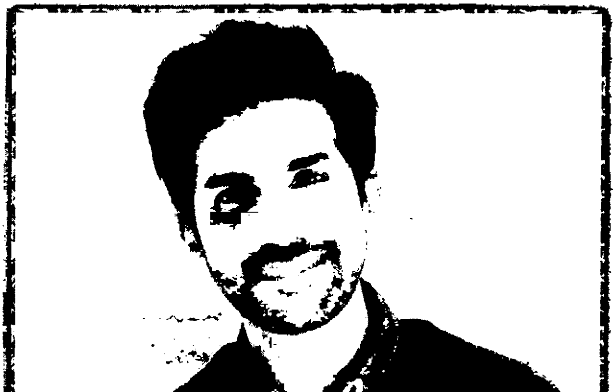

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"جی...... میں ڈاکٹر ہوں اور ڈینٹل سرجن ہوں اور ابھی مزید پڑھنے کا دل چاہتا ہے مگر اپنی فیلڈ سے ہٹ کر یعنی میں پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کرنا چاہتا ہوں۔ مصروف بہت رہتا ہوں۔ دیکھیں کہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا خواب کب پورا ہوتا ہے۔"

"شادی؟...... بچے؟"

"ابھی شادی نہیں کی، تو بچے کہاں سے ہوں گے، اور شادی کے لیے یہی کہوں گا کہ جب نصیب میں ہوگی ہو جائے گی۔"

"ہوں...... یہ بتائیں کہ ڈاکٹر ہیں پھر شوبز میں کیسے آئے۔اور کیوں آئے؟"

"کیوں اور کیسے کا جواب یہ ہے کہ اس فیلڈ میں مجھے میرا شوق لے کر آیا اور میں ماڈلنگ اور بہ حیثیت سنگر کے اس فیلڈ میں آیا۔ اور پھر نہ صرف گلوکاری کی بلکہ ڈرامے اور فلمیں بھی کیں۔"

"گھر والوں نے کہا نہیں کہ ڈاکٹر ہو تو ڈاکٹری کرو؟"

"بہت کہا...... بہت براری ایکشن تھا۔ کیونکہ والد صاحب ایئر فورس میں تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا اس فیلڈ میں آئے۔ مگر جب انہوں نے مجھے اس فیلڈ میں کامیاب دیکھا تو پھر زیادہ کچھ نہیں کہا۔"

"اور کیا پریکٹس نہیں کرتے اپنی ڈگری میں؟"

"فی الحال نہیں...... میں تو آج کل ٹی وی ڈراموں اور اپنے بزنس میں مصروف ہوں اور ہمارا فیملی بزنس ہے۔ "پیزا ہٹ" اور کے ایف سی کے آؤٹ لیٹ ہیں۔"

"پیزا ہٹ اور کے ایف سی...... واہ پھر تو آپ کو بھی فاسٹ فوڈ پسند ہوگا۔ کھانے کے شوقین ہیں آپ؟"

"جی...... بالکل...... پسند ہے اور کھانے کا بھی بہت شوقین ہوں۔ صبح ناشتہ بھی باقاعدگی سے کرتا ہوں اور کھانے کے بارے میں تو کیا کہوں...... اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اچھی بھوک لگتی ہے۔"

"ڈر نہیں لگتا کہ کہیں موٹا نہ ہو جاؤں۔"

"نہیں...... ڈر اس لیے نہیں لگتا کہ میں جم بھی باقاعدگی سے جاتا ہوں۔ واک بھی کرتا ہوں تاکہ اپنے آپ کو فٹ بھی رکھ سکوں اور اپنی پسند کا کھانا بھی کھا سکوں۔ آپ سے بات کرتے ہوئے ابھی بھی میں جم میں ہی ہوں اور ایکسر سائز بھی ساتھ ساتھ کر رہا ہوں۔"

"زیادہ تر ملک سے باہر رہتے ہیں۔ باہر کی ترقی دیکھ کر کیا سوچتے ہیں؟"

"پاکستان کے لیے بہت دعائیں ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم سب ہیں، ہاں دوسرے ملکوں میں سہولتیں بہت ہیں جبکہ ہمارے یہاں تو بنیادی سہولتیں بھی نہیں ہیں ابھی سہولتوں کو پانے کے لیے خان صاحب کو ووٹ دیا۔ امید تو ہے کہ تبدیلی آئے گی۔ مگر کب...... اس کا انتظار ہے۔ اچھی تعلیم اور اچھی صحت ہر شہری کا حق ہے اور ضرور ملنی چاہیے۔ اللہ کرے کہ ہمارا ملک بھی دیگر ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہو جائے۔"

"مستقل باہر رہنے کو دل تو چاہتا ہوگا؟"

"میں رہ سکتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس کینیڈا کی شہریت ہے اور میرا بچپن بھی زیادہ تر کینیڈا میں ہی گزرا ہے۔ اس لیے میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"لوگ شوبز میں آتے ہیں پھر اسے اچھا بھی کہتے ہیں برا بھی، آپ کی کیا رائے ہے اس فیلڈ کے بارے میں؟"

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"مجھے یہ فیلڈ بہت اچھی لگتی ہے مگر دیگر فیلڈز کی طرح اس میں بھی کچھ برائیاں ہیں۔ دیکھیں اپنی مرضی کا کام یا فیلڈ کوئی بھی نہیں ہوتی۔ اس فیلڈ میں ایک تو جاب والی بندش نہیں ہے۔ آپ ایک دو گھنٹے کا بریک آرام سے لے سکتے ہیں اور پھر جو کام آپ کر رہے ہیں۔ وہ زبردستی والا نہیں ہوتا، آپ اپنی خوشی اور شوق سے کرتے ہیں۔ نئے نئے کردار کرتے ہیں تو مزہ آتا ہے۔ میں تو اس فیلڈ کو انجوائے کرتا ہوں۔"

"سوشل میڈیا کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"سوشل میڈیا میں مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ لوگ اپنی پرائیویٹ لائف کو بہت زیادہ ایکسپوز کرتے ہیں۔ پھر کوئی چیز پوسٹ کرنے کے لیے کوئی اصول، ضوابط نہیں ہیں۔ آپ کچھ بھی پوسٹ کر دیتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ اس وجہ سے بھی لوگ زیادہ ڈپریشن میں جا رہے ہیں۔ تو کینیڈا اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے یہ لائکس والا سسٹم ہی ختم کر دیا ہے مطلب کالم ہی ختم کر دیا ہے تاکہ کوئی ڈپریشن میں نہ جائے۔"

"ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ آپ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ تو مجھے یہ بتایئے کہ جب آپ پاکستان آتے ہیں تو فوری طور پر کیا چیز آپ کو ڈسٹرب کرتی ہے؟"

"پاکستان آتا ہوں تو سب سے پہلے پانی کا ٹینکر ڈلواتا ہوں تو اس طرح کے مسائل باہر کے ملکوں میں نہیں ہیں۔ اور بہت افسوس ہوتا ہے اس بات پر کہ اللہ نے پاکستان کو ہر طرح کی نعمتوں سے اور موسموں سے نوازا ہے لیکن اگر کرپشن ہو تو ملک کہاں سے ترقی کرے گا۔ کرپشن کی وجہ سے ہمارا ملک دوسرے ممالک سے بہت پیچھے چلا گیا ہے۔ ہم دوسروں سے سو سال پیچھے ہیں۔"

"ایک ڈینٹل سرجن جب پہلی بار کیمرے کے سامنے آیا تو کیسا لگا تھا؟"

"سب سے پہلے میں نے کمرشل کیا۔ میں کیمرے کے سامنے بالکل بھی نہیں گھبرایا۔ بلکہ بہت اعتماد کے ساتھ میں نے کمرشل کیا۔"

"سوشل ہیں یا تنہائی پسند ہیں؟"

"نہیں...... سوشل نہیں ہوں۔ اور آپ نے دیکھا بھی ہوگا کہ میں کسی تقریب میں بھی نظر نہیں آتا۔ بس مجھے اپنے کام سے دلچسپی ہے، سترہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد ویسے بھی گھر سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور چونکہ تنہائی پسند ہوں تو شاید اس وجہ سے ابھی تک شادی بھی نہیں کی۔"

"اداکاری، ماڈلنگ اور فلمیں، ان کے علاوہ کس شعبے میں کام کرنے کی خواہش ہے؟"

"اگر مجھے بھی لائیو شو آفر کیا جائے تو ضرور کروں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ میں یہ ٹیلنٹ ہے۔ اور میں اسے بڑے اچھے طریقے سے کر لوں گا۔"

"کیا پیسے سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ پیسے سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ سوائے "صحت" کے۔ صحت ہے تو پیسہ خرچ کرنے کا بھی مزہ ہے۔ ورنہ ایسی دولت کا کوئی فائدہ نہیں جو آپ کو صحت نہ دے سکے۔ اچھا کھانا اور اچھی صحت، بہت بڑی نعمت ہے۔"

"اب تک کتنے ڈرامے کر چکے ہیں؟ اور فلمیں کیں؟" "میں نے اب تک "منافق"، "بھروسا پیار تیرا"، "دھڑکن"، "حدت"، "کیسے کہوں"، "دو دیوانے" دو چار فلمیں بھی کی ہیں۔ الحمدللہ جتنا کام کیا، لوگوں نے پسند کیا اور حال ہی میں ختم ہونے والے سیریل نے بہت اچھا رسپانس دیا۔ بہت پسند کیا گیا۔ اور اپنے ڈرامے دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ میں رومانٹک رول بھی کافی اچھے کر لیتا ہوں۔"

"گھر سے دور...... پھر شادی بھی نہیں کی، تو کیا خود پکاتے ہیں یا ریڈی میڈ سے کام چلتا ہے؟"

"مجھے کھانے سے دلچسپی ہے مگر پکانے سے نہیں، خود سے اٹھ کر پانی پینا بھی مجھے مشکل لگتا ہے۔ تو بس ریڈی میڈ سے کام چلاتا ہوں۔ مگر یہ میرا دعویٰ ہے کہ اگر میں نے کھانا پکانا سیکھا تو بہت اچھا پکاؤں گا۔"

"عدیل! یہ بتائیں کہ سب کچھ آسانی سے مل گیا یا بہت جدوجہد کی تب یہ مقام ملا؟"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"بہت مشکلات اٹھائیں، بہت جدوجہد کی، اوران مشکلات نے مجھے بہت بہادر بنادیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں کچھ بھی بہت آسانی سے نہیں ملتا۔ کچھ پانے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔"

"میری نظر میں اور ناظرین کی نظر میں آپ بہت اچھے آرٹسٹ ہیں۔ آپ کو اپنی پرفارمنس کیسی لگتی ہے؟"

"میں جب اپنے ڈرامے دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ اس سین کو تو میں زیادہ اچھے طریقے سے کرسکتا تھا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ میری پرفارمنس زیادہ بہتر ہوئی ہے اور مزید بھی ہوگی۔ پھر اپنے ڈرامے دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے کہ یہ میں ہوں جسے اللہ نے اتنی عزت وشہرت دی ہے۔"

"کس قسم کے کردار کرنے کی خواہش ہے؟"

"خواہش تھی جو کہ اب پوری ہوگئی ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں "نگیٹو" رول کروں اور یہ خواہش ڈرامہ سیریل "منافق" میں نگیٹو کردار کرکے پوری ہوئی اور میں بہت ایکسائیڈ تھا اس رول کو کرکے۔ اور جیسا میں نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا۔ بہت اچھا رسپانس ملا مجھے۔"

"اب یہ آپ کا یادگار رول ہوگا؟"

"جی...... یہ اور "بھروسا پیار تیرا" یہ دونوں میرے یادگار سیریل ہیں...... مزید کوئی سیریل ایسا ہی اچھا ملا تو پھر اس کے بارے میں بات کروں گا۔ اور ہاں دو چار رول ایسے بھی ملے جن کو کرنے میں نے انکار کیا۔"

"شوبز کو کیسا پایا آپ نے؟"

"شوبز میں، میں نے ایک بات شدت سے محسوس کی ہے کہ یہاں چڑھتے سورج کی پوجا کی جاتی ہے۔ "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" میں بہت سے لوگوں کے کام آیا ہوں۔ مگر دیکھا ہے کہ ان کا مطلب نکلا اور وہ بھول گئے۔"

"کب بہت خوش ہوتے ہیں؟"

"جب کوئی سیریل ہٹ ہوجائے۔ لوگ تعریف کریں۔ بینک بیلنس بڑھ جائے تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ جب محنت کا صلہ مل جائے تو بہت زیادہ خوش ہوتا ہوں۔"

"فیلڈ" میں کتنے سال ہوگئے ہیں۔ فیلڈ میں لانے والا کون تھا؟"

"مجھے اس فیلڈ میں آئے ہوئے تقریباً آٹھ سے دس سال ہوگئے ہیں اور خاور ریاض مجھے اس فیلڈ میں لے کر آئے۔ سب سے پہلے میں نے ان کا ایک کمرشل کیا تھا۔ بس وہ ہٹ ہوا تو سب کو ہی میں پسند آگیا۔ اس کے بعد ڈرامے اور فلمیں کی میں نے۔"

"پیسہ ہاتھ کا میل ہے۔ آیا اور اڑا دیا...... یا کچھ بچا کر رکھتے ہیں؟"

"میں بچت نہیں کر پاتا۔ جو آتا ہے خرچ کر دیتا ہوں۔ اپنے اوپر خرچ کرتا ہوں یا اپنی فیملی پر، بیگم ہے نہیں کہ اس پر خرچ کروں۔"

"آپ نے شادی نہیں کی مگر ان شاء اللہ ہوگی ضرور۔ تو کیا دھوم دھام سے کریں گے؟"

"میرا تو جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔ لیکن میں شادی میں ہونے والی رسموں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ شادی کے لیے اللہ آپ کو توفیق دے تو نکاح کریں۔ عمرہ کریں اور پھر اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں۔ اور یہ فضول خرچیوں کے بجائے کسی اچھی جگہ پر چلے جائیں۔ ہنی مون منائیں اور اپنے اوپر خرچ کریں اور چونکہ میں ان رسومات کو پسند نہیں کرتا، اس لیے مجھے ٹی وی کے ڈراموں اور مارننگ شو میں یہ رسمیں کرنا پسند نہیں ہیں۔ میری نظر میں یہ بہت بڑی فضول خرچی ہے۔"

"غصے کے تیز ہیں؟"

"نہیں...... نہ میں غصے کا تیز ہوں اور نہ ہی میرے گھر میں کسی کا غصہ تیز ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلط بات کرے تو میں اگنور کر دیتا ہوں۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اس بندے نے میرے ساتھ اتنا غلط کیا ہے بدلہ لوں پر چھوڑ دیتا ہوں کہ اللہ بہت طاقت ور ہے۔"

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

صدف ناصر نے سرفراز کالونی گوجرانوالہ سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

”کرونا وائرس“ کی بدولت لاک ڈاؤن اور ملک بلکہ پوری دنیا کی بدترین حالت سے دل اور دماغ پہلے ہی پریشان تھے کہ رہی سہی کسر پیارے ڈائجسٹوں کی کمی نے پوری کردی۔ جیسے ہی لاک ڈاؤن میں نرمی ہوئی۔ عید کی شاپنگ شروع ہوئی۔ بلا مبالغہ سینکڑوں چکر ”بک سینٹرز“ کے لگا ڈالے مگر ہر دفعہ مایوسی اور ٹوٹے دل کے ساتھ واپسی ہوئی۔ پانچ دن پہلے تین جون کو بازار سے گزرتے گزرتے ”شعاع“ پر نظر پڑی۔ اف! مت پوچھیں کیا حال ہوا، کس طرح چیل کی طرح اڑ کر ”جھپٹا“ مارا اور شعاع کو قبضے میں کیا۔ توبہ! جیسے کسی ماں کا بچہ اچانک گم ہوجائے اور کئی ماہ لاپتا رہنے کے بعد مل جائے تو اس ماں کا کیا حال ہوتا ہے خوشی سے۔ بالکل اسی طرح اپنے گمشدہ ڈائجسٹ کو پا کر ہمارا حال ہوا۔ شکر اللہ کا لاکھ لاکھ، چلو تین ماہ کا ایک ہی سہی پر نصیب تو ہوا۔

”پہلی شعاع“ کے ایک ایک لفظ سے سو فیصد ایگری! آیئے سب مل کر ”راشن پہنچاؤ“ مہم چلائیں۔ ہمارے رزق اور ”نامہ اعمال میں برکت ہی برکت ہوگی۔“

”جب تجھ سے ناتا“ اچھا سلسلہ، بالآخر صبر برداشت اور قربانیوں کے بعد اللہ پاک سب کچھ عطا کردیتا ہے۔ ”پکی پکائی“ کسی کو نہیں ملتی۔ اپنی انا مارنا پڑتی ہے۔ ”دستک“ میں ”اسماء عباس“ اور ”شگفتہ بھٹی“ سے خوش ہوکر ملے۔ اللہ پاک شگفتہ بھٹی کو شفائے کاملہ عطا فرمائے (آمین) شگفتہ بھٹی کا ”بے دردی نہیں بھولتا“

”ناولٹ“ ثمرہ بخاری کا نام پانچ سات دفعہ پڑھا کہ واقعی ہماری ہی ثمرہ ہیں ناں! اچھا لکھا۔

”بہار آنے کو ہے“ معذرت کے ساتھ مگر اچھا نہیں لگا۔ کچھ سے کچھ ہوتا رہا۔ ٹاپک بھی پرانا۔

افسانے بلا مبالغہ زبردست رہے۔

”کالا پتھر“ شازیہ الطاف صاحبہ نے اچھا لکھا۔ اب دن بہ دن ان کے قلم میں بہت روانی اور نکھار آرہا ہے ماشاء اللہ۔ ”راضی بہ رضا“ ریحانہ چوہدری ہماری قاری بہن کی پہلی بہترین کاوش، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے آج تک کوئی اسٹوری ایک سے دوسری دفعہ پڑھی ہو مگر ریحانہ جی کے افسانے سے ایسا ہوا۔ ماشاء اللہ اچھی منظر نگاری، اچھا ٹاپک، اچھا سبق، واہ! بہت روانی اور پختگی تھی اور شائستگی بھی۔

”مقید ذات“ گل ناز نے بہت سلیقے طریقے سے کہانی کو شروع سے آخر تک لکھا۔

”مونگ پھلی“ سمیعہ عمر نے ہمیشہ کی طرح اچھا لکھا۔ لگن اور شوق ہو تو ہر کام ہوجاتا ہے۔ اچھے اخلاق اور سلیقے سے کوجھے لوگ بھی حسین ہوجاتے ہیں۔

مکمل ناول ”کاسۂ دل“ مدیحہ سعید کا شاندار لگا۔ برجستہ شعر اچھے لگے۔ بہت عرصہ بعد ایسی اسٹوری پڑھنے کو ملی۔

”شاماں پے گئیاں“ منشا محسن علی زبردست رائٹر ہیں۔ ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں مگر اس دفعہ بس گزارا ہی کیا، معذرت کے ساتھ چوبیس سالوں میں ہزاروں دفعہ یہ ٹاپک پڑھ چکے ہیں تو ہمارا بھی کیا قصور!

”مستقل سلسلے، سارے ہی سرسری پڑھے۔ لطیفے اچھے نہیں لگتے اور ”موسم کے پکوان“ ”باتوں سے خوشبو“ ہمیشہ کی طرح آل دی بیسٹ۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''خوب صورت پنیے میں یہ کیا! بالوں کے لیے اتنا کچھ بتادیا، وہ بھی سستا اور اچھا اچھا۔ یقین کریں آج کل بہت خراب ہو رہے تھے بال۔

پیاری صدف! ہم خود کو خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ ہمیں اتنی محبت کرنے والے قارئین نصیب ہوئے ہیں۔ دعا ہے شعاع سے آپ کی یہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔ آمین۔

تبصرہ شان دار ہے۔ باقاعدگی سے شرکت کرتی رہے گا۔

زرینہ خانم لغاری نے مظفر گڑھ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اف کتنی خوشی کی بات ہے، کتنے مہینوں کے بعد اپنے پیارے رسالوں سے ملاقات ہوئی۔ اپریل، مئی، جون کا مشترکہ رسالہ ہے پھر تین رسالوں جیسا حجم تو ہونا چاہیے تھا۔ خیر الحمدللہ۔ رسالے آئے تو سہی۔ رسالے کو پیار سے بھینچ لیا کہ جدائی ناقابل برداشت تھی۔ ''شہر تمنا'' تین مہینے کے بعد پڑھا۔ ''یار دل دار'' سے ملاقات کی۔ ''بہار آنے کو ہے'' خوب صورت کہانی تھی۔ والدین کا حکم ماننے والوں کو خوشیاں ملتی ہیں۔ ''مونگ پھلی'' واقعی شوہر کا پیار عورت کو نکھار دیتا ہے۔ اسے مونگ پھلی سے جو ہی چاولہ بنا دیا۔ ''راضی بہ رضا'' نصیبہ کو نیک فطرت کا صلہ ملا۔ ''مہزوم'' جو اولاد والدین کی قدر نہیں کرتی وہ پھر پچھتاتی روتی ہے۔ ''کاسۂ دل'' نے متاثر نہیں کیا۔ ''مقید ذات'' نصیحت آموز کہانی تھی۔ ''شاماں پے گیاں'' سو سو تحریر تھی۔ ''کالا پتھر'' پینا مسلوں مصیبتوں کا حل نہیں ہے۔ ''دمسکراہٹیں'' سب ہی بہترین تھیں۔ ''باتوں سے خوشبو آئے'' ایک پاکیزہ سلسلہ ہے۔ ''آئینہ خانے میں'' جھانکا نعمان اعجاز، سجل علی، سارہ علی سے ملاقات ہوئی۔ سارا رسالہ بہترین تھا۔

☆ پیاری زرینہ! اپنے قارئین سے دو ماہ کی یہ جدائی ہم پہ بھی بہت شاق گزری ہے۔ ہماری قارئین، ان کے پیار بھرے خط ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ دو ماہ ایسے گزرے جیسے زندگی ٹھہر گئی ہو۔

شعاع سے آپ کی محبت کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ تبصرہ تو آپ کا ہمیشہ ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔

حمیرا گل نے ملتان سے لکھا ہے

سب سے پہلے اپنی ہم نام حمیرا شفیع کا ناولٹ پڑھا، ویری نائس جناب۔ زندگی میں ایسے کزن ہوں تو ہر مسئلہ حل ہو جائے۔ افشین نعیم کی ''یار دل دار'' اور سدیعہ عمیر کی ''مونگ پھلی'' بھی ٹھیک تھیں۔ ریحانہ چوہدری کی ''راضی بہ رضا'' ہمارے معاشرے کے بدصورت رویے کو فوکس کیے ہوئے ایک خوب صورت تحریر تھی۔ نعیمہ کا صبر اور برداشت بہت کمال تھا ورنہ زندگی بدتر ہو سکتی تھی۔ شکر ہے آخر اللہ ان پر مہربان ہو ہی گیا۔ مدیحہ عارف کی ''مہزوم'' بہت اچھی لگی۔ سب سے پہلے تو مہزوم کے معنی دیکھے، مہزوم کا مطلب ہے ''شکست کھایا ہوا'' پچھتاوے کا ناگ انسان کو کسی پل چین نہیں لینے دیتا' یہ درد وہی سمجھ سکتے ہیں جن کا دل پر ایسی کسی بات کا بوجھ ہو۔ مدیحہ سعید کا ناول ''کاسۂ دل'' بہت خوب رہا۔ گل ناز کی تحریر ''مقید ذات'' میں ثمینہ نے وہی کاٹا جو بویا تھا لیکن پھر بھی اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا (شاید میں کچھ زیادہ رحم دل ہو رہی ہوں آج کل) ثمرہ بخاری کا ناولٹ ''سانولا سویرا'' عنوان بہت انوکھا تھا اور تحریر بھی زبردست رہی، ویری گڈ جی۔ شازیہ الطاف ہاشمی ''کالا پتھر'' لے کر آئیں۔ ویری ویل ڈن شازیہ جی۔ جاوید شاہین کی غزل بے حد پسند آئی اور قارئین کی محفل بھی اے ون رہی۔

☆ پیاری حمیرا! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کا ناول مل گیا ہے، اطمینان رکھیں' قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا۔

فرحانہ مہناز اسلام آباد سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

بالآخر ہم دونوں نے یہ مشکل فیصلہ کر ہی لیا، اپنا شہر چھوڑنے کا۔ گوجرہ جو بیک وقت میرا میکہ بھی ہے اور میرا سسرال بھی۔ میرے تعلیمی ادارے بھی اور میری دوستیں، سب کچھ چھوڑ کر اسلام آباد آ گئی۔ جہاں میرے شوہر کی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پچھلے دس سال سے جاب ہے۔ اب بچوں کے مستقل کے لیے ہم دونوں کی توجہ بچوں پر ہونا ضروری ہے۔ اس لیے 22 فروری کو اپنا ایک کنال کا گھر چھوڑ کر یہاں دو کمروں کے گھر میں شفٹ ہو گئے۔

اب آتے ہیں شمارے کی طرف جو تین ماہ بعد بڑی مشکلوں سے حاصل کیا۔

سب سے پہلے ریحانہ چوہدری کا ''راضی بہ رضا'' پڑھا۔ ''پہلی کاوش'' لیکن بہت اچھا لکھا۔ ریحانہ جی مبارک ہو ''کاسۂ دل'' بھی پسند آئی۔ ''شہر تمنا'' نعیمہ ناز جی آپ کا ساتھی ناول بھی غائب اور آپ کا ناول بھی سستی لیے ہوئے ہے۔ سلسلے وار ناول شمارے میں بے قاعدگی لیے ہوئے ڈسٹرب کرتے ہیں۔ ''وہ نازنین'' بھی سلو ہو گیا ہے۔ ''یار دل دار'' ہمیشہ کی طرح پسند آیا۔ ''بہار آنے کو ہے'' بھی اچھا لگا۔ ''کالا پتھر'' شازیہ جی آپ کے توسط سے پتا چلا کہ یہ اتنا خطرناک ہے، بھی میری امی لگاتی ہیں تو اب اسے چھپا کر رکھیں گے بچوں سے۔ ویسے کہانی بہت اچھی تھی۔ عورت کو خود ہی اپنا آپ منوانا پڑتا ہے۔ ''خط آپ کے'' میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ کچھ عرصہ سے سلسلہ چپقلش کا شکار ہے۔ جب ہماری پیاری مدیرہ صاحبہ کہتی ہیں کہ تنقید یا تعریف آپ کا حق ہے تو دوسری قاری بہن کو تنقید کو نظر انداز کرنا چاہیے کیونکہ یہ مدیرہ جی اور قارئین کا معاملہ ہے۔ ماہا بشیر حسین اچھی بہن، آپ اپنے خط میں اتنی اداس کیوں لگتی ہیں، ابھی آپ بہت چھوٹی ہو، بہت آگے جانا ہے۔ خوش رہا کرو۔

☆ پیاری فرحانہ! بہت اچھا فیصلہ کیا آپ نے۔ شادی کے بعد بیوی کو شوہر کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔ کوئی مجبوری ہو یا معاشی مسئلہ ہو تو علیحدہ بات ہے۔ لیکن کوئی بڑا مسئلہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ بچے باپ کے ساتھ رہیں۔ بچوں کی اچھی تربیت کے لیے ماں کے ساتھ باپ بھی بہت ضروری ہے۔

یہ تبدیلی آپ کے لیے سکون اور آسانیاں لے کر آئے۔ ہماری اور ہمارے قارئین کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

شعاع کی پسندیدگی کا تہہ دل سے شکریہ۔ خطوں کا سلسلہ کسی چپقلش کا شکار نہیں۔ بہنوں میں ایسی کھٹی میٹھی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ آپ اس کو صرف اظہار خیال ہی سمجھیں، ماہا بشیر حسین تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

فائزہ بھٹی نے پتوکی سے لکھا ہے

دو ماہ کے طویل انتظار کے بعد یکم جون کو شعاع کا نیا شمارہ دیکھنا نصیب ہوا اور ہماری جدائی کا سبب بنا، ایک نظر نہ آنے والا وائرس۔ جس نے ہر انسانی زندگی کو متاثر کیا، کسی کو زیادہ کسی کو کم...... ہمیں بھی اس وائرس نے متاثر کیا مگر الحمدللہ بہت کم۔ ہماری گاؤں کی زندگی پر کچھ خاص فرق نہ پڑا۔ بس یہ تھا کہ نوکریوں والے حضرات گھر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ ان دو ماہ میں ہمارے گھر زیادہ تر مہمان رہے۔ عالیہ بھی آئی ہوئی تھی، ہفتہ رہ کر پھر چلی جاتی تھی۔ سعدیہ بھی دو ماہ ادھر رہی۔

بھابھی کے بہن بھائی آئے ہوئے تھے۔ ہمارے اپنے بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ فیکٹریاں بند ہونے کی وجہ سے۔ پھوپھو اور ان کا نواسا دو ہفتے رہ کر گئے۔ بس جان لیجیے یہ عرصہ مہمان نوازی کی نذر ہو گیا۔ کوٹ کے سارے لڑکے فارغ، اسکول، کالج، نوکریاں چھوٹ جانے کی وجہ سے۔ صبح و شام سامنے کھیت میں کھیلتے پائے گئے۔ مسجد بھی ان کے دم سے آباد ہو گئی۔

دعوتیں ہوتی رہیں۔ اگر کوئی بیمار ہے تو عیادت کرنے مرد و عورت بلاناغہ جاتے رہے۔ ہر ایک کا ایک ہی نظریہ تھا۔ محبت بانٹنے اور سمیٹنے سے کوئی وائرس قریب نہیں آتا۔ ہر کسی کا اس سے اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ اس عرصے میں عالیہ کے جتنے چکر لگے، بولتی پائی گئی۔ باجی شازیہ کا فون آتا۔ ''امی سے کہو باہر نہ نکلیں، کسی کی عیادت کی ضرورت نہیں ہے۔ عکاشہ کو گھر کے اندر رکھو۔

بھائی سے بولو باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

ماموں بھی جب آتے کرفیو نافذ کر دیتے۔ دو دن رہ کر ادھر وہ جاتے، ادھر سب باہر۔

پھر عالیہ جب ہفتہ بھر رہ کر گئی تو اسے اندازہ ہوا،

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گاؤں کی زندگی میں ایک دوسرے سے ملے جلے بغیر گزارہ نہیں ہے۔

عورتیں باہر نہ بھی نکلیں تو مرد حضرات جو سارا سارا دن باہر کھیتوں اور جانوروں میں گزار دیتے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے کی مدد کے بغیر کام نہیں ہوتا۔

بجلی بند ہونے کی صورت میں کوئی جانوروں کے لیے چارے اور پانی کا بندوبست کرنے کبھی ایک کی حویلی میں جا رہا ہوتا ہے، کبھی دوسرے کی۔

کوئی سبزی توڑ کر منڈی لے جانے لگے تو دو چار آدمی ادھر مدد کی غرض سے جمع ہو جاتے ہیں۔

فصلوں کو پانی دینا ہو تو پھر بھی لوگوں کی موجودگی لازمی ہوتی ہے۔

بس سمجھ لیں، ایک دوسرے کی مدد کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔ یہاں تو غصہ، ناراضی ہو بھی جائے تو زیادہ دیر نہیں چلتی۔

سبزی والا نہ بھی آتا تو روزانہ کی بنیاد پر کھیت سے سبزی لا کر پکائی جاتی اور روٹی پکا کر کھالی جاتی۔ لڑکے بھی شہتوت کے درخت پر چڑھے ملتے تو کبھی امرود کے باغ کے پاس موبائل پر نیٹ چلاتے۔

ہم نے خود بہت امرود کھائے۔ ادھر منگوائے، ادھر اتنے لوگوں کی موجودگی میں ختم۔

عالیہ جب بھی ہم کو کھاتے دیکھتی تو کہتی گاؤں کتنی بڑی نعمت ہے۔ گندم گھر کی ہے، سبزی باہر ہے۔ اگر کسی دن سبزی نہیں ملتی تو دھنیا توڑو اور چٹنی بنا کر کھالو۔ دودھ پیتے ہو، لسی پیتے ہو۔ ایک ادھر ہمارے شہر کی زندگی ہے۔ کچھ نہ ملنے پر گھروں میں لوگ مر رہے ہیں، نہ کسی کے پاس دودھ کی نعمت ہے۔ نہ لسی کی، نہ گندم، نہ چٹنی سبزی کی۔ لیکن، ہم بھی متاثر ہوئے تھے۔ مرد حضرات نوکریاں چھوڑ کر گھروں میں آ بیٹھے تھے تو مالی لحاظ سے ہم بھی متاثر ہوئے تھے مگر باہر کھیتوں، فصلوں، جانوروں نے بہت ساتھ دیا۔ کسی کو بھوکا نہیں رہنے دیا۔

اس کورونا سے تو ہم اتنا متاثر نہیں ہوئے۔ 3 مئی کو خالہ زاد بھائی نما کزن کی ڈیتھ ہوگئی۔ وہ بھی عین جوانی میں، اکتیس بتیس سال کی عمر میں۔ ہمارا اور خالہ کا گھر ساتھ ساتھ ہے۔ پانچ فٹ کی دیوار ہے درمیان میں۔

ہم چھ بہنیں، ایک بھائی ہے۔ خالہ کے دو بیٹے، تین بیٹیاں...... ہمارا بھائی کام کے سلسلے میں دوسرے شہر رہتا ہے تو ضرورت پڑنے پر بھائی شکیل نے کام کر جانا۔ ہمارے دکھ سکھ سانجھے۔ بہن بھائیوں کی طرح ہر ایک کی کامیابی پر خوش ہونا اور ناکامی پر جلنا کڑھنا، ہم سب کا مشترکہ مشغلہ ہے۔ گرمیاں سردیاں لڑکیاں ایک ہی جگہ پر پائی جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر آدھے مہمان ادھر، آدھے مہمان ادھر پائے جاتے ہیں۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ خالہ کے خاوند کی بھی جوانی میں ڈیتھ ہوگئی۔

خالہ نے دن رات محنت کی۔ ماموؤں نے بڑا ساتھ دیا۔ امی نے بڑا ساتھ دیا مگر پھر بھی انہوں نے بہت زیادہ محنت کر کے بچوں کو پالا۔

خالہ نے اپنے بچوں کی میٹرک کے بعد شادیاں کر دیں۔ ہم بہنیں پڑھنے لگ گئیں۔

بھائی شکیل کی شادی بھی ہماری ماموں زاد عقیلہ سے بھائی کی پسند سے ہوئی۔

15 مارچ کو بھائی کی شادی کو پانچ سال ہوگئے تھے، ڈیڑھ سال کی چھوٹی سی بچی ہے۔ گندم کی کٹائی کرتے تھے۔ گرمی کی شدت اور پانی کی زیادتی سے ہیضہ ہوگیا۔

یکم مئی کو ان کی طبیعت خراب ہوئی۔ بار بار شہر لے کر گئے، وہ وقتی ٹریٹمنٹ دیتے اور پھر وائرس کی وجہ سے واپس بھیج دیتے۔

3 مئی، نویں روزے، سحری کے وقت امی روٹیاں بنا رہی تھیں، جب بھائی کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے روٹیاں پکڑیں اور کچن میں آگئی۔ اتنے میں خالہ کے رونے کی آواز آنے لگی۔ امی نے روٹی ادھر چھوڑی اور دوڑ کر خالہ کے گھر داخل ہوگئیں۔ میں نے دیوار سے جھانک کر دیکھا، امی، خالہ، صبا رو رو کر آوازیں دے رہی تھیں اور بھائی کے رخسار پر آنسو ٹھہرا ہوا تھا۔ جسے عقیلہ صاف کر رہی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میرے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ میں نے دوڑ کر خالہ کا دروازہ پار کیا۔ اپنا ہاتھ بھائی کے بازو پر رکھا۔ ٹھنڈا بے جان سا احساس سارے وجود میں سرائیت کر گیا۔ موت دبے پاؤں گھر میں داخل ہو گئی تھی۔

بس اذیت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو ابھی تک جاری وساری ہے۔

خالہ کو دیکھتے ہیں تو ان کی حالت دیکھ کر آنسو بہتے رہتے ہیں۔ عید بھی بغیر پکائے کھائے، روتے گزر گئی۔

اب آتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف۔

ٹائٹل گرل دیکھی...... دیکھی بھالی لگی۔ اگر بتا دوں تو میری گردن نہیں بچے گی۔

پہلی شعاع، احادیث، حمد و نعت کے بعد خطوط کی رونق دیکھنے اس محفل میں قدم جمائے۔ عرصے بعد اپنے پن کا احساس چھو گیا۔

''شہر تمنا'' نائلہ تمہاری قسمت پر صرف افسوس ہوتا ہے۔

''شام کی حویلی'' رخسانہ جی اتنی طویل غیر حاضری کے بعد بھی آپ کا دل نہیں بھرا۔

''وہ نازنین'' واسع! ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھ وقت دیتا ہے۔ تمہاری جو کزن ٹکرائی ہے، وہ بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ رباب! دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔ ''شاماں پے گیاں'' منشا تمہارا انداز تحریر لبھانے والا ہے۔ ''کاسۂ دل'' اذلان لاشاری تمہاری زبان سے ادا ہوئے کچھ شعر اپنی ڈائری کی زینت بنا لوں تو اعتراض تو نہ ہوگا۔ سیرت فاطمہ اب یقین کر لو کہ محبتیں اعزاز ہوا کرتی ہیں۔ تم دونوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ''بہار آنے کو ہے'' ایک نارمل تحریر۔

''راضی بہ رضا'' ریحانہ سب سے پہلے آپ کو پڑھا۔ پہلی کاوش کے طور پر دیکھا جائے تو اچھا افسانہ تھا۔ اگر افسانے کی روح کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کچھ کمی تھی۔

''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' س، ع...... مجھے آپ سے مل کر اچھا لگا۔ ر،م۔ مجھے آپ کی کچھ باتوں سے اختلاف ہے۔ آپ کے آخری سوال کا جواب دوں گی۔

اگر آپ شادی نہ کرتیں اور جاب جاری رکھ کر خود مختار زندگی گزارتیں تو پھر بھی آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا...... بہت سی تکالیف کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ آپ شکر کریں، اللہ نے آپ کو گھر دیا ہے۔ بچوں جیسی خوب صورت نعمت دی۔ جسمانی طور پر آسودہ ہونا بھی بڑی نعمت ہے۔ جہاں تک روح کے زخموں کی بات ہے، وہ ہر انسانی روح کے اوپر لگے ہوتے ہیں کیونکہ دنیا میں اللہ نے سکون رکھا ہی نہیں ہے۔ ''کھلتا کسی پہ کیوں'' اس بار متاثر نہ کر سکا۔

☆ پیاری فائزہ! کچھ دکھ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ تسلی کے بول ان کے سامنے چھوٹے لگتے ہیں۔

آپ کی خالہ کا دکھ بہت بڑا ہے۔ انہوں نے جوانی میں بیوگی کا دکھ جھیلا اور اب اس عمر میں انہیں جوان بیٹے کی موت کا صدمہ جھیلنا پڑا۔ آپ کی ماموں زاد بہن نے بھی پھوپھو کی طرح اتنی کم عمری میں بیوگی کا صدمہ اٹھایا۔ اللہ صبر دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر دے اور آپ کے خالہ زاد بھائی شکیل کی مغفرت فرمائے، آمین۔

کراچی سے تسنیم کوثر لکھتی ہیں

پہلی شعاع میں آپ کی باتیں دل کو چھو گئیں، بے شک اللہ کے حضور جھک جانے کا وقت ہے۔ ہمیں اللہ کے آگے سربسجود ہو کر گڑگڑا کر، رو رو کر سچے دل سے معافی مانگنا ہے، وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ ضرور اپنا کرم کرے گا ان شاء اللہ۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی شعاع کی کہانیاں، افسانے، ناولز، باقی سلسلے وغیرہ کچھ اچھے، بہت اچھے اور کچھ بس گزارہ لائق لگے۔ حمیرا شفیع کا ''ناول بہار آنے کو ہے'' کھچڑی ٹائپ کا ناول اسے برا نہیں بلکہ بہتر کہہ سکتے ہیں، مصنفہ نے محنت تو بہت کی ہے۔

ثمرہ بخاری کا ''سانولا سویرا'' بھی اچھا ہی رہا اور اس کے علاوہ مدیحہ سعید کا خوب صورت و دلکش ناول ''کاسۂ دل'' کی تو کیا بات ہے بھئی، بہت عمدہ اور سحر

بقیہ صفحہ نمبر 247 پر

WWW.QARIAZEEM
www.pakistanipoint.com

رخسانہ نگار عدنان

شام کی حویلی میں

کشف اپنے پرانے طرز کے گھر سے شدید بے زار ہے اور وہ اپنی آنی سے ہزار بار کہہ چکی ہے کہ وہ اس گھر سے جان چھڑالیں لیکن وہ ہر بار اس کی بات ہنس کر ٹال دیتی ہیں۔ کشف گلیوں سے گزرتے خوانچہ فروشوں سے بھی سخت بے زار رہتی ہے اور انہیں حسب توفیق بددعاؤں سے نوازتی رہتی ہے۔

طاہرہ بیگم کا اپنے گھر پر کافی ہولڈ ہے۔ ان کی بہو سونیا اور بیٹا آزر دونوں ہی ان کے فرماں بردار ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ ان کی مرضی سے طے ہو۔

جبکہ ردا اپنے آفس میں کام کرنے والے جبران سے محبت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ وہ اس کا رشتہ لے کر آئے۔

دوسری جانب کشف کا پڑوسی اسے چھیڑتا ہے اور وہ اس کے پاؤں پر اینٹ دے مارتی ہے۔ بعد میں اسی لڑکے کی ماں سے بھی خوب جھگڑا کرتی ہے۔

زینب شاعری کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں بھی پڑھاتی ہے وہ اپنا مسودہ حیدر کے پاس لے کر جاتی ہے تاکہ وہ سرفراز سے بات کر کے اسے چھپوا سکیں۔

آفس سے واپسی پر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور وہیں تیز برستی بارش میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہے جہاں ڈاکٹر موحد تین بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے لیکچر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دے رہے ہیں۔اور ہال میں تمام لوگ ساکت ہو کر سن رہے ہیں۔

کشف، ناہید کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ ناہید کو زینب کی فکر ستاتی ہے اور وہ بارش سے بھی خوف زدہ ہیں۔ کشف انہیں کہتی ہے کہ زینب فون نہیں اٹھا رہی۔ ناہید اس سے بتول خالہ سے کیے گئے جھگڑے کے بارے میں پوچھتی ہیں اور اسے سمجھاتی ہیں۔

میر وخزاں کے موسم میں اپنی گاڑی میں موجود ہے اور کسی کی یاد ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے اگر کبھی ناراض ہوئی تو میرو اسے منا لے۔ وہ ان سوچوں میں الجھا چلتا چلا جاتا ہے۔

موحد راستے میں رش دیکھ کر اترتا ہے اور سامنے بے ہوش پڑی زینب کو دیکھ کر اسے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔

آذر کو ایک فون کال آتی ہے اور وہ عجلت میں آفس سے باہر نکلتا ہے۔ زینب کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہ پا کر کشف شدید پریشان ہو جاتی ہے۔ سہیل اپنے طور پر پتا کروالیتا ہے اور اسکول بھی چکر لگا آتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں ہوتی۔ وہ حیدر کو فون کرتی ہے وہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر موحد کی کال آتی ہے۔ اور وہ اسے زینب کے بارے میں بتاتا ہے۔

دوسری طرف زینب کو ہوش آتا ہے اور موحد اسے جانا پہچانا لگتا ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہے اور گھر جانے کا کہتی ہے۔ اور موحد سے اس کے باپ کا نام بھی پوچھ لیتی ہے۔ موحد اسے اس کے گھر چھوڑ کر آتا ہے۔ جہاں کشف کے ساتھ بلال بھی موجود ہوتا ہے۔ باتوں کے دوران بتول خالہ آجاتی ہیں اور ماں بیٹی کے کردار پر الزام تراشیاں کرتی بکتی جھکتی بلال کے ڈرانے پر گھر سے نکل جاتی ہیں۔

آذر، ردا کو لے کر گھر پہنچتا ہے جہاں پورا گھر ردا کی غیر حاضری کے باعث پریشان ہے۔ ردا اپنے کمرے میں جاتی ہے جہاں رمشا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔ سونیا اس کے کمرے میں آتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ ردا حیران رہ جاتی ہے۔

میرو دیوار میں کیل ٹھونک رہا ہوتا ہے جب وہ عورت چیختے ہوئے آتی ہے اور اس سے جھگڑتی ہے۔ اس حسین عورت کی طرف میرو شرمندگی سے دیکھتا اس کی بدزبانی سنتا ہے۔ تبھی ان کی بیٹی آتی ہے اور اس کا سرخ لباس دیکھ کر وہ عورت پھر سے چیخنا چلانا اور آخر میں رونا شروع کر دیتی ہے۔

وہ نوجوان لڑکی ماں کی اس حالت سے شدید الرجک ہے اور کہتی ہے کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔ جبکہ وہ عورت چلاتے چلاتے میرو کے گریبان میں چہرہ چھپا لیتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے دور نہ جائے۔

دادی، شائستہ کو فون کر کے کہتی ہیں کہ آزر اور سونیا کو اس رشتے پر اعتراض نہیں۔ وہ بیس دن بعد نکاح رخصتی کی تاریخ رکھ لیتی ہیں جبکہ دروازے میں کھڑا آزر یہ سن کر ساکت رہ جاتا ہے۔

آزر اپنی ماں سے کہتا ہے کہ انہیں رشتہ طے کرنے سے پہلے کم از کم ردا کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔ لیکن وہ بات کو یوں گھماتی ہیں کہ آزر چپ رہ جاتا ہے۔

کشف آنی سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے۔ وہ اسے ساری تفصیل بتاتی ہے۔ میر منصور باہر گیا اور وہاں جا کر دوسری شادی کر لی۔ کشف ضدی لہجے میں کہتی ہے کہ وہ ان سے ضرور ملے گی۔

سونیا، ردا سے پوچھتی ہے کہ برسات میں کیا ہوا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور جبران سے ہی شادی کرے گی۔ سونیا اسے زوردار تھپڑ مارتی ہے۔ سونیا، آزر کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی شادی کے لیے راضی نہیں۔

حیدر، زینب سے ملتا ہے تو وہ اسے کشف کے رویے کے بارے میں بتاتی ہے۔

کشف خیالوں میں گم بس میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔ اڈے پر پہنچ کر وہ چونکتی ہے اور گھبرا کر رہائشی علاقے کی طرف آجاتی ہے۔ جہاں حمزہ اسے سونیا کے گھر ڈراپ کر دیتا ہے۔ کشف کی موجودگی سے آزر بے سکون ہوتا ہے۔

میر منصور، ایما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بدتمیزی کرتی ہے جوابا وہ اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ ایما پولیس بلا لیتی ہے۔ گھر پر اس کی ماں ایک پرتکلف ڈنر تیار کر کے اس کا انتظار کرتی ہے۔ ایما ماں کو خوشی خوشی بتاتی ہے کہ اس نے باپ کو

پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔
کشف سونیا سے بھی اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے اور اس کے سامنے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ضرور امریکہ جائے گی۔
زینب، بتول خالہ سے معافی مانگنے جاتی ہے جہاں وہ اسے کشف کی شادی کا مشورہ دیتی ہیں۔
ڈاکٹر موحد گاؤں میں ہونے والی ایک فوتگی پر جاتے ہیں اور وہاں نہ صرف جنازے میں شریک ہوتے ہیں بلکہ قبر کھودنے میں بھی مدد کرتے ہیں جس پر گاؤں کے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔
سونیا زینب کو فون پر کشف کی وجہ سے بہت سناتی ہیں۔ زینب کشف سے اس بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہاں وہ سونیا کے پاس اپنے باپ کی معلومات لینے گئی تھی۔ اسے سونیا کا عجیب رویہ یاد آتا ہے۔
آزر جبران سے ملتا ہے اور اسے بے عزت کرتا ہے، ردا غصے سے باہر نکل جاتی ہے۔
کشف کچن میں ردا کو دیکھ کر ایک کپ کافی کا کہتی ہے۔ باتوں باتوں میں وہ ردا سے کہتی ہے کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ ردا یہ سن کر چراغ پا ہو جاتی ہے۔ سونیا ردا کو آ کر تھپڑ مارتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس کی ماں کی وجہ سے آج تم اس گھر میں ہو اور آج ہماری عزت رہ گئی ہے۔
ہاسپٹل سے میر منصور زینب کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاتا ہے اور اسے زینی کے نام سے بلاتا ہے۔ زینب کہتی ہے کہ اس کا نام زینی نہیں زینب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم جس سے محبت کرتی ہو وہ میں تھا یا کوئی اس کی خاطر میری بات سن لو۔ زینب کہتی ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی اور کبھی نہیں تھا۔ میر منصور اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ موحد کے پہنچنے پر زرین بہت خوش ہوتی ہے۔ زرین کو برے حالوں میں دیکھ کر موحد کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایما کی وجہ سے اس حال میں ہیں، میں ان کا کچھ نہیں۔
میر منصور کی یہ بات سن کر زینب حیران رہ جاتی ہے کہ زینب نے بے وفائی میں پہل کر کے شادی کر لی۔ دونوں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ منصور یہ سن کر پریشان ہو جاتا ہے کہ تیئس سال سے اکیلی رہ رہی ہے۔
کشف زینب سے فون پر کہتی ہے کہ وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے زینب منع کر دیتی ہے۔
کشف کی آنکھ ایک ڈراؤنے خواب سے کھلتی ہے۔ وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھتی ہے ٹائم دیکھتی ہے۔ ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ پانی پی کر وہ خالی گلاس لے کر باہر جاتی ہے۔ کچن میں اندھیرا ہوتا ہے۔ وہ ڈسپنسر سے پانی لینے آگے بڑھتی ہے۔ کہ اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے اس کو بری طرح اپنے بازوؤں میں لے کر جھنجھوڑا تھا۔ اس نے چیخنا چاہا تو کسی نے اس کے منہ کو پوری قوت سے بھینچ دیا۔
کشف پر حملہ کرنے والا کوئی اور نہیں آزر تھا۔ سونیا آزر سے پوچھتی ہے۔ اس کی چیخ و پکار سن کر رمشا، ردا اور طاہرہ بیگم بھی آجاتے ہیں۔ آزر ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ میں نے صرف اپنے بیٹے کو اس سے بچانے کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حمزہ یہ سن لیتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پاتا۔ طاہرہ بیگم آزر کی حمایت کرتی ہیں۔
حیدر کشف کو سمجھاتا ہے کہ وہ گھر کے اندر آجائے۔ بلال ثمینہ کو اس کے کمرے میں لے جاتا ہے۔ ماں کو کمرے میں چھوڑ کر بلال کشف کو اندر صالحہ کے کمرے میں لے آتا ہے لیکن کشف وہاں رکنے پر تیار نہیں ہوتی صالحہ اسے کہتی ہیں کہ صبح وہ خود اس کے ساتھ اس کے گھر چلیں گی۔
ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے کہ اسے طلاق چاہیے۔ بلال سمجھاتا ہے تو وہ کہتی کہ بلال اپنے باپ کی حمایت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے۔
موحد ایما سے ملنے ہاسپٹل آتا ہے جہاں زریں اسے کہتی ہے کہ وہ منصور کو چھوڑ دے گی بس موحد اس کے پاس آجائے۔ منصور کو یہ سن کر احساس زیاں ہوتا ہے وہ زینب کے پاس جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ کشف صالحہ بیگم کے ساتھ اپنے گھر آجاتی ہے۔
موحد کے پاکستان واپس جانے کا سن کر زریں بہت دکھی ہوتی ہے۔ دپنی اپنے بچے کے ساتھ جو رات جنگل میں گزارتی ہے اس سے اس میں اتنی ہمت آجاتی ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے تنہا جینے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ زینب اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوتی ہے۔
آزر ماں اور بیوی کے ساتھ رمشا کو بھی لے کر ایئرپورٹ جاتا ہے گھر میں ردا اکیلی ہے۔ اچانک وہاں وہ ایک جانی پہچانی آواز سنتی ہے۔ زینب سے ملنے کے لیے منصور ہوٹل آتا ہے۔ وہیں اس کی ملاقات موحد سے ہوتی ہے۔ وہ اس غیر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

متوقع صورت حال پر حیرانی سے اسے دیکھتا ہے۔
ردا گھر میں اکیلی ہوتی ہے فرحان آکر اسے اکساتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ چلے ردا کے انکار پر اسے غصہ آجاتا ہے اور وہ بدنیتی پر اتر آتا ہے۔ ردا اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے فرحان بھاگ جاتا ہے۔ حمزہ آکر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔
منصور زینب سے ملنے آتا ہے تو وہاں موحد بھی پہنچ جاتا ہے موحد حیران ہوتا ہے کہ زینب سے منصور کا کیا تعلق ہے منصور بتاتا ہے کہ وہ اس کی فرسٹ کزن ہے۔
زینب کو شاپنگ پر جانا تھا منصور اسے اس کے والد کا واسطہ دے کر کہتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر چلے۔ اسے سونیا اور اس کی بیٹیوں کے لیے شاپنگ کرنی تھی۔ منصور اس کے لیے ایک ساڑھی گفٹ لیتا ہے۔ زینب کو ماضی یاد آتا ہے کہ وہ سونیا کی شادی میں اس کے لیے ساڑھی لایا تھا۔ وہ اس کی دی ہوئی ساڑھی ریسپشن پر چھوڑ جاتی ہے۔ منصور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔
بلال کشف سے ملنے آتا ہے کشف اس سے رکھائی سے پیش آتی ہے۔ اس کے یہ پوچھنے پر کہ وہ سونیا کے گھر سے رات میں کیوں آئی کشف ناراض ہو جاتی ہے۔
سونیا ردا کی حالت دیکھ کر پریشان ہے کہ اس کے سسرال والے آچکے ہیں اور کسی وقت بھی ہوٹل سے گھر ملنے آسکتے ہیں۔ ردا کہتی ہے کہ وہ چکرا آنے پر گر پڑی تھی۔ موحد کے جانے کے بعد زرین منصور سے معافی مانگتی ہے منصور کے نہ ماننے پر کپ توڑ دیتی ہے۔
سونیا آکر کشف سے معافی مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ زینب یا کسی کو پتا نہ چلے۔
زینب پاکستان آکر حیدر کے ساتھ آتی ہے وہ یہ جان کر حیرت زدہ ہے کہ کشف سونیا کے گھر نہیں بلکہ اپنے گھر میں ہے۔ حیدر یہ جان کر کہ زینب منصور سے کینیڈا میں مل چکی ہے، چونک جاتا ہے۔
سونیا اور آزر نے شائستہ اور سلیمان کی دعوت اپنے گھر میں رکھی تھی۔ جس میں ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ رمشا ردا کو تیار کرتی ہے۔ ردا رمشا سے محبت کے حوالے سے بات کر رہی ہوتی ہے کہ دروازے میں سلیمان کو کھڑا دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے۔
موحد کو زینب ڈنر پر انوائیٹ کرتی ہے۔ کشف کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈنر پر موحد سے بدتمیزی کرتی ہے۔ میر وجیل میں بیٹھا شدید غم میں ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیٹی سے اس حرکت کی توقع نہیں ہوتی۔ ردا کو جبران الزام دیتا ہے۔ اور پھر اسے کہتا ہے کہ وہ کل ہر اس صورت اس سے ملاقات کر لے جبران ردا کو ایک انجان جگہ لے جاتا ہے۔
حیدر، زینب کو میر منصور کا کینیڈا کا ایڈریس دینا بھول جاتا ہے۔ رمشا، کشف کے آنے پر بہت خوش ہوتی ہے۔ طاہرہ بیگم ان سے اجازت لیے بغیر کشف کے وہاں آنے کا بہت زیادہ برا مناتی ہیں۔ کشف کو لگتا ہے کہ وہ مر جائے گی۔ وہ سونیا سے وہاں سے جانے کی ضد کرتی ہے۔
میر منصور کے گھر فون آتا ہے کہ ایمان بلڈنگ سے گر کر انتہائی زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ زینب کی وہاں بہت پذیرائی ہوئی ہے۔
موحد کو ایما ــ کے زخمی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ وہ پریشان ہوتا ہے۔ منصور اور زرین میں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ منصور کو اپنی ماں کی بات یاد آتی ہے کہ انہوں نے زینب کی شادی کر دی ہے۔
طاہرہ بیگم سونیا کو سخت سست سناتی ہیں۔ آزر کو بھی کشف کا وہاں رہنا پسند نہیں آتا۔
کشف گھبرا کر موحد کے پاس جاتی ہے وہ اپنی پریشانی میں الجھا ہوتا ہے۔ کشف کو ناگوار گزرتا ہے۔ زینب فون پر کشف کو ڈانٹتی ہے کہ وہ بغیر بتائے سونیا کے گھر سے کیوں نکل آئی۔ زینب کے ساتھ آئے ایک شاعر کو دل کا دورہ پڑتا ہے اور سب کے ساتھ زینب بھی انہیں دیکھنے اسپتال جاتی ہے۔ جہاں اس کا سامنا میر منصور سے ہوتا ہے۔ وہ دونوں حیران رہ جاتے ہیں۔
موحد کے کینیڈا جانے کا سن کر کشف موحد سے کہتی ہے کہ وہ بتا کر جاتا تو وہ اپنے باپ کا اتا پتا معلوم کروالیتی اس سے۔ موحد کہتا ہے کہ تمہاری آپی کا بھی تو کینیڈا میں رابطہ ہے ان کے کزن ہیں وہاں۔ کشف کی حیرانی پر پوچھتا ہے کہ زینب کی اجازت کے بغیر اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ کشف سے اس کے والد کا نام پوچھتا ہے اور منصور احمد کا نام سن کر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پتھر ہو جاتا ہے۔
سلیمان کو دیکھ کر رمشا جلدی سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ ردا کی چوٹ دیکھ کر استفسار کرتا ہے۔ رمشا اور ردا یہ جاننے کے لیے بے چین تھیں کہ کہیں سلیمان نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں۔
کشف زینب سے شکایت کرتی ہے کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی۔ زینب پریشان ہوتی ہے کشف کی حالت دیکھ کر۔ وہ اس سلسلے میں صالحہ بانو سے بھی بات کرتی ہے۔
ردا شاپنگ پر جانے سے انکاری ہے، ماں کے سمجھانے پر سلیمان اس کی والدہ رمشا اور سونیا کے ساتھ وہ چلی جاتی ہے، وہاں وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سلیمان اور ردا کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں، فرحان اسے سلیمان کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔
منصور زرین سے کہتا ہے کہ اسے دس پندرہ دن کے لیے پاکستان جانا ہے، اس کی بھانجی کی شادی ہے۔
زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے کہ سونیا کے ہاں ایسا کیا ہوا جو وہ وہاں سے آ گئی۔ کشف کہتی ہے کہ وہ ایک شرط پر بتائے گی کہ زینب اسے بتائے کہ زینب منصور سے کینیڈا میں ملی ہے اور یہ بات اسے ڈاکٹر موحد نے بتائی ہے۔
سونیا نکاح والے دن زینب کو بتاتی ہے کہ منصور پاکستان نہیں آ رہا۔
حمزہ ردا کے نکاح والے دن کشف سے ملنے جاتا ہے۔ کشف اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے معافی مانگتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ کشف اسے معاف کر دے۔
منصور زرین سے کہتا ہے کہ وہ پاکستان اس لیے جا رہا ہے کہ وہ اپنا گھر بیچ کر اس کا قرض اتارے۔ لیکن زرین اس کی بات پر یقین نہیں کرتی کہ تم وہاں جا کر ہمارے رشتے سے مکر سکتے ہو۔ جس پر منصور اسے بتاتا ہے کہ زرین کے والد نے اس کی خوشامد کر کے اسے زرین سے شادی پر مجبور کیا تھا۔
ردا سلیمان کو پا کر محسوس کرتی ہے کہ یہ اس کی ماں باپ کی فرمانبرداری کا انعام ہے۔
کشف، فائقہ کے ساتھ ورکشاپ اٹینڈ کرنے آتی ہے تو اس کی ملاقات وہاں موحد سے ہوتی ہے۔ موحد اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کھانے پینے کا انتظام اچھے سے کروا دیتا ہے۔ کشف کو بہت محسوس ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں وہ اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔
زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ حیدر کے آفس جاتی ہے۔ وہاں اس سے کشف کے رشتے کی بات کرتی ہے وہ بلال کی بات کرتا ہے۔ وہاں ثمینہ آ جاتی ہے اور ان دونوں کو خوب ذلیل کرتی ہے۔ حیدر ثمینہ کو لے جاتا ہے۔ زینب وہاں سن بیٹھی رہ جاتی ہے چوکیدار آ کے اسے جانے کا کہتا ہے۔
کشف، ڈاکٹر موحد سے ملتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں تو میری ماں سے میرا ہاتھ مانگیں اور مجھ سے شادی کر لیں۔
فرحان، سلیمان کے ہوٹل پہنچ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ ردا کا بوائے فرینڈ اور سابقہ محبوب ہے۔
موحد کشف سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ حمزہ باپ سے ناراض ہے۔ آزر غصے میں حمزہ کو گھر سے نکل جانے کو کہتا ہے۔ فرحان سلیمان سے مل کر اسے اپنے اور ردا کے تعلق کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سلیمان، ردا کی کال ریسیو نہیں کرتا۔
ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے۔ اور بہت غلط زبان استعمال کرتی ہے بلال اسے روکتا ہے تو وہ اسے بھی لتاڑتی ہے۔ کشف کے حوالے سے کہتی ہے کہ وہ اسے کبھی بہو نہیں بنائے گی کشف یہ سب سن لیتی ہے۔ اور روتی ہوئی گھر چلی جاتی ہے۔ سلیمان، ردا سے فرحان کے متعلق سوال کرتا ہے۔

انیسویں قسط

وہ تو بس اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔
دیکھ دیکھ کر جیسے صدیوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔ اور وہ اتنے دنوں سے جو سوچ رہا تھا زینب سے ملنا ہے۔ اسے دیکھنا ہے اور بس!
اس سے کیا کہنا ہے ملتے سمے، یہ تو اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا۔ یہی غائب دماغی اس وقت بھی طاری

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تھی۔

گم صم بالکل گنگ کھڑا بس تکے جا رہا تھا۔

''جی فرمایئے، کون ہیں آپ؟ کس سے ملنا ہے؟'' کانوں سے کسی کی کرخت آواز ٹکرائی تو جیسے اس کے مختل ہوئے حواس کی دنیا میں زلزلہ سا آ گیا۔

وہ اگر کھڑے کھڑے فوت ہو جاتا تو شاید اس اچانک انہونی پر بھی اسے یقین نہ آتا لیکن زینب اس سے اس لہجے میں یوں اجنبی سمجھ کر بات کرے گی، اس پر وہ مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔

''او بھائی! کون ہو؟ کس سے ملنا ہے؟'' اس کی آواز میں درشتی اور بیزاری دونوں نمایاں تھیں۔

منصور کو سچ میں ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔

سفید دوپٹا اوڑھے وہ کوئی اور خاتون تھی بس زینب نہیں تھی۔

وہ دروازہ اس کے دروازے جیسا ضرور تھا جسے اس کے تخیل نے اب تک سنبھال کر کسی تبرک کی طرح اپنے دل و دماغ میں چھپا رکھا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ جب بھی اپنی عقیدت کی اس درگاہ تک جائے گا یہ دروازہ اسی طرح اس کو بڑی کشادگی سے اپنے اندر پہلے کی طرح سمو لے گا۔

''مجھے زینب سے...... یہ گھر......'' وہ عورت کی گھورتی مشکوک نظروں سے قدرے خائف ہو کر ہکلایا تھا۔

دھاڑ سے دروازہ اس کے منہ پر بند ہوا تھا۔

''کوئی پاگل سر پھرا ہی لگتا ہے۔''

غصے میں وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اونچی آواز میں بڑبڑائی تھی۔

اور وہ گہرا سانس لے کر الٹے قدم چلتا پیچھے ہو گیا۔

اور سر اٹھا کر بڑے زیرک انداز میں اس بوسیدہ دروازے کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

دروازہ ویسا ہی تھا لیکن اس کے اوپر بنی بلڈنگ کی تنگ سی کھڑکیاں لوہے کے جنگلوں میں گھری تھیں۔

دیواروں پر بھی تیز رنگوں کا روغن تھا۔

اس نے گردن موڑ کر تنگ سی گلی کا دور تک دائیں بائیں جائزہ لیا۔ تنگ راستے ویسے ہی تھے جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا بلکہ شاید کچھ مزید تنگ ہو گئے تھے۔

گلی کی نکڑ کے پاس ایک کھلا سا میدان تھا۔ جہاں گجروں کی گائیں بھینسیں ہوتی تھیں۔

اب اونچی اونچی سیمنٹ زدہ بدصورت عمارتیں کھڑی تھیں۔

اتنی اونچی کہ سر اٹھا کر اوپر تک دیکھتے ہوئے بھی آسمان بمشکل نظر آتا تھا۔

''ان وقتوں میں ان گلیوں میں اتنی تنگی تو نہ تھی۔'' وہ سوچ کر رہ گیا۔

اب وہ نظریں گھماتا ان نشانیوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے اتنے سالوں بعد بھی بغیر ردوبدل کے وہاں موجود ہونی چاہیے تھیں۔

اور اسے اس تمام عرصے میں پہلی بار مایوسی ہوئی وہاں کچھ بھی ''پہلے'' جیسا نہیں تھا۔

''تو میں رستہ بھول گیا ہوں اپنے گھر کا رستہ۔'' وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

ایسا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنے گھر کا راستہ بھی بھول سکتا ہے۔

وہ نیم اندھیری ٹوٹی پھوٹی گلی میں سنبھل سنبھل کر چلتے بھی ٹھوکریں کھاتا گیا۔

''مجھے سونیا سے ایڈریس لے لینا چاہیے تھا۔'' اسے ملال سا ہوا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"اپنے گھر کا پتا پوچھتا تو میری ماں جائی میرے بارے میں کیا سوچتی۔" دوسری شرمندگی نے گھیرا۔
وہ کچھ بھی نہیں سوچتی، اسے معلوم ہے۔ میں اتنے سالوں بعد آیا ہوں تو یقیناً بھول گیا ہوں گا۔"
اس نے خود کو تسلی دیتے وہ گلی پار کی۔
اردگرد ویسی ہی تنگ گلیوں کا جال سا بچھا تھا۔
اس کے گھر کو جانے والی گلی کون سی ہو سکتی ہے۔ بار بار دیکھنے کی کوشش کرنے پر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
"مجھے یہاں کل دن میں آنا چاہیے، ابھی مجھے یہاں کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔"
فیصلہ کر کے وہ پاس سے گزرتے شخص سے اس "جال" سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھنے لگا کہ وہ باہر جانے کا راستہ بھی گڈمڈ کر چکا تھا۔

☆☆☆

"یہ آپ کے لیے حیدر بھائی نے کل بھجوایا تھا میرے اسکول۔" وہ ملنے کی بات بیچ میں سے گول کرتے ہوئے پرس سے لفافہ نکال کر صالحہ کو پکڑاتے ہوئے بولی۔
صالحہ ایک دم سے چپ سی رہ گئیں۔
انہوں نے لفافے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔
"خالہ...... بہت پریشان لگ رہے تھے مجھے حیدر بھائی۔ ملنے بھی آنا چاہ رہے تھے آفس کی بھی شاید کچھ ٹینشن چل رہی ہے مجھے فون پر بتایا انہوں نے۔"
زینب جلدی جلدی بتانے لگی۔
"فون تو وہ مجھے بھی کر کے بتا سکتا تھا۔" وہ دکھی سے لہجے میں بولیں۔
زینب کچھ بول نہیں سکی۔
پھر صالحہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے جیسے دلاسا دینے لگی۔
"کچھ وقت ایسے ہوتے ہیں خالہ! لگتا ہے یہ پریشانی کبھی ختم نہیں ہوگی لیکن پھر وہ وقت گزر جاتا ہے۔ اور وقت نے گزرنا ہی ہوتا ہے خالہ!"
"اور اگر وقت کے گزرنے سے پہلے انسان گزر جائے تو......؟" وہ عجیب سے متوحش لہجے میں جیسے پوچھنے لگیں۔ "انسان نے بھی تو گزرنا ہی ہوتا ہے نا زینب!" پھیکی سی مسکراہٹ ان کے مشفق چہرے پر پھیل گئی۔
زینب بس انہیں دیکھ کر رہ گئی، وہ جان گئی تھی اس وقت کوئی تسلی انہیں سکون نہیں دے سکتی۔ کاش حیدر بھائی خالہ سے ملنے کی ہمت خود میں پیدا کر لیتے۔
"آپ ان شاء اللہ جئیں گی اور بہت جئیں گی اور دیکھیں نا ابھی تو اتنی بڑی خوشی کا موقع آ گیا ہے۔ کشف کی منگنی اور تھوڑے دنوں میں شادی۔ خالہ مجھے تو کچھ — پتا نہیں یہ شادی منگنی میں کیا کیا تیاریاں کی جاتی ہیں اب سب کچھ آپ نے ہی کرنا ہے۔ مجھے گائیڈ کرنا ہے۔ وقت بھی تو کم ہے ناں۔" وہ جلدی جلدی کہتی گویا انہیں بہلانے والے انداز میں کہتی چلی گئی۔
"وقت میں بچے یہی خرابی ہے دیکھنے میں بہت لگتا ہے۔" "مگر ہمیشہ کم ہوتا ہے" ان کی یاسیت چھٹ نہیں رہی تھی۔
"اچھا یہ تو رکھیں۔ میں دیکھوں ذرا کشف ہے کہاں۔" وہ زبردستی انہیں لفافہ دے کر جانے لگی۔
"زینب! یہ تم کشف کے لیے رکھ لو اس کی تیاریوں میں کام آ جائے گا۔ مجھے بھلا پیسوں کی کیا ضرورت۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

میری کھانے پینے کی ضرورت ہے، وہ تمہارے گھر سے بن کہے پوری ہو جاتی ہے تو یہ تم رکھو......'' وہ نرمی سے لفافہ اسے واپس کرتے ہوئے بولیں۔

''خالہ...... یہ کریں گی آپ میرے ساتھ۔'' زینب کو جیسے کرنٹ سا لگا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ سادگی سے بولیں۔

''کوئی اپنی اولاد کو بھی کھانے پینے کی رقم دیتا ہے یا آپ مجھے اپنی اولاد ہی نہیں سمجھتیں۔'' وہ بے حد رنج سے بولی۔

''میرا بچہ! اللہ نہ کرے میں ایسا کچھ سوچوں بھی، ماں ہوں تمہاری اس لیے تو فکر مند ہوں۔ مجھے نہیں پتا تم کس طرح یہ گھر چلا رہی ہو۔''

وہ اپنائیت سے ہاتھ کھینچ کر اسے پاس بٹھا کر کہنے لگیں۔

''بچی کی خوشی کا موقع آیا ہے تو بچے کچھ نہ کچھ تو اضافی پیسہ چاہیے ہوگا ناں۔ میرے اور تمہارے پیسے میں کوئی فرق ہے؟ میں تم دونوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ شرمندگی کم نہیں ہے۔'' وہ رک رک کر جیسے اپنے دل کی بات کہنا چاہ رہی تھیں۔

''تم کچھ بھی کہیں میں یہ رقم نہیں رکھوں گی۔ یہ آپ کے لیے ہے بس۔'' وہ کہہ کر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

''اور آ جائیں باہر، میں چائے بنا رہی ہوں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' وہ باہر جاتے ہوئے آواز لگا گئی تھی۔

صالحہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مجھے اتنا ہلکا کر دیا حیدر تو نے۔ میں اپنی نظروں میں گر سی گئی ہوں۔ اب یہ رقم بھیج کر تو نے بالکل ہی کاٹ دیا مجھے اپنے گھر سے۔ ماں ہوں تیری، ایک بار آ کر مل تو جاتا۔'' وہ آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

''ٹھیک ہے، میں اس سے کشف کے لیے خود ہی کچھ منگوا لوں گی بلکہ کشف کو دے دوں گی اپنے لیے کچھ پسند کا لے آئے گی۔'' سوچ کر جیسے تسلی سی ہوئی۔ وہ لفافہ کھول کر اس میں موجود نوٹ نکال کر بڑی دل جمعی سے گننے لگیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

☆☆☆

ڈاکٹر موحد کے کمرے کے باہر مریضوں کا رش لگا تھا۔

لوگ ہاتھوں میں پرچیاں لیے بے چینی سے مریضوں کو اندر بلائے جانے کا انتظار کر رہے تھے لیکن ابھی تک ایک بھی مریض کو نہیں بلایا گیا تھا۔

تقریباً گھنٹہ ہونے کو تھا لوگوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

اندر ڈاکٹر موحد عجیب ذہنی اضطراب میں مبتلا کچھ بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے اندر جیسے جوار بھاٹا ابل رہا تھا۔

اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ زرین، ایمان اور منصور کو لے کر یہاں آ جائے گی۔

ان کے سائے سے بھی بچنے کے لیے پاکستان آیا تھا اور یہ یہاں بھی آ گئے۔

اس کا غصہ، اضطراب اور پریشانی جیسے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی اس جذباتی کیفیت کو کم کرنے کے لیے ہاسپٹل آیا تھا مگر یہاں بھی اس کی توجہ ہٹ نہیں رہی تھی۔

''میں نے اس جلد بازی میں کشف کے ساتھ بھی کتنا برا کیا۔''

''نہیں یہ اچھا ہوا۔ میں اس طرح کشف کو کبھی کھو نہیں سکوں گا۔'' دوسرے لمحے جیسے اس نے خود کو شاباش

دی۔
اس کا فون بج رہا تھا۔
اس نے گہرا سانس لے کر فون اٹھایا۔
اس دشمن جاں کی کال تھی اس کے لب مسکرا اٹھے۔
لمحے بھر کو لگا جیسے ساری کلفت دور ہوگئی ہو۔
"ایسے کسی کو یاد کرو اور وہ آموجود ہو تو دو باتیں ہوتی ہیں یا تو اس شخص کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے یا اسے......"
اس نے مسکراتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"پلیز موحد! آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" وہ جواب میں کوئی شکوہ شکایت یا چٹکلہ چھوڑنے کے بجائے چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگی تھی۔
موحد گھبرا سا گیا۔
"کشف! آر یو آل رائٹ؟ یار کیا ہوا ہے۔ سب خیریت ہے نا؟" وہ بوکھلا کر پوچھتا چلا گیا۔
"شاید آپ کو میری خیریت نہیں چاہیے یا آپ نے مجھے تماشا بنانے کے لیے یہ خطرناک کھیل کھیلا ہے۔" وہ رونے کے بیچ سے میں بولتی گئی۔
وہ لمحہ بھر کو بالکل خاموش سا ہوگیا۔
"ہوا کیا ہے؟" وہ نرمی سے بولا۔
"میں آپ کے ساتھ......" بولتے ہوئے جھجک سی گئی۔ "اس کے باوجود آپ چاہ رہے ہیں میں منگنی کرلوں۔"
وہ جواب میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
"میں نے ایسا نہیں کہا کشف!" وہ جیسے اسے بہلانے لگا۔
"اب آپ اپنی کہی بات سے بھی مکر جائیں گے۔" وہ پھٹ پڑی
"کشف!" وہ ذرا سختی سے بولا۔
"ہمت ہے تو آ کر میرے ساتھ کھڑے ہوں، آنی کو بتائیں خود آ کر۔" وہ شاید اسے غیرت دلا کر اکسا رہی تھی۔
"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں پیچھے ہٹ رہا ہوں؟" کشف کو اس کے لہجے میں غراہٹ سی محسوس ہوئی۔
وہ لمحہ بھر کو سہم سی گئی۔
"مگر آپ آگے بھی تو نہیں بڑھ رہے۔" وہ حوصلہ کر کے بولی۔ "جبکہ مجھے ضرورت ہے آپ کی موحد!" وہ پسپا ہوئی۔
"آنی آپ کو بہت پسند کرتی ہیں۔ آپ کو بات کرنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے، آپ چاہیں تو سلیقے سے ان سے بات کرسکتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گی ناراض ہوں گی، غصہ کریں گی، مجھ سے خفا ہوں گی لیکن زیادہ دیر تک وہ مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔" رک رک کر اسے سمجھانے والے انداز میں جیسے دلاسا دیتے ہوئے آنے کے لیے کہہ رہی تھی۔
"کم آن کشف! یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری آنی تم سے بہت زیادہ پیار کرتی ہیں۔ وہ تم سے کسی بھی بڑی سے بڑی بات پر زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتیں۔ تم ان سے بات کرو گی تو وہ تمہاری بات زیادہ آسانی سے سمجھ لیں گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں!" وہ اسے پیار سے بہلاتا شیشے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میں اتار رہا تھا۔
"تو آپ نہیں آئیں گے؟" کشف کا سانس حلق میں اٹکنے لگا۔
"ابھی تو میں بہت بزی ہوں کشف! پیشنٹس کا بہت رش لگا ہے، بعد میں بات کرتے ہیں۔" دروازے سے جھانکتے اسسٹنٹ کو دیکھ کر موحد نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

منصور دن نکلتے ہی پھر سے اس کی تلاش میں نکل پڑا تھا۔
رات واپسی پر زرین نے اتنا ہنگامہ کیا تھا اور بار بار وہ ایک ہی بات کہہ رہی تھی کہ وہ انہیں یہاں اپنے ملک میں بے یار و مددگار چھوڑ کر کہیں غائب ہونے کا پلان بنا چکا ہے تو کئی بار رات میں اس کا جی چاہا وہ زرین کے اس من گھڑت قیاس کو "سچ" بنا ہی ڈالے۔
مگر ہر بار ایمان کی معصوم صورت اس کے قدموں کی زنجیر بن جاتی۔
وہ زرین پر ہزار بار لعنت بھیج کر واقعی کہیں روپوش ہو سکتا تھا مگر ایمان!
لوگ اپنی بیٹیوں کے اچھے رشتے ڈھونڈنے کی فکر میں اپنے ملکوں کا رخ کرتے ہیں، تمہارے سر پر تو مجھے لگتا ہے اپنا کوئی رشتہ تلاش کرنے کا بھوت سوار ہے۔ آخری بات اس جھگڑے میں جو زرین نے کہی تھی۔ اس نے منصور کو بے اختیار ٹھٹکا دیا۔
بات تو سچ تھی لیکن اس کی پہلی بات نے بھی اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔
اگر وہ جلد سے جلد ایمان کے لیے یہاں کوئی مناسب رشتہ دیکھ سکے تو کتنا اچھا ہو جائے گا۔
رات بھر میں یہ دوسرا خیال تھا جس نے اس کی نیند کو بے چین سا رکھا تھا مگر اس بار وہ پہلے جیسی غلطی نہیں کرے گا۔
"جو بھی ہوگا ایمان کی خوشی اور مرضی سے طے ہوگا۔" اس نے آخر یہی فیصلہ کر کے جیسے سکون حاصل کیا تھا۔
مگر یہ بھول بھلیوں جیسی تنگ تنگ رش بھری گلیاں اس کی یادداشت کو بھی گڑبڑا رہی تھیں۔
وہ اس تلاش میں کسی کی بھی مدد نہیں لینا چاہ رہا تھا۔
لیکن آدھا دن گزر گیا تھا اور اب وہ تھکنے لگا تھا۔ ایک رش والے ڈھابے پر بیٹھ کر اس نے گرما گرم نان کے ساتھ چنے اور سری پائے کا ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا۔ اس کے بعد باقی کا دن اسے بھوک نہیں لگنے والی تھی۔
"تو اب کیا کروں؟" چائے کے گرم گھونٹ بھرتا وہ سوچنے لگا۔ اس کا فون بجنے لگا۔
سونیا کی کال تھی اور وہ زرین اور ایمان کے ساتھ اسے آج لنچ پر مدعو کر رہی تھی۔
"بھائی میں نے آپ لوگوں کے لیے دو بیڈ روم سیٹ کروا دیے ہیں۔ شادی کے باقی دن آپ یہیں آ کر رہیں۔" اسے سونیا سے ایسی فراخ دل آفر کی توقع نہیں تھی۔
پتا نہیں سونیا کے ترسے ہوئے لہجے میں کیا تھا کہ وہ مان گیا۔
"سونیا! مجھے تم سے ایک ضروری بات بھی کرنی تھی اگرچہ وہ فون پر کرنے والی نہیں ہے۔" جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا۔
"کون سی بات۔" سونیا ٹھٹک گئی۔
"میں وہ گھر بیچنا چاہتا ہوں اماں ابا والا۔" وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اس کی بات سن کر لمحہ بھر کو گنگ تو سونیا بھی ہو گئی تھی۔
"وہ گھر تو بھائی......" وہ مزید بولتے ہوئے رک گئی۔
"پھر زینب اور کشف کہاں جائیں گی؟" اس کا دل پریشان سا ہوا۔
"ظاہر ہے اس میں تمہارا اور زینب کا بھی حصہ ہے تو وہ میں تم دونوں کو دوں گا" وہ شاید اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ گیا تھا۔
"مجھے تو خیر ایسی کوئی ضرورت نہیں خاص۔" وہ سرسری سے لہجے میں بولی۔
"اچھا مجھے تو نہیں لگتا تمہارا شوہر آزر معاف کرنا خاصا دنیادار سا، حسابی کتابی بندہ ہے۔ کیا وہ تمہارا حصہ چھوڑ دے گا۔" وہ طنزاً بولا۔
"نہیں بھائی! وہ ایسے نہیں ہیں......" وہ کمزور لہجے میں آزر کا دفاع کرتے ہوئے بولی۔
"نہ ہوا ایسا تو بھی مجھے تمہارا شیئر تمہیں دینا ہے۔" وہ اعتماد سے جتا کر بولا۔ "بلکہ اس لیے میں اپنے دوست کے ساتھ اس طرف آیا تھا۔ یہ علاقے تو اتنے بدل گئے ہیں۔ گلیاں، بازار، سڑکیں، کچھ بھی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں گھر جا کر اس کی کنڈیشن دیکھنا چاہ رہا تھا۔ اندازاً کتنا اماؤنٹ مل سکتا ہے ہمیں گھر بیچ کر۔" وہ بات بناتے ہوئے بظاہر سرسری لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"کیا کوئی ایسی ضرورت آ پڑی ہے کہ گھر بیچنا ضروری ہے بھائی ـــ؟" سونیا اس کی فکر سے الجھ کر رہ گئی۔
"ضرورتیں تو خیر کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ نہ بھی ہوں تو بھی کیا ہمیں اس کو مزید کھنڈر تو نہیں بنانا۔"
وہ قطعی فیصلہ کر کے آیا تھا گھر ضرور بیچنا ہے۔
"ٹھیک ہے۔ آپ گھر آ جائیں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"
سونیا کو منصور کی باتوں سے عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔
اسے لگا وہ اسے شاید قائل نہیں کر پائے گی۔
"اوکے، میں آ جاتا ہوں شام تک۔ تم مجھے گھر کا ایڈریس کچھ نشانیاں وغیرہ تو بتاؤ۔" وہ فوراً بولا۔
"شام نہیں...... بھائی میں نے لنچ میں آپ کو فیملی کے ساتھ بلایا ہے۔" وہ ٹوک کر بولی۔
"تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ ہمارے لیے رہائش کا ارینج منٹ کر لیا ہے تو پھر مجھے ہوٹل سے چیک آؤٹ کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا اور دوپہر ہونے کو ہے ہم شام تک ہی آ سکیں گے۔"
"ٹھیک ہے جیسے آپ کو مناسب لگے۔" وہ رضامندی سے بولی۔
"ایڈریس تم نے پھر نہیں بتایا مجھے۔" منصور اس کو ٹوک کر بولا۔
سونیا کا دل چاہا وہ منصور کو ایڈریس بتائے کہ وہ گھر اسے کبھی مل نہ سکے۔ وہ ساری زندگی بھٹکتا رہے۔
وہ بے دلی سے اسے گھر کا راستہ سمجھانے لگی اور منصور پورے حواس مجتمع کر کے سن رہا تھا۔

☆☆☆

بے حد نفیس کام والا سلور اینڈ بلو کامبینیشن کا شرارہ سوٹ، میچنگ قیمتی جیولری اور نازک سینڈل خریدنے والے کے اعلا ذوق کا پتا دے رہی تھی۔
کشف یک ٹک ان چیزوں کو دیکھتی جا رہی تھی جو اس کی ہونے والی سسرال سے ابھی کچھ دیر پہلے فرح آنٹی کے ذریعے بھیجی گئی تھیں۔
زینب تو خوشی سے نہال تھی۔
"اللہ تیرا شکر ہے میری کشف کی قسمت اتنی خوب صورت ہے۔ ایسے قدر کرنے والے چاہنے والے لوگ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ملے ہیں۔" وہ بار بار کپڑوں، جوتوں، جیولری اور میک اپ کو الٹ پلٹ کر دیکھتی۔
"اور تمہیں پتا ہے یہ سب کچھ مدثر نے خود چوز کیا ہے، صرف دو گھنٹے میں اس نے یہ شاپنگ کی ہے۔ سوچو اس کا ذوق، اس کی پسند، کیسی اعلا ہے۔ سچی میرا دل خوش ہو گیا ہے۔" وہ جذبات میں آ کر بار بار اسے اپنے ساتھ لپٹا رہی تھی۔
اور کشف تو جیسے بغیر حرکت کیے کسی بت کی طرح ایک ہی پہلو پر ساکت تھی۔
"کل شام کو چار بجے آنا ہے ان لوگوں نے، فنکشن کے لیے یہاں صحن میں ہی ارینجمنٹ کر لیتے ہیں حیدر بھائی ہوتے تو......" وہ جذبات میں بولتی ایک دم سے چپ کر گئی۔
"چلو اللہ کرنے والا ہے ہم انہیں اپنی وجہ سے کیوں مشکل میں ڈالیں۔"
وہ خود ہی گہرا سانس لے کر جواب دیتی چیزیں سمیٹنے لگی۔
"کل تو آپ نے سونیا پھپھو کے گھر شادی میں نہیں جانا۔" وہ بہت دیر بعد بولی تھی۔
"کل تو......" زینب ٹھٹکی۔
"کل تو مہندی ہے، فنکشن پرسوں ہے اور کچھ بھی ہو، میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں ہے۔" زینب نے قطعی انداز میں سر جھٹکتے ہوئے کہا۔
گویا اب کوئی بھی طاقت اس ہونی کو روک نہیں سکتی تھی۔ بے بسی سے کشف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
زینب کپڑے ہینگ کر کے الماری میں لٹکا رہی تھی۔
"بلکہ اچھا یاد کروایا تم نے، میں نے سونیا کو تو بتایا بھی نہیں اگر اس کے پاس ٹائم نکلے تو کل تھوڑی دیر کے لیے آ جائے۔" وہ خود کلامی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
کشف کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
"بلکہ تم بھی اپنی جس فرینڈ کو بلانا ہو تو اسے فون پر انوائٹ کر لو، ظاہر ہے ٹائم اتنا کم ہے زیادہ لوگوں کو تو بلایا بھی نہیں جا سکتا۔" وہ ایک ایک چیز بڑی احتیاط اور پیار سے الماری میں رکھ رہی تھی۔
"اور دیکھو میرے اللہ کی شان میری کشف کی ایک ایک خوشی پوری ہونے جا رہی ہے مدثر کا گھر اتنا خوب صورت ہے۔ اتنا ماڈرن اسٹائل کا ہے اور اتنی شان دار گاڑی بلکہ دو گاڑیاں اللہ نے میری بچی کی ہر خواہش پوری کر دی۔ بڑی نصیبوں والی ہے میری کشف!"
وہ مڑ کر کشف کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر پیار کرنے لگی اور بے اختیار چونک گئی۔
"تم رو رہی ہو کشف! میرے بچے کیا ہوا؟" وہ بے تحاشا گھبرا گئی۔
"آپ اپنی خوشیوں کی پروا کریں۔ میرے آنسوؤں کی فکر نہیں کریں۔" وہ جیسے پھٹ کر بولی اور اس کے بازو جھٹک کر روتی ہوئی باہر نکل گئی۔
زینب کو پورے جسم سے جیسے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی، وہ پیچھے کی طرف گرتی ہوئی بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ جتنا پیچھے اسٹیل کی دیوار کے ساتھ لگتی کونے میں کھسکتی پیچھے سرکتی جا رہی تھی۔ وہ اتنا اس کے قریب اور قریب ہوتا جا رہا تھا۔
خوف سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔
ڈر سے کپکپاتی لرزتی ٹانگیں اس کی ذہنی کیفیت کو ظاہر کرتی شکاری کو اور بھی دلیر بناتی جا رہی تھیں۔
اور پھر دیوار کے ساتھ چپکنے اور کونے میں مزید سمٹنے کی گنجائش ختم ہو گئی اس سے شکاری کی آسانی شروع

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہو گئی۔
اس کے غلیظ ہاتھ اب ایمان کی کمر کے گرد گھیرا ڈالتے اس کی گردن اور شانوں کے گرد حصار کرتے جا رہے تھے۔
خوف سے اس کی زبان اس کے حواس سب ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے وہ چیخنا چاہتی تھی، شور مچانا چاہتی تھی مگر شاید اس کے حلق میں آواز دم توڑ چکی تھی، مر چکی تھی۔
لفٹ میں موجود اس شکاری کے لیے وہ ایک آسان ہدف تھی۔
وہ بار بار بٹن دباتا لفٹ کو مسلسل مصروف رکھے ہوئے تھا۔
کسی بھی فلور پر رکنے یا کسی بھی شخص کے مزید سوار ہونے کے امکان کو معدوم کرتا وہ اب اسے جھنجوڑنا شروع کر چکا تھا جب ایک جھٹکے سے لفٹ رکی۔
لمحہ بھر کے جھماکے کے بعد کسی غیبی طاقت نے لفٹ کا بند دروازہ ایک جھٹکے سے کھول ڈالا تھا۔
اور جانے کیسے ایمان میں اتنی طاقت آ گئی کہ وہ اس ذلیل شخص کو پوری طاقت سے دھکا دے کر دیوار کے ساتھ مارتی اندھا دھند باہر بھاگتی چلی گئی۔
وہ کون سے فلور کے کون سے کاریڈور میں تھی۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔
وہ بس اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

زرین کی حالت دیکھ کر لمحہ بھر کو منصور کے ہاتھ پاؤں بھی پھول گئے۔
ابھی جب زرین نے بہت بری حالت میں اسے کال کرتے ہوئے بلایا تھا تو وہ سمجھا وہ جان بوجھ کر محض اسے بلانے کے لیے کوئی ڈرامہ کر رہی ہے۔
اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔
اسے زینب سے ملنے جانا تھا ہر حال میں۔
لیکن جانے کون سی رکاوٹ تھی جو راستے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ زرین کی فون کال جس میں اس کی کانپتی ڈوبتی آواز نے منصور کو پریشان کر دیا وہ الٹے قدموں بھاگا چلا آیا تھا۔
زرین کو بہت مہینوں بعد اس طرح کا دورہ پڑا تھا۔ اس پر جان کنی کی کیفیت طاری تھی۔
اس کے ہاتھ پاؤں مڑے تھے اور آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں۔ اس کا چہرہ کچھ اس طرح ایک طرف اکڑ کر مڑ گیا تھا کہ منصور کے لاکھ زور لگا کر سیدھا کرنے پر بھی سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔
اس نے بمشکل اسی کے سامان میں سے فوری ریلیف والی دوا نکال کر زبردستی زرین کے منہ میں ڈالی۔
اس کے ہاتھ پاؤں سہلاتے وہ اسے بار بار تسلیاں دلاسے دیتا اپنی موجودگی کی یقین دہانی کراتا یکسر بھول گیا کہ وہ اس عورت سے کتنی نفرت کرتا ہے۔ اور اسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔
"ایما...... ایما کہاں ہو تم؟" زرین کے ہاتھ پاؤں سہلاتا خیال آنے پر وہ اونچی آواز میں بولا۔
شاید وہ دوسرے بیڈروم میں تھی جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ جواب میں مکمل خاموشی تھی۔
"ایمان سن نہیں رہیں، تم کہاں بے ہوش پڑی ہو۔ آ کر اپنی ماما کی حالت تو دیکھو، تم خیال نہیں رکھ سکتیں۔"
اب کے وہ غصے میں اونچا اونچا بول رہا تھا۔
گمبھیر خاموشی پر اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وہ زرین کے ہاتھ چھوڑ کر، لپک کر دوسرے کمرے میں گیا جو بالکل خالی تھا۔ وہ ٹھٹک کر انہی قدموں پر رک گیا۔

''ایمان!'' اس نے باتھ روم کے پاس جا کر سہمی ہوئی سی آواز دی جواب پھر خاموشی تھا۔

اس نے ذرا سا ہاتھ لگا کر واش روم کا دروازہ دھکیلا۔

اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

''ایمان......ایما......'' وہ دونوں کمروں، ان کے واش رومز میں اب پاگلوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔

وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

''زرین! ایما کہاں ہے۔ کہاں ہے وہ، تمہیں پتا ہے کچھ؟''

وہ اب نیم بے ہوش زرین کو جھنجوڑ رہا تھا۔

وہ مندی مندی آنکھوں سے دیکھتی پھر غافل سی ہوگئی۔

منصور نے پریشان ہو کر فون اٹھا کر ایمان کا نمبر ملایا۔

ایمان کا فون اس کے بستر پر تکیے کے پاس پڑا بج اٹھا۔ اور منصور کا دل جیسے بند ہونے کو تھا۔

''وہ اپنا فون بھی یہیں چھوڑ گئی تو کہاں گئی؟'' وہ حقیقتاً پریشان ہو چکا تھا۔

اس نے زرین کو دیکھا وہ شاید دوا کے زیر اثر سو چکی تھی۔

''یا اللہ! اب کیا ہونے کو رہ گیا ہے۔ کیا میری زندگی میں کبھی سکون نہیں آسکتا۔''

وہ عاجز آ گیا۔ کمرہ لاک کرتا ایمان کو ڈھونڈنے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''بلال! آنکھیں کھولو......بلال......میرے بیٹے۔'' وہ نیم بے ہوش تھا اور حیدر اس پر جھکا اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا ماتھا پورا جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔

اس نے باپ کے پکارنے پر بمشکل آنکھیں کھولیں اور پھر بند کرلیں۔

''بلال بیٹا! اٹھو چلو، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں......اٹھو۔''

وہ پریشان سے اسے اٹھانے لگے۔

ابھی کچھ دیر پہلے آفس سے آ کر انہوں نے اسے یوں اندھیرے کمرے میں اکیلے پڑے دیکھا تو پہلے یہی سمجھے کہ وہ سویا ہوا ہے مگر کافی دیر گزرنے پر بھی جب وہ اٹھ کر باہر نہیں آیا تو انہیں تشویش ہوئی۔

''کشف......مت کرو میرے ساتھ......میرا یقین کرو۔''

''موحد نہیں۔'' وہ بہت مدھم بھاری آواز میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور بلال کے جوتے سیدھے کرتے حیدر کے ہاتھ رک گئے۔

''تو یہ معاملہ ہے جو یہ کل رات سے کمرے میں بند ہے۔ آفس بھی نہیں گیا اور اب یہ شدید بخار۔'' حیدر کا دل الجھ گیا۔

وہ ترس بھری سرخ آنکھوں سے اپنے جوان کڑیل بیٹے کی بے بسی کو دیکھنے لگے کہ ان کے ہاتھ میں بیٹے کا مقدر سنوارنے کا ذرا بھی اختیار نہیں تھا۔

دونوں کی قسمت کو بگاڑنے میں ایک ہی عورت کا ہاتھ تھا اور یہ بھی ستم تھا کہ وہ دونوں اس کو موردِ الزام بھی نہیں ٹھہرا سکتے تھے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''ثمینہ میرے ساتھ تو تم نے کیا سو کیا اپنے بیٹے پر تو تم رحم کھا لیتیں۔'' وہ آنکھیں صاف کر کے اب بلال کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔

اور جن دقتوں سے وہ اسے سہارا دیتے گاڑی تک لائے وہی جانتے تھے۔

پسنجر سیٹ پر وہ پھر سے بے سدھ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ردا کی سہیلیوں اور رمشا کی دوستوں نے مہندی میں ڈھولک کا خاص اہتمام کیا تھا۔

اس کی ریہرسل کے لیے وہ سب رمشا کے کمرے میں جمع تھیں، وہ سب زبردستی کھینچ کھانچ کر ردا کو بھی لے آئی تھیں۔

ردا کی جان ابھی بھی سولی پر لٹکی تھی۔

سلیمان اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔

اس کے میسج کے جواب میں فقط یہی لکھا جو اللہ کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ وہ اس فقرے سے کیا سمجھتی۔

پریشان تو سونیا بھی بہت تھی مگر اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کے دل کو ذرا ڈھارس سی بندھتی جا رہی تھی کہ شاید — سلیمان جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا بھی تھا تو اب بدل چکا ہے۔ وہ دو تین بار ردا کو بھی تسلی دے چکی تھی۔

''میری جان اب تم نے بالکل بھی کچھ نہیں سوچنا۔ مجھے پورا یقین ہے سلیمان اب تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کر سکتا۔''

ردا اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ماما! میرے دل میں کوئی خوش فہمی نہیں۔''

''توبہ ردا! کیا اول فول بول رہی ہو۔'' سونیا دہل گئی۔ ''نکاح ہوا ہے کوئی مذاق نہیں۔''

وہ کچھ اور بھی رنجیدہ ہو گئی۔

''مذاق تو شاید قسمت میرے ساتھ کر رہی ہے۔''

اس نے اپنے شفاف ہاتھوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

''پتا نہیں ان کو مہندی کے پھول بوٹے نصیب ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔'' بس دل میں سوچ کر رہ گئی۔

سونیا اسے نظر بھر کر دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

''میرے اللہ میرے مقدر کی بچی خوشیاں بھی میری ردا کے نصیب میں لکھ دے۔'' اس کے حسرت بھرے دل نے دعا کی۔

''اللہ ماؤں کی سنتا ہے۔ ماما میرے لیے دعا کریں ناں، سلیمان مجھے رد نہ کریں۔'' پتا نہیں ردا کو کیا ہوا۔ ایک دم سے رو پڑی۔

اور سونیا بس بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

''جس دن سے یہ سب ہو رہا ہے میں تو کوئی اور دعا ہی کرنا بھول گئی ہوں۔'' اس کا دل کرلایا۔

''بیٹیاں بھی کیا چیز ہوتی ہیں۔ ماں باپ ان کے اچھے نصیبوں کی دعائیں مانگتے نہیں تھکتے۔ نصیب اچھے ہو جائیں تو کچھ انہونی ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

ردا کو ساتھ لگا کر تھپکنے لگی۔

تسلیاں تو اب وہ خود کو بھی دیتے دیتے تھک گئی تھی، ردا کو کیا دیتی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کیا تھا اگر آزر اس کی بات مان کر کشف سے معافی مانگ لیتا تو شاید لکھنے والا جو اس کی ردا کے نصیب میں شاید کچھ برا لکھ بھی رہا ہوتا تو اپنا قلم رکھ دیتا۔

اس کے دل نے آہ بھری۔

طاہرہ بیگم منصور سے مل کر کچھ یوں مسرور و مغرور ہوئیں کہ اس کینیڈا پلٹ بھائی کو بھی پتا چلے کہ اس کی بہن کس ٹھاٹ سے اتنے امیر گھر میں راج کر رہی ہے۔

''اپنے بھائی اور اس کی فیملی کو یہیں بلاؤ، یہیں رکھو شادی تک۔ ہم کوئی کنگال یا گئے گزرے ہیں جو لڑکی کا ماموں جو خاص بھانجی کی شادی میں شامل ہونے آیا ہے، بیوی بیٹی کے ساتھ ہوٹلوں میں رہے۔''

انہوں نے اپنی مغرورانہ گردن کچھ اور بھی اکڑا کر غرور سے حکم جاری کیا تھا۔

جو آزر کو بھی کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

جس طرح کے حالات سے گزر کر ردا کی شادی یہاں تک پہنچی تھی اگر خدانخواستہ کچھ ایسا ویسا ہو جاتا تو بجائے شان بڑھنے کے عزت کے لالے نہ پڑ جاتے۔

یوں بھی کشف کے باپ کے حوالے سے آزر کے دل میں میر منصور کے لیے کچھ اتنے اچھے جذبات نہیں تھے۔

کچھ ایسے ہی وسوسے سونیا کے دل میں تھے اگر منصور یہاں آ گیا تو۔

آگے بہت سارے خدشے وسوسے گمان تھے جن کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔

لیکن وہی طاہرہ بیگم کا حکم......

اور اپنے سامنے انہیں منصور کو کال کروا کے ہی چین ملا تھا۔

اب اگر یہ سلیمان کے خراب مزاج والا معاملہ بیچ میں نہیں لٹکا ہوتا تو شاید سونیا کو ساس کے اس فیصلے سے واقعی بہت خوشی ہوتی۔

اب تو یہ محض پریشانی لگ رہا تھا۔

وہ بے دلی سے ان کے کمرے سیٹ کرواتی، رات کا کھانا تیار کرواتی رہی۔ بار بار دھیان سلیمان کی طرف جاتا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ خود سلیمان سے کھل کر بات کرے لیکن اگر بات بگڑ گئی۔ بس یہی خوف تھا جو اسے روکے ہوئے تھا، وہ چاہتے ہوئے بھی ردا کی پریشانی دور نہیں کر پا رہی تھی۔

ڈھولک پر بجتے گیت اور ان پر ڈانس ریہرسل کرتی ردا کی سہیلیاں بظاہر بے حد خوشی کا موقع تھا مگر ردا سر جھکائے گم صم بیٹھی تھی۔

جب رمشا نے اس کا بجتا فون لا کر اسے تھمایا۔

کان میں کوئی سرگوشی کی۔

ردا کچھ بوکھلا کر فون مٹھی میں دبا کر چپکے سے باہر نکل گئی۔ اور سونیا جلے پیر کی بلی کی طرح اس کے پیچھے گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یہ منگنی نہیں کرنی نانو!'' وہ صالحہ بیگم کے سامنے آ کر جیسے پھٹ پڑی۔

اور اپنے کپڑے تہ کرتیں صالحہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''آپ آنی سے کہہ دیں مجھے ابھی منگنی شادی کچھ نہیں کرنا۔'' وہ صالحہ کی خاموشی پر پھر سے زور دے کر اونچا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سا بولی۔

صالحہ گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

"میرے پاس آ کر بیٹھو۔" وہ تحمل سے اس کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے نرمی سے بولیں۔

"پلیز نانو! مجھے کوئی نصیحت نہیں کرنی آپ نے۔" وہ چڑے ہوئے لہجے میں سلگی تھی۔

صالحہ اسے غور سے دیکھنے لگیں۔

"کوئی اور پسند ہے تو مجھے بتا دو۔ میں تمہاری ماں کو سمجھا لوں گی۔" کشف جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی۔

"نن...... نہیں ہر گز نہیں۔" اس نے پوری شدت سے انکار میں سر ہلایا تھا۔

اور صالحہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے اختیار چونکی تھیں۔

وہ کشف کی انگلی میں پڑی اس ڈائمنڈ کی انگوٹھی کو تھامے ہوئے تھیں جس پر شہد رنگ انار کے دانے کے برابر قیمتی نگ جگمگ کرتا اپنی قیمت کا اعلان کر رہا تھا۔

"یہ انگوٹھی......" وہ بغور دیکھے جا رہی تھیں انگوٹھی کو۔

"آرٹی فیشل ہے میری دوست نے دی ہے۔"

کشف نے زور سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا بلکہ ہاتھ کو چھپا کر مٹھی بھینچ لی تھی۔

اس کی بے اختیار حرکت نے صالحہ کو چونکا دیا تھا۔

وہ کچھ دیر خاموش سی رہ گئیں۔

"آپ آنی سے کہہ دیں ان لوگوں کو فون کر کے کہہ دیں میں کل انگیجمنٹ نہیں کروں گی، مت آئیں وہ لوگ۔"

وہ عجیب وحشت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں کہے دیتی ہوں۔ زینب منع کر دے گی ان لوگوں کو پھر تم اس کو بلا لو جس نے تمہیں یہ رنگ پہنائی ہے۔" صالحہ نے آنی تسلی سے کہا کہ کشف ساکت رہ گئی۔ اور دروازے میں کھڑی زینب کو جیسے کسی نے زمین میں گاڑ دیا۔ "کون ہے وہ؟"

صالحہ نے کشف کے ساکت چہرے کو دیکھ کر نرمی سے پوچھا۔

"نانو......!" اس کے لب ہلے۔

"کون ہے وہ۔ بولو بتاؤ مجھے، یہ کیا چکر چلایا ہے، تم نے اور کس کے ساتھ میری ناک کے نیچے میری آنکھوں میں دھول جھونک کر تم یہ کون سا کھیل کھیل رہی ہو؟"

زینب تو جیسے غصے میں پاگل ہو گئی۔

اس نے کشف کی مٹھی کھولنے کی کوشش میں اس کا ہاتھ زخمی کر دیا۔

"آنی، چھوڑیں مجھے یہ میری دوست نے دی ہے یہ آرٹیفیشل ہے۔" کشف ہاتھ پیچھے کھینچتی پورا زور لگاتی چلائی تھی۔

"تو دکھاؤ مجھے۔ سیدھا کرو ہاتھ اگر دل میں کوئی چور نہیں ہے تمہارے۔" زینب ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

"نہیں ہے کوئی چور میرے دل میں یہ میری فرینڈ نے دی ہے مجھے دیکھ لیں کر لیں تسلی۔" وہ غصے میں بھڑک کر ہاتھ آگے کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے لائی۔

زینب پتھرائی نظروں سے انگوٹھی کو دیکھتی جا رہی تھی۔

دوسرے لمحے اس نے کشف کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مارا تھا کشف ششدر رہ گئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

☆☆☆

"تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" ردا پورا زور لگا کر چیخی تھی اور پیچھے آتی سونیا ڈر سی گئی۔
اس نے ایک دم سے فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔
"جب تک تم میری بات نہیں مانو گی میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں ناممکن ہے۔ شادی تو تمہیں مجھ ہی سے کرنا ہو گی۔"
دوسری طرف فرحان تھا۔
"لگتا ہے تمہارا کوئی باپ ہے نہ تم کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہو تم نے جتنا ہمارے صبر کا امتحان لینا تھا لے چکے۔ اب ہم تمہیں تمہارے اصل تک پہنچا کر رہیں گے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے تو کہیں بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ذلیل گھٹیا انسان!"
سونیا زور زور سے چیخ رہی تھی جب گھر کے اندر داخل ہوتا آزر اس کی چیخیں سن کر بھاگتا ہوا آیا تھا۔
"کیا ہوا؟ کون ہے..... کس پر چیخ رہی ہو؟" وہ کچھ بھی سمجھے بغیر زور سے بولا۔
"آزر اپنے باپ ہونے کا حق ادا کریں اب ردا کے ساتھ کچھ بھی ہو لیکن اس فرحان کو پھانسی کے پھندے پر آپ نے نہیں لٹکایا تو میری قبر کھودنے کے لیے تیار رہیں، میں اب اس مردود کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ اسے پولیس کے حوالے کرو فون کرو پولیس کو ابھی۔"
سونیا جیسے پاگل ہو گئی تھی۔
اور ردا ستون کے پیچھے کھڑی منہ پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپے جا رہی تھی۔
آزر سونیا کو دونوں بازوؤں میں سنبھالتا فون کانوں سے لگائے سننے کی کوشش کر رہا تھا۔
لیکن دوسری طرف لائن کٹ چکی تھی۔
وہ سونیا کو صوفے پر بٹھا کر خود نمبر چیک کرنے لگا جہاں سے ابھی کال آئی تھی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہو تم مجھے یہ قدم پہلے دن اٹھا لینا چاہیے تھا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کوئی اور نمبر ملانے لگا۔
سونیا گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔
اسے کچھ بھی اچھا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

ایمان کہیں بھی نہیں تھی۔
وہ ہوٹل کی انتظامیہ سے بھی معلوم کر چکا تھا۔
اب ہوٹل کے کیمروں کا ریکارڈ دیکھتے ہوئے جو تکلیف دہ منظر اس نے دیکھا تھا اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔
وہ یہاں آ کر کیوں غافل ہو گیا تھا کہ ہوٹل میں اس کی جوان بیٹی اور بیوی بالکل اکیلی ہیں۔
اور یہ پاکستان ہے اکیلی عورت لڑکی کے معاملے میں یورپ امریکہ سے کسی بھی طرح مختلف نہیں۔
وہ لفٹ سے نکل کر جس طرح اندھا دھند باہر کی طرف بھاگی تھی اور بھاگ کر کہاں گئی۔
جبکہ وہ یہاں کے راستوں سے بھی ناواقف تھی۔
وہ سچ میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔
موحد سے رابطہ کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا اور اس نے بے مروتی کی انتہا کرتے ہوئے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔
ہوٹل انتظامیہ سخت شرمندہ تھی۔ معذرت کر رہی تھی مدد کرنے کا وعدہ کر رہی تھی مگر اس کا دل جیسے اب کسی وعدے پر یقین نہیں کر رہا تھا۔
''پولیس کی مدد لے لیتے ہیں۔'' اسسٹنٹ منیجر اس کی حالت دیکھ کر نرمی سے بولا۔
اور منصور کو پتا تھا وقت اس کے پیچھے بھلے کتنا ہی کیوں نہ بدل گیا ہو۔ یہاں کی پولیس کے لیے نہیں بدلا۔
ایمان کا معاملہ پولیس میں دینے کا مطلب کیا تھا اسے اچھی طرح سے معلوم تھا۔
وہ ابھی اپنے طور پر ایمان کو ڈھونڈنے کی کوشش کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر اس کوشش کی ابتدا کہاں سے کرے، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
''ایک بات میری یاد رکھیں منیجر صاحب! اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا یا وہ نہیں ملی تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔'' وہ طیش میں تھا لیکن پھر بھی ضبط کرنے پر مجبور تھا۔
''سر آپ یقین کریں۔ وہ شخص ہمارے ہوٹل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔'' منیجر گھبرایا۔
''ہو یا نہیں، آپ کو سب کچھ ثابت کرنا ہوگا۔''
وہ اس کی پوری بات سنے بغیر غصے میں باہر نکل گیا۔
باہر وہی رش بھرے رستے، بھاگتی دوڑتی ٹریفک، لوگوں کا اژدھام وہ کہاں اسے تلاش کرے۔
''وہ کیوں اتنا خود غرض، اتنا لاپروا ہو گیا تھا اپنی بیٹی سے وہ کیسے اتنا غافل ہو گیا جب کہ وہ ابھی کتنی سیریس کنڈیشن سے موت کے منہ سے لوٹی ہے اور اس نے پھر بھی یہ سب کیا۔''
اسے خود پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔
اگر وہ کہیں اور نکل گیا ایمان کو تلاش کرنے تو پیچھے زرین اکیلی ہے اس کی جو حالت ہے اگر وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی یا کمرے میں ہی اس کے ساتھ کچھ...... وہ لرز کر رہ گیا۔
''نہیں نہیں، مجھے اب مزید رسک نہیں لینا ایما کی تلاش کے لیے مجھے پولیس کی مدد لینی پڑے گی۔'' وہ فیصلہ کرتے ہوئے مڑا اور سامنے سے آتے موحد کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک کر رک گیا۔
''تو اس لیے آپ ان دونوں کو یہاں لے کر آئے تھے۔'' موحد کے لہجے میں وہی نفرت، وہی ازلی بیگانگی تھی جس کا وہ عادی تھا۔ لیکن آج وہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب وہ بے اختیار سا ہو کر موحد کے گلے لگ کر رونے لگ گیا۔
''ایما...... میری ایما...... موحد! اسے کہیں سے ڈھونڈ کر لے آؤ۔''
وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا اور موحد کسی دیوار کی طرح سپاٹ اس سے لگا کھڑا تھا۔

☆☆☆

''پولیس جگہ جگہ اس شیطان کی تلاش میں چھاپے مار رہی ہے تم پریشان نہیں ہو۔ اب وہ بچ کر نہیں نکل سکتا ان شاء اللہ اسے ملی ہی ہماری خاموشی اور خوف سے ہے لیکن اب نہیں۔'' آزر فون ہاتھ میں لیے قدرے پر اعتماد تھا۔
اس کا ایس پی دوست اس سے رابطے میں تھا۔
فرحان کی تلاش میں پولیس ایکٹو ہو چکی تھی۔
اگرچہ تو اس کا ملنا مشکل تھا اس کی لوکیشن ٹریس کرنے پر کسی ایک جگہ سے ٹریس نہیں ہوتی تھی اور اب تو شاید اس نے فون ہی بند کر دیا تھا۔

پھر یہ بھی خوف اگر وہ گرفتار ہو بھی جاتا ہے تو وہ ردا پر مزید کیچڑ نہیں اچھالے۔
جبکہ شادی میں دو دن تھے۔
سونیا اور آزر سخت پریشان تھے۔
''بیگم صاحبہ! آپ کے بھائی آئے ہیں باہر شاید اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ۔''
ملازم کی اطلاع پر ان دونوں نے ہراساں نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔
''یہ آفت بھی اماں جان نے آج ہی دعوت دے کر گھر بلائی تھی۔ فون کر کے منع نہیں کر سکتی تھیں تم۔''
آزر غصے میں پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا۔
سونیا بے بس سی باہر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''جھوٹ مت بولنا کشف میرے ساتھ۔'' کشف تکیے میں منہ دیے روئے جا رہی تھی۔
اس کے کانوں میں بار بار زینب کی غصے بھری آواز گونج رہی تھی جس میں صرف شک تھا اور بے یقینی۔
''تم مجھے مزید بے وقوف نہیں بنا سکتیں۔ یہ انگوٹھی کسی بھی طرح سے آرٹی فیشل نہیں ہے۔ میں ابھی جیولر سے معلوم کروا کر آئی ہوں۔''
وہ غصے میں اس کی انگوٹھی اتار کر چادر اوڑھتی گھر سے باہر چلی گئی تھی۔ اس کی واپسی پر کیا ہونا تھا کشف کو یہ خوف دہلائے جا رہا تھا۔
''یہی موقع ہے، مجھے آنی کو سچ بتا دینا چاہیے۔''
بجلی کے جھماکے کی طرح اس کے دماغ میں خیال آیا تھا۔ اس نے فون تکیے کے نیچے سے نکال کر موحد کا نمبر ملایا۔
دوسری طرف رابطہ ملنے میں وہ جذباتی پن میں موحد کو سب کچھ بتاتی چلی گئیں۔
''واٹ، تمہاری آنی انگوٹھی چیک کروانے جیولر کے پاس چلی گئی ہیں۔''
وہ نخرے سے ہنسا تھا یا مذاق سے کشف کو سمجھ میں نہیں آیا۔
''پلیز آپ آجائیں ابھی ہم بات کر لیں گے۔ آنی سے جو طوفان آنا ہے آ کر رہے گا۔''
وہ لجاجت سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''میں، میں کیا کروں گا آ کر۔'' وہ انجان سا بن کر بولا۔
''پلیز موحد یہی موقع ہے آپ اور میں آنی سے مل کر بات کر لیں گے تو انہیں بات سمجھ میں آجائے گی اور شاید وہ مان بھی جائیں پلیز آپ ان کے گھر آنے تک آجائیں ناں۔''
''کشف رئیلی مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کیوں آجاؤں اور آپ کی آنی سے مل کر کیا بات کروں؟'' وہ عجیب بیگانگی سے پوچھ رہا تھا۔
''موحد آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارے نکاح کے بارے میں بتانا ہے۔'' وہ بگڑی۔
''کون سا نکاح...... آپ کس نکاح کی بات کر رہی ہیں۔'' اور کشف کے ہاتھ سے فون گر گیا۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

حمیرا شفیع

شبو کا دُولہا

چھوٹے سے کچے صحن کے بیچوں بیچ دری بچھی تھی، جس پر لڑکیاں بالیاں دائرے کی صورت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں اوندھی پرات دھری تھی اور وہ اس پرات پر سیدھے ہاتھ مار مار کر شادی بیاہ کے گیت گا رہی تھیں۔ ایک طرف جھلنگا سی چارپائی پر خاندان اور محلے کی چند درمیانی عمر کی عورتیں براجمان تھیں۔ وہ بھی اپنی اپنی بے سری آوازوں میں لڑکیوں کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایک ہی مصرعے کی تکرار کے بعد گیت بدل جاتا تھا۔ چارپائی اور دری کی مخالف سمت لکڑی کی ایک پرانی وضع کی کرسی پر اس سارے شور وغل سے بے نیاز دلہن صاحبہ تشریف فرما تھیں۔

اس نے گہرے آتشی گلابی رنگ کا ستاروں سے بھرا شلوار قمیص پہنا ہوا تھا اور ہم رنگ کرن سے سجے دوپٹے کا لمبا سا گھونگھٹ نکالا ہوا تھا۔ جوں ہی کوئی خالہ یا چاچی ٹائپ خاتون قریب سے گزرتی تو جاتے جاتے دوپٹے کو مزید سرکا کر گھونگھٹ کو اور لمبا کر جاتی۔ اگر اسی دوران کسی لڑکی کی نظر پڑتی تو وہ فوراً چیخ پڑتی۔

''ہائے اللہ! اتنی گرمی ہے...... بے چاری کو بے ہوش کروانا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ دوپٹے کو تھوڑا سمیٹ کر گھونگھٹ کی لمبائی کم کر دیتی۔

''چٹا ککڑ بنیرے تے...... کاسنی دوپٹے والی...... منڈا صدقے تیرے تے......'' ایک من چلی لڑکی نے اپنی پاٹ دار آواز میں تان لگائی تو امینہ بیگم فوراً گھبرا کر کچن سے نکلیں۔

''ارے آہستہ کم بختو! مولانا صاحب بہت ناراض ہوں گے۔ خبردار، آواز گلی تک نہ جائے۔''

''ارے خالہ! شادی والا گھر ہے۔ آج تو کچھ رعایت دے دو۔'' لڑکیوں نے ان کی وارننگ کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔

اتنے میں باہر سے ایک دو پٹاخوں کی آواز آئی۔ ساتھ ہی دوڑتے بھاگتے قدموں کا شور سنائی دیا۔ دو تین بچے آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اور ایک ساتھ نعرہ مارا۔

''بارات آگئی...... بارات آگئی......''

لڑکیوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔

''چلو...... چلو...... چھت پر چڑھ کر دیکھتے ہیں۔ دولہا سامنے سے آتا ہوا دکھائی دے گا۔''

ایک لڑکی نے تجویز پیش کی اور پھر سب کی سب دھڑ دھڑ کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ گٹھڑی سی بنی دلہن میں ذرا سی جنبش ہوئی اور اس نے اپنا جھکا ہوا سر مزید جھکا لیا۔

☆☆☆

صبح سویرے کا وقت تھا۔ وہ چولہے کے پاس دھری چوکی پر بیٹھی گرما گرم پراٹھے پکا رہی تھیں۔ تمام بچے ان کے قریب ہی چٹائی پر بیٹھے رات کے بچے سالن اور دہی کے ساتھ پراٹھے نوش فرما رہے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ گڈو، پپو، منجھلی، چھوٹی، سب ہی موجود تھے۔ فقط بڑی والی رانو ہی غائب تھی۔

یہ خلاف معمول بات تھی ورنہ اس وقت تک وہ بھی اسکول کے لیے تیار ہو کر ان کے ساتھ چھوٹے بچوں کو ناشتا کروانے میں ان کی مدد کروا دیا کرتی تھی۔ انہوں نے ایک دو دفعہ اسے اونچی آواز میں پکارا بھی، مگر جواب ندارد۔ پھر انہوں نے چھوٹی ہادیہ کو بلانے بھیجا تو وہ بھی منہ بسورتی ہوئی پلٹ آئی۔

''اماں! آپی دروازہ نہیں کھول رہیں۔''

ان کے اندر غصے کا ابال سا اٹھا۔ وہ بچیوں کا یوں دروازہ بند کر کے بیٹھنا سخت ناپسند کرتی تھیں۔ مگر اس وقت وہ بہت مصروف تھیں۔ بچوں کے اسکول کا وقت ہوا چاہتا تھا اس لیے وہ فوری طور پر اس کی گوشمالی کے لیے نہیں جا سکتی تھیں۔

جوں ہی ناشتے سے فارغ ہو کر تمام بچے اپنے اپنے بستے سنبھالے، ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو انہوں نے بھی کھانے پینے کا سامان سمیٹا اور بچوں کے مشترکہ کمرے کا رخ کیا۔ ان کے خیال میں یا تو آج رانو کی طبیعت ناساز تھی یا پھر کسی ٹیسٹ سے جان

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چھڑانے کے لیے چھٹی کا ارادہ تھا۔

کمرے کا دروازہ واقعی بند تھا۔ ان کے اندر پھر سے غصے کی ایک لہر سی اٹھی۔ انہوں نے زور سے دروازہ دھڑدھڑایا۔ اندر سے کنڈی اچھی طرح سے بند نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے ایک ہی دھمک سے دونوں پٹ کھل گئے۔ وہ چونکہ روشنی سے ایک دم اندھیرے میں گئی تھیں، اس لیے فوری طور پر کچھ نظر نہ آیا۔ چند لمحوں بعد جب وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو سامنے کا منظر دیکھ کر ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

سامنے ہی رانو چھوٹا سا گول شیشہ ہاتھوں میں تھامے پورے سولہ سنگھار کیے کھڑی تھی۔ ہلکے انگوری رنگ کا سلکی سوٹ پہنا ہوا تھا جس کی قمیص کی فٹنگ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی (یہ وہی سوٹ تھا جو انہوں نے چھوٹی عید پر اسے خود سی کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے تو ڈھیلی ڈھالی سی قمیص سی تھی، غالباً اب اس نے خود سے ہی سلائیاں لگا لگا کر اسے اتنا فٹ کر لیا تھا)۔ کالے سیاہ بالوں کی آبشار کمر پر بہہ رہی تھی اور دو چار لٹوں کو دانستہ چہرے کے دائیں رخ پر سجا رکھا تھا۔ ہونٹ تیز گلابی رنگ کی لپ اسٹک سے رنگے تھے اور غالباً اسی لپ اسٹک کا کچھ استعمال رخساروں اور آنکھوں کے پپوٹوں پر بھی کیا گیا تھا۔

رانو یوں ماں کو اچانک سر پر کھڑا دیکھ کر سٹپٹا گئی اور پھر پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

''وہ اماں...... آج اسکول میں دسویں جماعت کی لڑکیوں کی الوداعی پارٹی ہے۔ وہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔''

''ہیں...... تو پارٹی پر جا رہی ہے...... ارے کس کی اجازت سے جا رہی ہے؟ کس سے پوچھا؟'' وہ گرجیں۔

''اماں! اس میں اجازت کی کیا بات ہے؟ اسکول تک تو جانا ہے...... روز جاتی ہوں۔'' وہ منمنائی۔

''ارے...... روز اتنا بن سنور کر جاتی ہے؟'' وہ پھر برسیں۔

''اماں! بتایا تو ہے کہ آج پارٹی ہے۔ کلاس کی تمام لڑکیاں ہی رنگین کپڑوں میں......'' اس نے مزید وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے تیز لہجے میں بات کاٹ دی۔

''ارے ساری لڑکیاں جائیں بھاڑ میں...... تو کیوں جا رہی ہے؟ جانتی نہیں ہے کہ تیرا باپ امام مسجد ہے۔ سارے محلے میں کتنی عزت ہے اس کی۔ وہ لوگوں کو سادگی اور پردہ داری کا درس دیتا پھرتا ہے اور بیٹی کے یہ لچھن ہیں۔'' انہوں نے اس کے سجے سنورے روپ پر چوٹ کی۔

''اماں! میرے پارٹی پر جانے سے ابا کی عزت پر کیسے حرف آ سکتا ہے؟'' اس نے احتجاجی فریاد بلند کی۔

''ارے کم بخت! جب تو یہ بال کھولے سارے اسکول میں کدکڑے لگاتی پھرے گی تو لوگ کیا کہیں گے کہ باپ کی اتنی لمبی داڑھی ہے اور بیٹی کے یہ کرتوت ہیں۔ دوسروں کو وعظ و نصیحت اور خود میاں فضیحت......'' انہوں نے دانت پیسے۔

''چل اتار یہ تام جھام...... اور چل کر ناشتے کے برتن دھو ورنہ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی۔'' انہوں نے شہادت کی انگلی اٹھا کر دھمکی دی اور پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

رانو نے جھنجلا کر ہاتھ میں تھاما ہوا شیشہ دور پلنگ پر اچھال دیا اور چہرہ ہاتھوں سے چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔

☆☆☆

''اف اللہ! اتنی مختصر سی بارات ہے۔ کل ملا کے چھ بندے ہوں گے مشکل سے۔'' لڑکیاں تبصرہ کرتی ہوئی واپس چھت سے اتر رہی تھیں۔

''مانو کہ رکشے کی سواریاں ہیں۔ شاید آئے بھی رکشے پر ہوں۔'' نارنجی سوٹ میں ملبوس شمع قہقہہ لگا کر ہنسی۔

''کوئی عورت ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی بری کا ٹرنک ہمراہ ہے۔'' ایک اور نے لقمہ دیا۔

''ارے کم بختو! ان کے ہاں ایسی خرافات کا رواج

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نہیں ہے۔" امینہ بیگم ان کے تبصرہ پر کھول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی خالہ! ایسی سونی سونی سی بارات اچھی تھوڑی لگتی ہے۔" کالی میکسی میں ملبوس ایک اور لڑکی نے اپنی رائے پیش کی۔

"شادی سے چند روز پہلے دولہا کے دادا اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اس لیے بھی اتنی سادگی کر رہے ہیں وہ لوگ۔" امینہ بیگم نے ایک چور نظر آتشی گلابی دوپٹے سے جھکے سر پر ڈالی اور کچھ ڈپٹ کر بولیں۔

"نہ تم لوگ تو دولہا دیکھنے گئی تھیں، اس کے بارے میں تو کچھ بتاؤ۔"

ایک درمیانی عمر کی عورت (جو شاید خود سیڑھیاں چڑھنے سے قاصر تھیں) نے اشتیاق سے پوچھا۔

"دولہا تو ماشاء اللہ بہت خوب رو ہے۔ سامنے سے آتا ہوا شہزادہ لگ رہا تھا شہزادہ۔" وہ سب کی سب یک زبان ہو کر بولیں تو امینہ بیگم کا خون سیروں بڑھ گیا۔

"ماشاء اللہ! چاند سورج کی جوڑی ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" سب نے باجماعت دعا کی۔

"نکاح خواں تشریف لا رہے ہیں۔ پردہ کروا دو۔" باہر مردانے سے پیغام آیا تو پھر افراتفری مچ گئی۔ امینہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"ارے لڑکیو! ذرا سائیڈ پر ہو جاؤ۔ ارے شمع! جانا ذرا اسٹور میں، بکسے کے اوپر نکاح کا سرخ دوپٹہ رکھا ہے۔ وہ لا کر دلہن کو اوڑھا دو۔" انہوں نے ہدایات نشر کرنی شروع کیں۔

"یا اللہ! یہ ایجاب و قبول کا مرحلہ بھی خیر و عافیت سے گزر جائے۔"

ساتھ ہی دھڑکتے دل کے ساتھ گلابی گٹھڑی کی جانب فکر مندی سے دیکھتے ہوئے دعا کی۔

☆☆☆

وہ جہازی سائز پلنگ پر آلتی پالتی مارے مگن سا بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے ادھ کھلی کتاب تھام رکھی تھی اور نظریں لفظوں کے بجائے اندر کہیں اور ٹکی ہوئی تھیں۔ اچانک ابا میاں کی کڑک دار آواز برآمدے میں گونجی۔

"ارے عبدالباسط...... کہاں ہو؟"

اس نے پھرتی سے کتاب تکیے کے نیچے دبائی۔ پاؤں میں چپلیں اڑسیں اور دو چھلانگوں میں کمرہ عبور کر کے انہیں برآمدے میں ہی جا لیا۔

"کیا بات ہے ابا جان؟" وہ مؤدب ہوا۔

"ارے کمرے میں گھسے کیا کر رہے تھے گھنٹہ بھر سے؟" انہوں نے عام سے لہجے میں استفسا کیا۔

"ابا جان! ٹیسٹ کی تیاری کر رہا تھا۔"

"دل لگا کر پڑھائی کرنا۔ اس بار ماسٹر صاحب کی کوئی شکایت نہ سنوں میں۔" انہوں نے پیشگی اطلاع دی۔

"جی ضرور۔" وہ مزید مؤدب ہوا۔

"ہاں میں عبدالقدوس صاحب کی بیٹی کا نکاح پڑھانے جا رہا ہوں۔ دیر ہو جائے گی۔ تمہاری اماں اور آمنہ بشیر بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہیں، گھنٹے دو گھنٹے بعد ان کو لے آنا۔"

"جی اچھا۔"

"اور ہاں سنو۔" وہ جاتے جاتے پھر پلٹے۔ "ایک بار دستک دینے کے بعد دروازے کی جانب پشت کر کے کھڑے ہونا تاکہ اچانک دروازہ کھلنے پر کوئی بے پردہ نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے جی۔"

"اور یہ تم نے اتنی گرمی میں اتنا بڑا سا ٹوپا کیوں چڑھا رکھا ہے سر پر۔ دماغ پگھل جائے گا۔ سفید رنگ کا صافہ باندھا کرو۔" ایک اور نصیحت۔

"اچھا جی۔" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔

"لو، اب میں جا رہا ہوں۔ اندر سے کنڈی لگا لو۔"

جوں ہی وہ باہر نکلے، اس نے دروازہ بند کیا۔ "یاہو" کا نعرہ بلند کیا اور جھومتا ہوا واپس کمرے میں آیا۔ کھینچ کر ٹوپی اتار کر دور اچھالی۔ کانوں میں ٹھنسے ہوئے ہینڈز فری نوچ کر واپس جیب میں ڈالے اور تکیہ اٹھا کر کتاب کھولی۔ اس کے اندر سے موبائل نکالا۔ والیم فل کھولا اور وہیں سے دوبارہ میچ دیکھنے لگا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جہاں سے چھوڑا تھا۔

دراصل یہ موبائل اس کے دوست طارق کا تھا اور اسی نے اس کے لیے تین چار روز قبل ہونے والے کرکٹ میچ کو ڈاؤن لوڈ کیا تھا۔

اس کے اپنے گھر میں تو نہ ٹی وی، نہ موبائل، نہ نیٹ۔ جب ضرورت پیش آتی تھی، طارق چپکے سے اس کی جیب میں اپنا موبائل ڈال جاتا تھا۔

"اگر کبھی ابا میاں کو بھنک بھی پڑ جائے تو کیسی عزت افزائی ہو۔" وہ کئی بار سوچ کر کانپ جاتا تھا۔

☆☆☆

اس دن پارٹی پر نہ جانے کا سوگ رانو نے کئی دن تک منایا۔ منہ پھلائے پھلائے پھرتی رہتی۔ بلاوجہ چھوٹے بہن بھائیوں کی ٹھکائی کی اور اس دن تو حد ہی ہوگئی۔ برتن دھوتے وقت کانچ کی دو پیالیاں توڑ دیں۔ اماں کئی روز سے نظر انداز کر رہی تھیں، آج بازو سے پکڑ کر پاس بٹھایا اور دھیرے دھیرے سمجھانے لگیں۔

"دیکھو رانی! ماں باپ اگر کسی چیز سے منع کرتے ہیں تو وہ بچوں کے فائدے کے لیے ہی سوچ رہے ہوتے ہیں۔ عزت کمانا بہت مشکل ہے۔ برسوں لگتے ہیں مگر ذرا سی لغزش سے برسوں کی کمائی ہوئی عزت ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے۔ ہماری محلے میں ہر چھوٹا بڑا قدر کرتا ہے۔ اسی عزت کو سنبھالنے کے لیے ہر قدم پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر ہمارے گھر کی لڑکیاں یوں بن سنور کر بے پردہ پھریں گی تو کتنا برا تاثر پیدا ہوگا۔"

"اماں! میں بے پردہ کب جا رہی تھی۔ آپ کی موٹی چادر اوڑھ کر ہی جاتی۔" رانو کے زخم پھر سے ہرے ہوگئے۔

"مگر وہاں اسکول جا کر تو چادر اتار ہی دیتیں، پھر لڑکیاں اپنے گھروں میں جا کر باتیں بناتیں کہ امام مسجد کی بیٹی خود تو اتنے فیشن کر کے آئی ہوئی تھی جبکہ دوسروں کو وہ سادگی و قناعت کی تلقین کرتے نہیں تھکتے۔" انہوں نے پھر رسان سے سمجھایا۔

"کون سے فیشن اماں! اتنی سی لپ اسٹک ہی تو لگائی تھی۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

"جو بات تمہارے نزدیک اتنی سی ہے نا، وہ لوگوں کی نظر میں بہت بڑی بن جاتی ہے کیونکہ وہ ہماری ہر حرکت اور سرگرمی کو باریکی سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔"

انہوں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کی آنکھیں خشک کیں اور پیار سے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

"بہت اچھا کیا جو آپ خود ہی ملنے چلی آئیں صفیہ آپا! مجھے تو گھر کے کام دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے۔ یہ اپنی رانی بھی اسکول سے آکر زیادہ مدد نہیں کروا پاتی۔"

وہ صفیہ آپا اور آمنہ کو دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

"خالہ جان! رانو ہے کہاں اس وقت؟ نظر نہیں آرہی؟" آمنہ ان کی باتوں سے بور ہو کر پوچھ بیٹھی۔

"اپنے کمرے میں سو رہی ہے کب سے۔ جاؤ بیٹی! خود ہی جا کر اپنی سہیلی کو اٹھا دو۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو رانو اپنا دوپٹہ منہ سر پر لپیٹے پڑی تھی۔ آمنہ نے ذرا سا دوپٹہ سرکایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"ارے آمنہ...... تم...... کب آئی ہو؟" وہ فوراً گلے لگ گئی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں اور اماں آئے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

"اچھا تم ادھر ہی بیٹھو، میں خالہ جان سے مل کر آتی ہوں۔"

اس نے دوپٹہ اچھی طرح سے اوڑھا۔ باہر جا کر خالہ کو سلام کیا۔ پھر کچن میں گئی۔ شربت بنایا اور کچھ پھل نفاست سے کاٹ کر دو پلیٹیں سجائیں۔ پھر باہر پہلے خالہ اور اماں کے سامنے کھانے پینے کا سامان رکھا اور پھر کچھ آمنہ کے لیے اندر کمرے میں لے آئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''آمنہ! تم نے اچانک اسکول کیوں چھوڑ دیا۔ ہم سب تمہیں اتنا مس کرتے ہیں۔''

''کیا بتاؤں رانو! استانی جی کی انگریزی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ لگتا تھا کہ پھر فیل ہو جاؤں گی۔ اس لیے سلائی سینٹر میں داخلہ لے لیا ہے۔ اب کپڑوں کی کٹنگ اور سلائی سیکھ رہی ہوں۔

یہ دیکھو، اپنی قمیص خود سی کر پہنی ہے۔'' اس نے دوپٹہ ہٹا کر فخریہ اپنی قمیص دکھائی۔

''ہائے آمنہ! کتنا اچھا گلا بنایا ہے۔ تم ساڑھی کی کٹنگ اور سلائی بھی سیکھ لو۔ مجھے ساڑھی کا بڑا ارمان ہے۔'' وہ اشتیاق سے بولی۔

''ہائے میں مرجاؤں، کیا کہا ساڑھی۔ اماں نے سن لیا تو گلا کاٹ ڈالیں گی۔ ہمیں کہاں اجازت ہے ساڑھی پہننے کی۔ گز بھر تو پیٹ نظر آتا ہے اس کو پہن کر۔'' آمنہ نے اپنے گال پیٹ ڈالے۔

''کوئی نہیں نظر آتا پیٹ...... ایک دن ہاجراں اپنی بھابھی کی تصویریں لائی تھی شادی کی۔ انہوں نے پہن رکھی تھی ساڑھی۔ پوری آستینوں اور لمبے بلاوز کے ساتھ۔ اتنی اچھی لگ رہی تھیں۔ یہ تو اب پہننے والے پر ہے کہ وہ کس لباس کو کس طرح سے پہنتا ہے۔ نہ دکھائے وہ پیٹ اور کمر وغیرہ۔'' وہ بحث پر اتر آئی۔

''چھوڑو بھئی۔ ہمیں پھر بھی اجازت نہیں ملنے والی۔'' آمنہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اتنے میں باہر سے زور زور سے دستک کی آواز آئی۔

''لگتا ہے کہ باسط بھیا ہمیں لینے آئے ہیں۔'' آمنہ اپنی چادر کی تہ کھولنے لگی۔

''شام تک رک جاؤ پلیز آمنہ! اتنا مزہ آرہا تھا۔'' رانو بولی۔

''یہ ممکن نہیں۔ اب کسی دن تم خالہ جان کے ہمراہ تشریف لانا۔'' آمنہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

صفیہ بیگم کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ وہ آنکھیں موندیں لیٹی تھیں۔ آہٹ پر دیکھا تو باسط کچھ پریشان سا پائنتی کی جانب کھڑا تھا۔

''اماں جان! خیریت تو ہے۔ بے وقت کیوں لیٹی ہیں۔'' وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

''ہاں میرے چاند۔ سر کچھ بھاری سا ہو رہا تھا۔ آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے ایک جانب سرک کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

''کیا بات ہے میرا بیٹا! کچھ الجھا ہوا ہے۔'' وہ اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں چلاتے ہوئے بولیں۔

''اماں جان! میں کالج میں ایڈمیشن لینا چاہ رہا ہوں مگر ابا جان کسی صورت رضامند نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں میٹرک کافی ہے۔ شاید وہ مجھے اپنے دوست مولوی بشیر صاحب کی شاگردی میں دینے کا ارادہ باندھے ہوئے ہیں۔''

''تو بیٹا اس میں کیا خرابی ہے؟ ٹھیک ہی تو کر رہے ہیں وہ۔'' وہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

''اماں جان! کمال کرتی ہیں آپ۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے مگر ہمارے گھرانے کے وہی فرسودہ رسم و رواج ہیں۔ اسی طرح سے آپ لوگوں نے آمنہ کی تعلیم کا سلسلہ ختم کروادیا۔ آج کل کے زمانے میں میٹرک پاس کی کیا حیثیت ہے۔ طارق کے ابا اس کو ٹیکنیکل کالج میں ایڈمیشن دلا رہے ہیں۔ میں بھی وہیں سے کوئی ڈپلومہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ مجھے ابا سے اجازت دلوائیں۔ جیسے بھی ہو، یہ آپ کا کام ہے۔ میں نہیں جانتا۔''

وہ ان کے ناتواں کندھوں پر ساری ذمہ داری ڈال کر خود یہ جا وہ جا اور وہ اپنی جگہ بیٹھی سوچتی رہ گئیں۔

☆☆☆

سرمئی شام رات میں ڈھلنے جارہی تھی۔ پرندے زمین کی گود سے اپنے اپنے حصے کا رزق تلاش کر کے اب گھونسلوں کی جانب محو پرواز تھے۔

وہ نماز عصر کے بعد مسلسل مندی سے نماز پڑھنے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

والی چوکی پر ہی نیم دراز تھیں۔ سامنے چٹائی پر ان کی تینوں بیٹیاں اسکول کا کام کر رہی تھیں۔

اگرچہ ان کی عمروں میں دو دو سال کا فرق تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹی دونوں نے بھی اچھا خاصا قد کاٹھ نکال لیا تھا۔ اب وہ تینوں ایک سی ہی دکھتی تھیں۔ ہر ماں کی طرح وہ بھی ان کے مستقبل کے بارے میں کچھ خوف، کچھ خدشات کا شکار تھیں۔

رانو کے لیے تو صفیہ بیگم کئی بار اشاروں کنائیوں میں پسندیدگی کا اظہار کر چکی تھیں۔ اگرچہ ابھی تک کوئی واضح پیغام تو نہیں آیا تھا۔ پھر بھی دل کو تسلی تھی کہ اگر بات بن گئی تو رانو بہت خوش رہے گی۔ اس گھرانے سے ان کا برسوں کا ملنا جلنا تھا۔ ماحول اور رہن سہن میں بھی کوئی خاص فرق نہ تھا۔ پھر رانو، صفیہ بیگم اور آمنہ سے مانوس بھی بہت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ چھوٹی دونوں کا بھی کوئی اچھا وسیلہ بنا دے۔ انہوں نے صدق دل سے دعا کی اور چوکی سے اٹھ کر کچن کی جانب چل دیں۔

☆☆☆

وقت سے زیادہ بے نیاز اور بے وفا کوئی شے نہیں ہے۔ کوئی روئے یا ہنسے، کوئی مرے چاہے جیے، وہ گزرتا چلا جاتا ہے۔ کبھی تھمتا نہیں ہے۔ ماہ و سال کی گردش ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہتی ہے۔

زندگی میں بدلاؤ تو آتا ہے۔ آنا بھی چاہیے، یہ زندہ رہنے کے لیے ضروری بھی ہے۔ ان سب کی زندگیوں میں بھی بہت کچھ بدل گیا۔

صفیہ بیگم مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ آمنہ بیاہ کر اندرون سندھ چلی گئی۔ باسط نے بغاوت کر کے شہر کے بڑے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ ادھر رانو بھی میٹرک کر کے گھر بیٹھ گئی۔ غنیمت تھا کہ ابا نے پرائیوٹ ایف اے اور پھر بی اے کی اجازت دے دی۔ چھوٹی دونوں ابا کے مدرسے میں بچیوں کو دینی تعلیم دینے میں مصروف ہو گئیں۔

صفیہ بیگم کی موت کے ساتھ ہی اس گھرانے سے پہلے جیسے تعلقات نہ رہے تھے۔ کیونکہ باسط کے ابا نے دوسری شادی کر لی تھی اور نئی بیگم ان کے ساتھ اتنا بے تکلف نہ ہو پائی تھیں۔ آمنہ بھی شاذ و نادر ہی اپنے میکے آ پاتی تھی۔ اس لیے رانو کے رشتے کی جو آس امینہ بیگم نے اپنے دل میں لگا رکھی تھی، وہ اب ٹوٹتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک جگہ سے مکمل مایوس ہو کر ادھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے امید کی کرن پھوٹ پڑتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب وہ رانو کے رشتے کے لیے ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں کہ اچانک ایک روز باسط کے ابا نئی بیگم کے ہمراہ رانو کا ہاتھ مانگنے چلے آئے۔

دراصل باسط نے ضد کر کے ٹیکنیکل کالج سے ڈپلومہ حاصل کیا تھا جبکہ اکلوتا وارث ہونے کی وجہ سے ان کی خواہش تھی کہ وہ ان کا مدرسہ سنبھالے۔ اسی وجہ سے اس کے رشتے میں تاخیر ہو گئی تھی۔

وہ وضاحت کر رہے تھے جبکہ وہ دونوں میاں بیوی خوشی سے نہال تھے مگر انہوں نے رسمی طور پر سوچنے کا وقت مانگا کیونکہ یوں فوری طور پر ہامی بھرنا خود کو ہلکا کرنے کے مترادف تھا۔

مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد وہ فوراً بچیوں کے کمرے میں گئیں۔ اپنے طور پر وہ رانو کو ایک طرح سے خوش خبری سنانے جا رہی تھیں مگر ان کے ایک بھی لفظ کہنے سے پہلے وہ پھٹ پڑی۔

''اماں! میں باسط سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔''

''ہیں...... کیا...... کیا کہا......؟'' وہ اس کے ردعمل پر ششدر رہ گئیں۔ کچھ دیر تک کچھ بھی بولنے کے قابل نہ رہیں۔

''اماں! میں کہہ رہی ہوں کہ آپ ان لوگوں کو جواب دے دیں۔ میں وہاں شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے ایک بار پھر ان کے سر پر بم پھوڑا۔

WAQAR AZEEM www.paksitanipoint.com

"کیوں نہیں کرو گی باسط کے ساتھ شادی۔ کیا خرابی ہے باسط میں...... خوب صورت، اونچا جوان...... پڑھا لکھا ہے۔"

کچھ دیر بعد ان کے حواس بحال ہوئے تو وہ اپنی سابقہ جون میں واپس آتے ہوئے گرجیں۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ مجھے نہیں کرنی ہے وہاں شادی۔" وہ کسی اڑیل گھوڑی کی طرح بدکی۔

"کم بخت! برسوں کا دیکھا بھالا، شریف، مذہبی گھرانہ ہے۔ تمہیں کیا کسی شہزادہ گلفام کی تلاش ہے۔"

"اماں! مجھے نہیں چاہیے شریف، مذہبی گھرانہ اور نہ ہی کوئی شہزاد گلفام۔ بھلے سے کوئی عام سا شخص ہو۔ بے شک کوئی چھابڑی والا...... کوئی پھل فروش ہی کیوں نہ ہو۔"

اس کے حسین ارشادات سن کر ان کا دماغ گھوم گیا۔ انہوں نے جھنجلا کر اس کے ایک کرارا سا تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کھا کر وہ مزید پھٹ پڑی۔

"اماں! تم مجھے ایک جہنم سے نکال کر دوسرے میں بھیج رہی ہو۔"

اس نے گویا نیزے کی انی ان کے سینے میں چبھو دی۔

"پہلے اتنی زندگی ایک امام مسجد کی بیٹی ہونے کی سزا بھگتی ہے اور اب باقی کی ساری ایک نکاح خواں کی بہو ہونے کی سزا بھگتی رہوں۔ یہ کرو، وہ نہ کرو۔ سادگی اپناؤ، زیادہ شوخ کپڑے نہ پہنو۔ بننے سنورنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اونچی آواز سے کیوں ہنسیں، سہیلیوں کے ساتھ ہنسی مذاق مت کرو۔ لوگ کیا کہیں گے۔ اماں! میں پوچھتی ہوں کہ زندگی میری ہے یا لوگوں کی۔"

وہ روتی ہوئی اسٹور میں جا گھسی جبکہ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ انہوں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے اندر اتنا زہر بھرا ہے۔

رانو ان کے آنگن کی پہلی کلی تھی۔ خوب صورت نقوش اور گلابی رنگت والی گڑیا، جب ان کی گود میں آئی تھی تو وہ کتنی مسرور تھیں۔ ان کی اپنی کوئی بہن نہیں تھی اور حقیقت میں ہی ان کو بیٹی کی بڑی چاہ تھی۔ کیا کیا لاڈ نہیں اٹھائے اس کے۔ اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلاتیں۔ ذرا سی تکلیف پر رات بھر اس کے سرہانے بیٹھی رہتیں۔ دونوں چھوٹیوں کو ہمیشہ شکایت ہی رہی کہ اماں سب سے زیادہ پیار رانی باجی سے ہی کرتی ہیں۔

باپ بھی گھر آ کر سب سے پہلے رانو کا ہی پوچھتے تھے۔ دونوں میاں بیوی پہلوٹی کی اولاد پر محبتیں نچھاور کرتے رہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس گھر کو جہنم سمجھ کر رہ رہی ہے۔

ٹھیک ہے کہ وہ کچھ روک ٹوک کرتی تھیں مگر اس کے فائدے کے لیے سمجھاتی تھیں۔ کیا اب ایک ماں کا اتنا بھی حق نہیں ہے۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور قریبی چارپائی پر ڈھے گئیں۔

☆☆☆

بلب کی روشنی تاریکی کو مکمل طور پر ختم کرنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ چھوٹا سا کمرہ حبس اور گرمی سے بھرا ہوا تھا مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز فرش پر دو زانو بیٹھی گہری سوچوں میں گم تھی۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنے سامنے یوں پھیلا رکھی تھی جیسے وہ لکیروں کے جال میں اپنی قسمت کا حال دیکھنا چاہ رہی ہو۔

آج اس نے اماں سے جو اتنی زیادہ بدزبانی کی تھی، دل میں اس کا ملال تو تھا مگر وہ بھی کیا کرتی۔ اتنے عرصے سے خواہشات اور خوابوں پر جو بند باندھ رکھا تھا، وہ بالآخر ٹوٹ ہی گیا۔ پھر آئندہ زندگی کے حوالے سے جو خوش گمانیاں پال رکھی تھیں، باسط کا رشتہ قبول ہونے کی صورت میں وہ بھی ملیامیٹ ہوتی نظر آ رہی تھیں۔

اس نے ایک گھٹے ہوئے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی جب گلی میں سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی تو اماں کسی چیل کی مانند دبوچ کر گھر لے آتیں۔ اس کی گڑیا نوچ کھسوٹ کر پھینک دیتیں۔ پانچویں کلاس میں ہی بڑا سا چادر نما دوپٹہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اوڑھا کر بھیجتی تھیں جو وہ اس سے سنبھالا ہی نہیں جاتا تھا۔ کئی بار وہ اس سے الجھ کر سڑک پر زور سے گری تھی۔ اسکول سے واپسی پر بھی اس کی کلاس فیلو ٹھیلے والے سے رنگ برنگی چیزیں لے کر کھاتیں مگر اس کو اجازت نہیں تھی۔ اگرچہ اس کی مٹھی میں بھی پیسے دبے ہوتے تھے مگر کیا فائدہ جب وہ اپنی پسند سے کچھ لے ہی نہیں پاتی تھی۔

اس کے ساتھ کی بچیاں قلفیاں، گولا گنڈا کھاتے کھاتے ہنسی ٹھٹھول کرتے ہوئے آتیں اور وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتی۔ اگرچہ اماں نے گھر میں بھی کچھ اچھا بنایا ہوتا تھا اور چھوٹے بھائی سے بھی باہر کی چیزیں منگوا دیتی تھیں مگر جو مزہ ہم جولیوں کے ساتھ کھانے پینے میں تھا، وہ گھر میں تو نہیں تھا۔

پھر جوان ہوئی تو پابندیاں مزید سخت ہو گئیں۔ اول تو اماں ابا کسی شادی بیاہ پر لے کر ہی نہیں جاتے تھے۔ اگر کسی قریبی عزیز کے ہاں ضروری جانا بھی ہوتا تھا تو ہزار نصیحتوں کے بعد۔

وہ بننے سنورنے کی از حد شوقین تھی مگر اماں ہر قسم کی آرائش و زیبائش کی کھلم کھلا دشمن۔

''امام صاحب کی بچیوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔''

وہ ہر بار یہی تاویل پیش کرتیں۔ بد دل ہو کر اس نے کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا۔

ہر لڑکی کی طرح اس نے بھی اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں ہزار سپنے آنکھوں میں سجا رکھے تھے۔ مگر اب باسط سے شادی کی صورت میں ان تمام سپنوں کی موت نظر آ رہی تھی کیونکہ آمنہ کے گھر کا ماحول اس سے ڈھکا چھپا تو نہ تھا۔

آمنہ بھی تو ان ہی پابندیوں میں پروان چڑھی تھی۔ اگرچہ اس کے رویے میں اس کے اپنی جتنی شدت تو نہ تھی مگر وہ بھی تو اکثر ہی اپنے گھریلو ماحول سے نالاں رہتی تھی۔

شادی کے بعد وہ اسے صرف ایک ہی بار ملی تھی۔ خوب زیورات سے لدی پھندی، سولہ سنگھار کیے ہوئے، خوش باش سی۔

شادی تو اس کی پھوپھو کے ہاں ہوئی تھی مگر بقول اس کے اس کا شوہر اور سسرال والے اچھے خاصے روشن خیال تھے۔ پھر اس کی ظاہری حالت بھی اس کی چیز کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر اس نے بھی اپنے لیے ایسی ہی زندگی کے ڈھیروں خواب دیکھ لیے تھے۔ مگر شاید وہ آمنہ کی طرح قسمت کی دھنی نہیں تھی۔

☆☆☆

لکڑی کا دروازہ چرچرایا، پھر کوئی ہولے ہولے چلتا ہوا آیا اور اس کے پاس زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ ٹس سے مس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''شبو رانی!'' اس کے کانوں میں آواز آئی تو اس نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ سامنے ہی ابا حضور بیٹھے تھے۔

''شبو رانی......شبو بیٹی تو ناراض ہے کیا؟'' وہ ہولے ہولے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

آج اتنے عرصے کے بعد ابا نے اسے اس کے پرانے نام سے بلایا تھا۔ اس کا جی بھر آیا۔

دراصل ابا نے بڑے پیار سے اس کا نام ''شبانہ رانی'' رکھا تھا مگر اماں کو یہ نام پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اس کو صرف رانی کہہ کر بلاتی تھیں مگر اسکول میں اس کا نام شبانہ رانی ہی درج تھا۔ ابا اب بھی پیار سے اسے شبو رانی ہی کہتے تھے۔

''بیٹا! تیری ماں بتا رہی تھی کہ تو باسط کے رشتے سے ناخوش ہے۔''

اسے اماں پر بہت غصہ آیا۔ کیا وہ اس کا مقدمہ خود نہیں لڑ سکتی تھیں۔ انہوں نے تو ایک طرح سے بندوق اس کے کندھوں پر ہی رکھ دی تھی مگر یہ وقت بزدلی دکھانے کا نہیں تھا۔ اس نے خود کو مضبوط کیا اور اپنے تمام تر حوصلے کو مجتمع کر کے ابا کی جانب دیکھا۔

اسے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے ڈھیر سارا پیار، مان اور بھروسا نظر آیا۔ اس نے جھٹ نظریں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چرالیں۔

قسمت نے اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اتنی بہادر نہیں تھی کہ اپنے باپ کی آنکھوں سے جھلکتے اعتبار کو بے اعتبار کر ڈالتی۔ کاش اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھا ہی نہ ہوتا۔ سر جھکائے ہی رہتی۔ ٹھیک ہی لکھا ہے کتابوں میں کہ پیچھے دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی پتھر کی بن گئی۔ اس نے بھاری دل کے ساتھ اپنے خوابوں اور خواہشات پر پاؤں رکھا اور دھیرے سے بولی۔

"نہیں ابا جان! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اماں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"جیتی رہو میری بیٹی...... میری شبو رانی۔"

انہوں نے اس کے سر پر ایک دفعہ پھر ہاتھ پھیرا۔ اس کا ڈھلکا ہوا آنچل درست اور باہر نکل گئے۔

☆☆☆

آخر کار اس کی شادی کا دن بھی آ پہنچا۔ اس کی رخصتی کا منظر بھی وہی تھا جو ہمارے معاشرے میں ہر بیٹی کے وداع ہونے کا ہوتا ہے۔ والدین برسوں سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے۔ اب جب یہ دن آ پہنچا تو ان کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات جاری تھی۔ یہ آنسو کچھ خوشی کے تھے، کچھ اس کی جدائی میں دکھ کے تھے اور کچھ اس کی آئندہ زندگی کے بارے میں خدشات کے تھے۔

وہ خود بھی بہت جذباتی تھی۔ اس کی بہنوں کو ڈر تھا کہ وہ رو رو کر سارا میک اپ دھو ڈالے گی مگر اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا۔

والدین اور بہن بھائیوں نے بھیگی پلکوں اور مسکراتے لبوں سے اسے الوداع کیا۔

☆☆☆

حجلۂ عروسی میں وہ کب سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اب تو گردن کی ہڈی بھی بری طرح سے دکھ رہی تھی۔ تنگ آ کر اس نے چہرے تک گھونگھٹ الٹ دیا اور آرام دہ انداز میں بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

کمرہ نہایت نفاست اور سادگی سے سجا ہوا تھا۔ اگرچہ باسط نے جہیز لینے سے منع کیا تھا مگر کمرے میں تقریباً سارا ہی ضروری نیا نکور فرنیچر موجود تھا۔ ایک سائیڈ پر وہ بکسہ بھی دھرا تھا جو اماں ابا نے زبردستی ضروری سامان کے ہمراہ کیا تھا۔

اگرچہ روایتی طور پر کوئی سیج نہیں سجائی گئی تھی مگر سفید نئی نئی پینٹ شدہ دیواروں پر کہیں کہیں سرخ گلاب کی ادھ کھلی کلیاں لٹکتی نہایت دلفریب منظر پیش کر رہی تھیں۔

یہ یقیناً آمنہ کے فن کارانہ ذہن کا کمال تھا ورنہ عبدالباسط سے تو ایسی توقع عبث تھی۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور عبدالباسط اندر داخل ہوا۔

اسے کوئی خاص شرم یا جھجک محسوس نہ ہوئی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا قریب آیا۔

"السلام علیکم۔" وہ بیڈ کے ایک کنارے پر ٹک گیا۔ اس نے محض ہلکا سا سر جھکا کر جواب دیا۔ منہ سے کچھ نہ بولی۔

وہ چند لمحوں تک اسے محویت سے دیکھتا رہا۔ گھونگھٹ اٹھانے کی تو نوبت ہی نہیں پیش آئی تھی کیونکہ کچھ دیر پہلے وہ اپنا گھونگھٹ خود ہی ہٹا چکی تھی۔

"آمنہ درست کہا کرتی تھی۔ آپ ماشاء اللہ سے بہت پیاری ہیں۔" لب ولہجہ مٹھاس بھرا تھا مگر اس نے اپنا زاویہ تبدیل نہ کیا اور اسی ٹھس سے انداز میں بیٹھی رہی۔

"دیکھیں، رانی صاحبہ! میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو اپنے اس گھر میں بھی وہی خلوص اور چاہت ملے جو آپ اپنے والدین کے گھر چھوڑ کر آ رہی ہیں۔"

وہ شاید اس کی روئی روئی سی کیفیت کو والدین سے جدائی کے غم کا شاخسانہ سمجھ رہا تھا۔ (حقیقت میں تو اسے اماں پر اتنا غصہ تھا کہ وہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ اب دوبارہ کبھی میکے جائے گی ہی نہیں)

"یہ میں نے آپ کے لیے کچھ تحائف لیے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تھے۔"

اس نے خوب صورتی سے پیک کیے ہوئے دو ڈبے سائیڈ ٹیبل سے نکالے اور اس کے سامنے رکھے۔ پہلے اس نے چھوٹا ڈبہ کھولنا شروع کیا۔ وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اس میں سے ایک جدید طرز کا موبائل سیٹ نکلا۔ وہ کچھ حیران ہوئی۔ اس نے چند بٹن دبائے۔ موبائل آن کیا اور اس کی سمت بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس میں میں نے اپنا اور باقی تمام ضروری نمبر فیڈ کر دیے ہیں۔ آپ خود بھی اگر چاہیں تو اپنی دوستوں کے نمبر فیڈ کر سکتی ہیں۔"

اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اس کے گھر میں تو صرف پی ٹی سی ایل ٹیلی فون تھا جو زیادہ تر ابا کے ہی زیر استعمال رہتا تھا۔ وہ تو موبائل کا استعمال ہی نہیں جانتی تھی۔

"یہ دوسرا گفٹ میری خواہش ہے کہ آپ خود اپنے ہاتھوں سے کھولیں۔"

اس نے نسبتاً ایک بڑا ڈبہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ اس کے اپنائیت بھرے سلوک سے وہ بھی کسی حد تک پسیج گئی تھی۔ اس نے احتیاط سے ڈبے کو کھولنا شروع کیا، وہ دلچسپی سے اسے تکتا رہا۔ ڈبا کھلنے پر جو شے برآمد ہوئی اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

وہ سنہری ستاروں سے بھری میرون کلر کی ایک بیش قیمت ساڑھی تھی۔

"آمنہ سے ایک بار سنا تھا کہ آپ کو ساڑھی کا بہت ارمان ہے۔ پھر میں ایک دن اسی کے ساتھ جا کر یہ خرید لایا تھا۔" وہ وضاحت کر رہا تھا جبکہ وہ حیرت گنگ تھی۔

"یاالٰہی! آج کیا حیرتوں کا دن ہے۔ ایک مولوی کی جانب سے موبائل اور ساڑھی کا تحفہ ہے۔"

"کیا میں یہ پہن بھی سکوں گی۔" وہ اشتیاق سے ساڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تو، اور کیا میں صرف نمائش کے لیے لایا تھا۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا۔ تو وہ جلدی سے سٹ پٹا کر بولی۔

"میرا مطلب ہے آپ کے اماں ابا...... میرا خیال ہے کہ آپ کے گھر کا ماحول شاید اس کی اجازت نہ دے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔ لہجے میں ہزار خدشے تھے۔

وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو نرمی سے تھامتے ہوئے بولا۔

"رانی! یہ میرا نہیں، ہم دونوں کا گھر ہے۔ رہی بات گھر کے ماحول کی تو شاید تم تھوڑی سی بدگمان ہو۔"

(غالباً آمنہ نے اس سے کچھ بات کی تھی۔ اگرچہ وہ اس کی دلی حالت سے بے خبر تھی مگر شادی سے چند دن قبل جب وہ کپڑوں اور جوتی کا ناپ لینے آئی تھی تو اس کی بجھی بجھی کیفیت سے بہت کچھ بھانپ گئی تھی)

"ہمارے والدین روایت پرست ہیں۔ اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہیں۔ انہیں بھی اپنے بڑوں سے ایسے ہی رویوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کچھ قصور لوگوں کا بھی ہے جو ہم جیسے بچوں کو ماورائی مخلوق سمجھتے ہوئے غلط توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ توقعات پوری ہونے پر ہمارے والدین کو لوگوں کی طرف سے جو تعریف و تحسین اور نام نہاد عزت ملتی ہے، وہ ان کے رویوں کو مزید بے لچک اور جامد بنا دیتی ہے۔

عورت کو آرائش و زیبائش کا حق اس کے اللہ اور رسول ﷺ نے دیا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس سے یہ نہیں چھین سکتی۔ اگر وہ پردے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوتے ہوئے خوش لباسی کا اہتمام کرتی ہے تو وہ قابل تعریف ہے۔ صرف نامحرم کی نگاہوں سے بچنے کا حکم ہے۔"

وہ کسی مہربان استاد کی طرح شفقت سے سمجھا رہا تھا۔ بدگمانیوں کی دھند چھٹ رہی تھی اور ایک روشن سویرا اس کا منتظر تھا۔

☆☆

شازیہ الطاف ہاشمی

ساجی کی کہانی

"سچ کہتی ہوں شگو آپا! زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے میری ساس نے۔ ایسی پتھر دل عورت نہ دیکھی نہ سنی۔"

بھنڈی بناتی شگو آپا جن کا نام شگفتہ تھا مگر ساجی نے اپنے دل کی پکار پہ لبیک کہتے ہوئے انہیں اپنی شگو آپا بنالیا تھا۔

شگو آپا صبح سویرے روٹی ناشتے سے فارغ ہو کے جیسے ہی گرم پانی سے برتن مانجھ کر چکانے لگتیں، فوراً ساجی بھی آجاتی۔ آٹھ جماعت پاس ساجی خود کو پڑھے لکھے اور فلاسفروں سے کسی طرح بھی کم نہ سمجھتی تھی۔

"کل جب میں نے پیاز کاٹتے ہوئے اپنی ساس کا غرور بھرا لہجہ اور اللہ سے نہ ڈرنا دیکھا تو میں نے ذرا بھی پتا نہیں لگنے دیا تھا کہ میں رو رہی ہوں۔ میرے تو دشمن روئیں، میں کیوں روؤں۔ سارے آنسو پیاز کی پرتوں تلے چھپالیے، پر دل ہے ناں شگو آپا! کڑھتا تو ہے ہی۔ اس میں شکوے شکایتوں کے بھی انبار لگے رہتے ہیں، جو اگر ہم تم نہ ہوں ناں ایک دوسرے کی سننے کے لیے تو سچی بندہ ان بوجھل سخت پہاڑوں تلے دب کر دوسری سانس نہ لے پائے۔ اب میری اولاد نہیں تو اس میں میرا کیا قصور، پورا ایک سال، اس ایک سال کی ایک ایک سانس میں نے دعائیں کی ہیں۔ پیروں فقیروں کے پیر پکڑے ہیں۔ ارشد کی مار کھائی ہے۔ جیٹھ جیٹھانی کی باتیں سنی ہیں۔"

شگو آپا نے اس کی طویل سانس جو سینے میں کہیں گم ہو چکی تھی، ایک ایسی ہی سانس انہوں نے بھی لی تھی۔ بچوں کی فیس، نمک مرچ، آٹا، دالیں کتنی مصیبتیں ان کی جان کو بھی چمٹی تھیں۔ ایک روز صبح ہی صبح جانے کیسے گھر کے کام کاج نبٹا وہ ان کی طرف چلی آئی اور پھر یہ معمول ہی بنالیا۔

ان کے پاس بہت وقت ہوا کرتا تھا جسے ایسے ہی استعمال میں لایا جاتا تھا۔

☆☆☆

"سجواری بوا! تمہارے ٹوٹکے نے تو خوب کام دکھایا۔ بھئی جیسے ہی ارشد کے لیے دودھ گرم کیا، اس میں دم کی ہوئی چھوٹی پیاز کاٹ کے ڈالی، الائچیاں بھی ڈھیر ساری ڈالیں مگر وہ بندہ پیاز کی بو بھانپ گیا اور پھر جو میرے ساتھ اس نے سلوک کیا سارے گھر نے سنا ہے۔ بوا! یہ کیسا مشورہ اٹھائے پھرتی ہو۔"

ساجی کو سجواری بوا پر بھی بہت بھروسہ تھا۔

"گائے کا دودھ، گائے بھی وہ جس نے بچھڑا دیا ہوا کسیر نسخہ ہے۔

سو روپے دے مجھے، میں ڈھونڈ ڈھانڈ لادوں تجھے۔ تو میری پوتیوں، بیٹیوں جیسی ہے، تیرے لیے اتنا بھی نہ ہو سکے گا کیا۔"

صبح صبح کا وقت تھا، دودھ والا آیا نہیں تھا۔ وہ گیٹ کے ساتھ اسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ سجواری بوا جو مشوروں کی پٹاری ساتھ ساتھ لیے گھوما کرتی تھیں۔

رات ہی اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشد کی جیب دو سو روپے نکال کر اپنے تکیے تلے چھپادیے تھے۔ اتنے سارے نوٹوں میں سے دو سو کی کیا گنتی، وہی کڑکتے دو نوٹ سجواری بوا کے کھیسے میں منتقل ہوئے اور وہ چلتی بنیں۔ پتا نہیں اس چھوٹی سی کالونی کے سرسبز سایوں کے کس کونے میں وہ گائے بندھی ہوئی ہو گی جس نے بچھڑا دیا ہے۔ جب تک ساجی کی ساس باتھ روم سے نکلیں، وہ دکھ سکھ بانٹنے کے بعد ایک نئی تجویز کے ساتھ دودھ چولہے پر رکھ چکی تھی۔ دودھ میں دودھ کم پانی زیادہ تھا مگر وہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دل کڑا کر کے پی گئی تھی۔ اس کے لیے کیا ایکسر ہے، اسے کیا معلوم مگر پینے سے تو نہ رہ جائے۔

جیٹھانی کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک پیر صاحب نے اسے ایک نیلی پڑیا بھی دی تھی کہ اگر وہ کسی طرح جیٹھانی کے بچے کو کھلا دے اور وہ مر جائے تو اس کی گود ہری ہو جائے گی مگر وہ ڈر گئی تھی اگر پولیس نے پکڑ لیا تو۔ پولیس کے ڈر اور کچھ اپنی بزدلی نے اسے یہ قدم اٹھانے سے روک دیا اور وہ راستے میں ہی پڑیا کھول کر پھینک آئی۔

ارشد کے پاؤں کے تلوے پر سرخ مارکر سے ایک لفظ لکھنا تھا مگر وہاں تو بات کرنا ہی مصیبت ہو گیا تھا۔ وہ اولاد شاید چاہتا ہی نہیں تھا صرف بات بے بات ساجی کو سناتا رہتا۔ وہ زندگی سے ہار جاتی پھر ہار نہ مانتے ہوئے دوبارہ سرپٹ دوڑنے لگتی۔

ماں باپ کا سایہ سر پر تھا نہیں۔ چچا نے جیسے تیسے کھلا پلا کر سنبھال کر سگی پھوپھی کے بیٹے سے نکاح پڑھوا دیا اور پھر بیس سال کی ساجی کے اولاد ہی نہ ہو سکی۔ فرح کے بچے بہت پیارے تھے۔ پیاری پیاری باتیں کرتے تھے۔ وہ ان کے فیڈر بنایا کرتی، کبھی کبھار چھپ کر چوم بھی لیتی۔

فرح شوہر کی لاڈلی تھی اور اس کا شوہر اس پر صرف شک کیا کرتا تھا۔ ہر شے چھان پھٹک کر اس کے ہاتھ سے لیتا۔ گھر کے کام میں وہ بہت اچھی تھی۔ جلدی کام سے فارغ ہو کر لوگوں کے دکھ سکھ بانٹنے بھی نکل جایا کرتی۔

"آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے ارشد! نہ میں بہت حسین ہوں، نہ بھرے پرے، کھاتے پیتے میکے والی ہوں اور سب سے بڑھ میری تو کوئی اولاد بھی نہ ہو سکی۔" اس کے آنسو گالوں پر بکھر چکے تھے۔

"ایسا بالکل نہیں ہے ساجو! ایسے نہ سوچا کرو۔"

محبت تو تھی۔ یہ آپ جناب والے الفاظ اسے ارشد نے ہی سکھائے تھے۔ شاید شروع شروع میں تو وہ تم ہی کہا کرتی تھی۔ اسے تم سے اپنائیت کا زیادہ اظہار محسوس ہوا کرتا تھا مگر ارشد نے بری طرح ٹوک دیا

"ایسے نہیں ایسے۔"

"میں بچی تو نہیں ہوں۔"

"تم ابھی بچی ہی ہو ساجدہ اختر! تمہارا معصوم سا ذہن ابھی ان نزاکتوں کو سمجھ نہیں پا رہا۔"

آہستہ آہستہ وہ بہت سیکھ گئی تھی۔ گھر کے کاموں سے اپنے لیے وقت چرانا، پیسے اڑن چھو کرنا اور طرح طرح کے ٹوٹکے مشورے آزمانا۔ اس کا دل ہر وقت آنسوؤں سے بھرا رہتا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ساس روایتی ساسوں سے بھی بڑھ کر تھیں۔ ہر وقت کڑی نگاہ رکھتیں۔ اسے بہت ساری ہمدردی کی ضرورت تھی جو باہر سے ہی جھوٹی سچی حاصل ہو جایا کرتی۔ فرح برتن دھونے کے بعد کچن اچھی طرح صاف کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، وہ اسے مغرور لگا کرتی تھی۔

"یہ غرور تو اس پر جچتا ہے۔ میں کیسا غرور کر سکتی ہوں بھلا۔"

"کاش میں بھی ایسا غرور کر سکوں۔"

برآمدے کے ٹھنڈے ستون سے لگی ساجی کی سیاہ آنکھوں میں انتظار بھرا رہتا تھا۔ شگو آپا کے ہاں بھی وہ کم کم جانے لگی۔ پتا نہیں ان کا میاں اس کا اتنا ایکسرے کس خوشی میں کیا کرتا تھا۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کی گدلی آنکھیں چپک سی جاتی تھیں۔ شگو آپا کی حالت بھی اس وقت عجیب ہو جاتی تھی۔

ارشد نے اسے کئی بار کہا تھا کہ وہ گھر سے کم نکلا کرے۔ لوگوں کو اپنے اس مسئلے سے آگاہ رکھنا، ہر خبر بتانا غیر ضروری ہے۔ ساس نے کتنی دفعہ ارشد کو شکایت لگائی تھی، ایک آدھ مرتبہ بند کمرے میں اسے خوب لتاڑا بھی گیا تھا مگر ساجی اپنے دل کا کیا کرتی جو نکہت خالہ، معصومہ آپا، شگو آپا اور سجواری بوا وغیرہ وغیرہ کی سنتا تھا۔

☆☆☆

"اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہو ساجدہ!"

"بس ایسے ہی۔"

فرح جو کبھی کبھار ہی اس سے بات کرتی تھی۔ پوچھ رہی تھی۔

ساس اپنے کمرے میں غروب ہو گئی تھیں۔ فرح اب کوئی چینل دیکھنے میں مصروف تھی کہ سجواری بوا چلی آئی تھیں۔ ساس صاحبہ کو ان بی جمالو قسم کی بڑھیا سے شدید چڑ تھی، ان کا تو کام ہی یہی ہے لگائی بجھائی کرنا بلکہ بجھانا تو انہوں نے کیا ہی نہیں جلانا ہی جلانا ہے۔

"اسے زیادہ لفٹ نہ کروایا کرو، ورنہ یہ بڑھیا کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہے گی۔ یہ عمر ہو گئی مگر سازشوں فیصلوں سے باز نہیں آئی یہ عورت۔"

ساس کی بات کو سخت اہمیت حاصل تھی مگر سجواری بوا اس کی مہمان تھیں تو وہی جلدی سے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

سب کا حال احوال دریافت کرتے سجواری بوا ان کے اس وقت کے اندرونی حال سے بخوبی واقف تھیں۔

"ایک پیر صاحب ہیں، تکیے والے۔ نسرین کے ہاں بیٹا ان ہی کی دعا سے ہوا ہے۔ یہ ساتھ والی کچی آبادی میں رہتی ہے۔ اتنی دکھی تھی اب اس سے زیادہ سکھی ہے۔ بس اسے آزما کر دیکھو تم۔ بس ایک چکر لگ جائے پھر دیکھنا۔ اللہ کا کرم کیسا ہو جائے گا۔"

جلدی جلدی کہہ کر وہ اٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

پیر صاحب کا آستانہ تو کافی دور تھا اور اتنی دور وہ کیسے جا سکے گی۔ ارشد سے اسے کسی قسم کی امید کوئی نہیں تھی۔ ختم قرآن کا بہانہ کام کر ہی گیا ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں واپسی ہو ہی جاتی۔ وہ اور سجواری بوا تیز تیز قدموں سے تقریباً ہانپتے ہوئے ایک گندی سی تنگ گلی سے گزر رہی تھیں۔

"دوسروں کو آسانیاں بانٹنے والے خود کس مشکل سے جیتے ہوں گے، اس کھولی میں اتنی گندگی اور بو۔"

"دنیا کب سے ترک کر رکھی ہے۔" سجواری بوا بات سنبھال کر بولی تھیں۔

پیر صاحب نے دو ہزار کی ڈیمانڈ کی تھی۔ بوا اس سے تین ہزار وصول کر کے اسے یہاں لے آئی تھیں۔ پیر صاحب کی آنکھیں فی الحال بند تھیں، جب کھلیں اور بڑی مشکل سے کھلی تھیں کیونکہ وہ آنکھیں پانی نام سے بھی ناواقف لگتی تھیں اور ان میں ویسی ہی بات تھی جیسی شگو آپا کے میاں کی آنکھوں میں معصومہ آپا کے بھولے بھائی کی نظر میں تھی۔

"مریضہ کو اندر کمرے میں چلنا پڑے گا۔ اکیلے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

میں معائنے کی ضرورت ہے اسے۔"

اولاد کے لیے وہ تو سب کچھ کرنے کو تیار تھی مگر اس طرح اکیلے میں؟ وہ کسی کی بیوی تھی، چھوٹی سی بچی نہ تھی۔

سجواری بوا ٹھوکے دے دے کر جلدی سے جانے کی کہہ رہی تھیں۔

"ایسے ہی نسرین گئی تھی۔ پیٹ پر تعویذ لکھنا تھا اس کے اور۔"

پیر صاحب اندر جا کر اس کا انتظار بھی کرنے لگے تھے۔

"چند منٹ کی تو بات ہے ساجی!" وہ برابر اسے سمجھانے، راضی کرنے میں لگی تھیں۔

"بوا اٹھو، یہاں سے۔ اگر تم نہیں اٹھ رہیں تو میں جا رہی ہوں۔"

آٹھ جماعتیں، وہ اسکول کے آٹھ سال کام آ گئے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی، سجواری بوا کی چالاکی۔ ان کا رنگ اڑ چکا تھا اور قدم انتہائی تیز ہو چکے تھے۔

☆☆☆

"جلدی جلدی کام نبٹا لو لڑکیو! چھت کی صفائی بھی کرنی ہے اور سن چھوٹی! اگر جو وہ آئے ناں سبز قدم تو کہہ دینا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ دماغ چاٹ لیا ہے منحوس نے۔ پتا نہیں اس کا شوہر اسے روکتا بھی نہیں۔ خبردار جو آج دروازہ کھولا تو۔"

"شگو آپا! میں آئی ہوں۔ بیٹھ جاؤں۔" چھوٹی اس کی نقل اتار رہی تھی۔ گیٹ کے ساتھ کھڑی وہ ساری گفتگو سن چکی تھی لوگ۔۔۔۔

اس کے آنسو اس کے گالوں پر بکھر کر اپنے تکیے پر گر رہے تھے بے مول۔

"اصل مسئلہ ہی یہی ہے ہمارا۔ مخلوق سے کہتے پھرتے ہیں، دوسروں کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں مگر اس خالق سے اپنا مسئلہ بیان نہیں کرتے۔ مخلوق سے کہنے والا ذلت پاتا ہے اور خالق سے کہنے والا عزت۔"

مولانا صاحب کی آواز اس کے کانوں میں اکثر گونجا کرتی تھی۔

"دعائیں منظور نہ ہوں پھر بھی سنبھال کر رکھ لی جاتی ہیں اور انہیں بڑے اجر کے ساتھ لوٹایا جاتا ہے۔"

اس وقت تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ مگر اب بات اچھی طرح سے دماغ میں بیٹھ چکی تھی۔

اختیار تو سارے اسی کے پاس ہیں اور پیر کامل تو صرف ایک ہی ہے تو کیوں ناں ثابت قدمی سے ان ہی کی طرف چلا جائے۔

سلیقے سے سر پر دوپٹہ اوڑھے، وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھی۔ جب ارشد نے کمرے میں قدم رکھا تھا۔

"ساجدہ! تم تو بدل گئی ہو۔"

وہ حیران ہوا۔

"جو آپ کو اچھا لگے، وہی تو کروں گی ناں!"

وہ بھی مسکرا دی۔

"وہ سجواری بوا آئی ہیں، تمہیں پتا ہے ناں امی ان سے کتنا چڑتی ہیں۔ پھر بھی باہر بٹھا آیا ہوں۔ باہر نہیں نکلتی ہو کیا۔"

"نہیں، اب چھوڑ دیا ہے۔"

"لیں بوا! آپ کی چائے۔" وہ سنجیدہ تھی۔

"سن ساجی!" وہ سرگوشی کرنے لگی تھیں۔

"دفع مار اس پیر کو۔" انہوں نے نئے جال سے پرانا شکار کرنا چاہا مگر وہ ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

"بوا! میں نے ارشد کے لیے کھانا گرم کرنا ہے۔"

وہ چاپ چاپ چلی گئی تھیں۔

شگو آپا کی چھوٹی بیٹی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ بدتمیزی کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔

"ساجدہ آنٹی! امی کہتی ہیں تھوڑی مرچیں ہوں تو دے دیں۔"

عزت وہی پاتے ہیں جو اپنے گھر میں رہیں اور سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دیں۔

ساجی اب ساجدہ ارشد بن چکی تھی۔ وہی جو اسے بہت پہلے بن جانا چاہیے تھا۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مکمل ناول

آفشین نعیم

محبت کے رنگ

"یار ہادی! وہ میں نے تجھے ایک بات بتانی ہے۔" رضا نے انہماک سے موبائل پر گیم کھیلتے ہادی کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔ ہادی ــــ قطعاً متوجہ نہیں ہوا ہنوز گیم میں مصروف رہا۔ مجبوراً رضا کو اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر ایک طرف اچھالنا پڑا۔

موبائل اچھل کر بیڈ پر گرا سو کسی بھی قسم کے نقصان سے محفوظ رہا۔

"ہاں۔" البتہ ہادی اچھل کر، تڑپ کر بل کھاتا ہوا رضا کے سینے پر سوار ہو گیا۔

"آخری راؤنڈ تھا۔ کس مشقت سے اس اسٹیج تک پہنچا تھا میں۔ ساری محنت برباد کر دی تو نے۔" وہ مکوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا۔

رضا ہاتھ پاؤں چلا کر، بچاؤ کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ غصے کے مارے، الفاظ بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ اس ساری دھینگا مشتی میں ہادی تو کلک کی ہلکی سی آواز کو نہ سن سکا، نہ محسوس کر پایا۔

مگر بھلا ہو قسمت کا جو رضا پر یاوری کرنے کو تیار بیٹھی تھی۔ سو اس نے نہ صرف وہ آواز سن لی بلکہ قدموں کی چاپ (جو کہ سرے سے ابھری ہی نہیں تھی) سے اندازہ بھی لگا لیا کہ اس بے آواز طریقے سے چھاپہ مارنے والا آخر کون ہو سکتا ہے۔

سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے طے کیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

"مجھے معاف کر دے یار......! مجھ سے غلطی ہو گئی۔" آواز میں اس قدر لجاحت اور رقت سمو لی کہ دروازے کی جھری سے جھانکتی دو آنکھیں، اگر چھلکیں نہ......تب بھی نم ضرور ہو جائیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اچھا...... 'غلطی' ہوگئی تجھ سے ہیں؟''

''دھن، دھنا، دھن......'' ہادی اس کی درگت بناتے ہوئے بولا۔

''معاف کردے یار......!'' رضا بس ہاتھ نہیں جوڑ پایا۔ پوزیشن ہی کچھ ایسی تھی۔ ''میں آئندہ بھی تجھ سے، تیری کوئی چیز نہیں مانگوں گا...یہ شادی میں بھی بغیر

تیری کوئی چیز مانگے گزار لوں گا...... مجھے معاف کردے میرے بھائی، میرے دوست...... تو، نہ دے مجھے اپنی جرسی اور جوتے، میں پرانی جیکٹ اور پھٹے ہوئے جوتوں کے ساتھ شادی میں شریک ہوجاؤں گا......" تقریباً رو دینے والی آواز میں رضا بولا۔

ہادی کی آنکھیں، آخری حد تک پھیل کر پھٹنے کے قریب ہوگئیں۔

"کیا مطلب ہے آخر اس بات کا......؟" اس کی نظروں نے سوال کیا۔

اور منہ سے جو جملہ برآمد ہوا وہ یہ تھا۔

"کون سی جرسی اور جوتے......؟"

تب ہی ٹک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہوا۔

ہادی نے گردن گھما کر دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پایا کہ یہ آواز اگر دروازہ بند ہونے کی تھی تو آخر دروازہ کھلا کس وقت تھا۔

"اب اٹھ بھی جانا... یہ ہاتھی کے جیسا وجود لے کر میرے اوپر سے کہ...... میرا دم گھٹنے تک سوار رہے گا۔"

رضا نے جلدی جلدی بول کر، اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔ اور اپنی اس کوشش میں خاصا کامیاب بھی رہا۔

ہادی ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"خبردار! جو، تو نے آئندہ میرے موبائل پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتا ہوا بولا۔

رضا بھی کہنی پر وزن ڈال کر سیدھا ہوا بیٹھا۔

ہادی نے اپنا موبائل اٹھایا...... رضا نے پیر سمیٹے...... قبل اس کے کہ ہادی دوبارہ سے موبائل میں مگن ہوتا، رضا نے جلدی جلدی بولنا شروع کیا۔

"یار...... وہ بات تو سن لے، جس کی خاطر میں نے اتنی مار کھائی ہے تیری......" رضا کے لہجے کی لجاحت سے کچھ دیر کے لیے ہی سہی ہادی کا دل پسیج گیا۔

"چل، بول...... لیکن بات لمبی نہیں ہونی چاہیے۔" ہادی ہمہ تن گوش ہوا۔

"ایک منٹ......"

"ایک منٹ......" رضا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہادی کو کچھ یاد آیا تو اس کو خاموش کروادیا۔

رضا سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگا۔

"یہ تو کن جوتوں اور کس جرسی کی بات کررہا تھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے......؟"

اچانک ہی رضا کو کھانسی کا دورہ پڑا......

"ہاں...... وہ یونہی کچھ اول فول سا بول گیا۔ مطلب ایسے ہی بے مقصد...... اچھا، تو میری بات تو سن لے......"

رضا نے اس کا مشکوک انداز یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔

"یار، کوئی لڑکی مجھے چھپ چھپ کر دیکھتی ہے۔" کچھ شرماتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

"چھپ چھپ کر دیکھتی ہے تو تجھے کیسے پتا چلا......؟" بروقت ایک انتہائی معقول سوال ہادی کے ذہن میں آیا۔

"اصل میں نا...... میں جب بھی پارک سے واک کرکے واپس آرہا ہوتا ہوں نا تو وہ جو پارک کے بالکل برابر میں پہلی کوٹھی ہے نا، اس کی پچھلی دیوار میں ایک سوراخ سے دو آنکھیں مجھے جھانکتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔"

"تو، یہ اندازہ تجھے کیسے ہوا کہ وہ آنکھیں کسی لڑکی کی ہیں......؟" ہادی کے ایک اور انتہائی معقول سوال نے رضا کا موڈ خاصا خراب کیا۔

"ظاہر ہے، لڑکی ہے تو چھپ چھپ کر دیکھتی ہے نا۔ لڑکا ہوتا تو گیٹ کھول کر باہر آکر دیکھ لیتا۔"

"لیکن ابھی تو، تو کہہ رہا تھا کہ وہ اس کوٹھی کی پچھلی دیوار ہے تو، گیٹ تو سامنے والی طرف ہوگا نا......" ہادی، غور سے رضا کے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"یار، وہ اصل میں، میں نے اس دن، اس گھر کے ٹیرس پر ایک بہت ہی حسین دوشیزہ دیکھی تھی تو میں اس کو دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔" ایک جذب کے عالم میں رضا نے بولنا شروع کیا۔ "پہلے پہل تو اس کو اندازہ نہ ہوسکا کہ کوئی اس کو تک رہا ہے۔ لیکن جونہی اندازہ ہوا۔ وہ فوراً اندر چلی گئی۔

"بس، یار تب سے اب تک میں پارک جانے کے بجائے اسی کوٹھی کے گرد چکر لگا تا رہتا ہوں کہ شاید کبھی دوبارہ اس پری چہرہ کا دیدار ہوجائے۔ اور ابھی دو دن سے...... مجھے دیوار کے پیچھے نہ صرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے بلکہ دو آنکھیں بھی خود پر مرکوز محسوس ہوتی ہیں۔" رضا خاموش ہوا۔ ہادی نے بولنا شروع کیا۔

"تیری اس چیپ سی لو اسٹوری میں خاصے جھول ہیں۔ اور وہ جو دو آنکھیں تجھے جھانکتی ہیں نا، یقیناً چوکیدار کی ہوں گی۔ جو چھپ چھپ کر تیری شناخت کر رہا ہوگا۔ اور کسی دن اچانک پکڑ کر تجھے خوب مار لگائے گا۔ لہٰذا، میری مان، اس پیلی کوٹھی کا طواف بند کردے۔ اور اگر تیری بے ہودہ بکواس مکمل ہوگئی ہو تو میں ذرا اپنے موبائل کو ٹائم دے دوں۔" ہادی نے موبائل آن کیا۔

تب ہی دروازہ دھاڑ سے کھول کر عجب خان اندر آیا۔

"تم دونوں کو بابا جان نے بلایا ہے۔" لٹھ مار انداز میں کہتا، وہ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔

"بدتمیز، جاہل انسان۔ اللہ جانے اس کو کب تمیز آئے گی۔" ہادی اس کے بغیر اجازت اندر گھس آنے پر سخت چڑتا تھا۔

"چلیں......؟" رضا نے سوالیہ نظروں سے ہادی کو دیکھا۔

ہادی سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ رضا نے بھی اس کی تقلید کی۔ دماغ میں جوتے اور جرسی گھوم رہے تھے۔

☆☆☆

"یار زارا! وہ پچھلی طرف والی جو دیوار ہے نا باغ کی۔ اس میں کونے سے ذرا سا دائیں کو کر کے ایک سوراخ ہے۔ وہیں سے دیکھا تھا میں نے اس کو۔"

ہانیہ، اپنی تازہ ترین مہم کی رپورٹ زارا کو پیش کر رہی تھی جو انتہائی انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"تو تم نے فوراً سے اندر آکر کسی بڑے کو بتانا تھا، یہ نہ ہو کسی دن کوئی بڑی واردات ہوجائے۔" زارا نے اپنی دانست میں انتہائی معقول بات کی۔

"نہیں ناں......" ہانیہ نے ناک چڑھا کر سر کو دائیں بائیں جنبش دی۔ "میں ان کو رنگے ہاتھوں پکڑوانا چاہتی ہوں۔ پہلی مرتبہ، میں نے اسے تب دیکھا۔ جب میں ٹیرس سے درختوں پر لگے پھولوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ انتہائی مشکوک انداز میں کھڑا ہمارے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔"

"اچھا پھر......" پریشانی سے سر ہلاتے زارا کے چہرے پر بڑی واضح الجھن تھی۔

"اس دن کے بعد سے وہ ہر روز ہمارے گھر کے اطراف میں چکر لگاتا ہے۔ شاید موقع کی تاک میں ہے۔ میں دو دن سے چھپ کر اس کی حرکات نوٹ کر رہی ہوں۔" ہانیہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"تو تمہارے خیال میں آخر وہ چاہتا کیا ہوگا......؟" زارا نے بالآخر الجھن کو زبان دی۔

"ظاہر ہے...... مناسب موقع دیکھ کر ہمارے باغ میں کود آئے گا اور پھل چوری کر کے لے جائے گا۔ ویسے بھی پھل، اس قدر مہنگا ہے بازار میں، خریدنے کی استطاعت تو بے چاری پبلک میں ہے نہیں۔ تو اب ایسے ہی کام چلائیں گے نا لوگ۔" ہانیہ نے بات مکمل کر کے ایک ٹھنڈی سانس بھری، گویا افسوس کا اظہار ہو۔ عوام الناس کی حالت زار پر۔

"اچھا، وہ چور دیکھنے میں کیسا ہے......؟" زارا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کو یونہی خیال آیا تو پوچھ بیٹھی۔
''دیکھنے میں......'' ہانیہ نے لمحہ بھر رک کر اس کا حلیہ یاد کرنے کی کوشش کی۔
''قد، چھ فٹ سے کچھ نکلتا ہوا ہی ہوگا، رنگ گورا، بال بھورے، آنکھوں کا رنگ میں اتنی دور سے دیکھ نہیں پائی۔ اور ......'' اس نے دماغ پر زور ڈالا...... ''نیوی بلو رنگ کا ٹریک سوٹ جس پر سرخ دھاریاں ہیں، وہ پہن کر آتا ہے۔ پاؤں میں سفید جوگرز...... اور دیکھنے میں دور سے کچھ کچھ ٹام کروز جیسا لگتا ہے۔'' زارا کا منہ، پورے کا پورا کھل گیا۔
''ہانی......'' آنکھیں سکوڑتے ہوئے اس نے اپنی کزن کم دوست کو دیکھا۔
''کیا ہوا......؟'' ہانیہ اس کے تاثرات سے کچھ سمجھ نہیں پائی۔
''یہ حلیہ تو ہرگز چوروں کے حلیے جیسا نہیں ہے۔ عام طور پر چوروں نے پھٹی ہوئی شلوار قمیص کے ساتھ رنگ اڑی کھیڑی پہنی ہوتی ہے۔ اور ایک بڑی سی بدرنگی چادر سے انہوں نے منہ بھی چھپایا ہوتا ہے۔ اور ان کا وقت بھی رات کا ہوتا ہے چوری کرنے کا۔''
زارا کی بات سن کر ہانیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آگے اسے کیا بولنا چاہیے۔
زارا نے بات جاری رکھی۔
''چور صبح سویرے، منہ اندھیرے، ٹریک سوٹ اور جاگرز میں وارداتیں نہیں کرتے۔''
''تو، وہ عام چور نہیں ہے نا......'' ہانی اپنی بات پر زور دے کر بولی۔
''ماڈرن چور ہے۔ جو ہوسکتا ہے۔ اپنا انرجی لیول، برقرار رکھنے کے لیے پھول چوری کرنا چاہتا ہوں۔''
''کہیں معاملہ کچھ اور تو نہیں ہے......؟'' زارا اپنی مکھن ملائی کی سی دودھیا رنگت والی انتہائی حسین اور خوب صورت کزن کو دیکھتے ہوئے کچھ راز داری سے بولی۔
''اور......'' اور کیا معاملہ ہوسکتا ہے بھلا......؟''
ہانیہ نے سوالیہ نظریں زارا کے چہرے پر گاڑ دیں۔

☆☆☆

وہ، دونوں سلام کر کے باادب، باملاحظہ، ہوشیار والے انداز میں ایزد کاسی کے سامنے بیٹھے تھے۔
ان کا ہونہار، شاگرد عجب خان جو شاگرد کم اور جاسوس زیادہ تھا، کمرے کے کونے پر رکھے استری اسٹینڈ پر ان کے کپڑے استری کر رہا تھا۔
''بھئی عجب ......!'' انہوں نے اپنی بارعب آواز میں اسے مخاطب کیا۔
''جی بابا جان......!'' وہ مستعدی سے پلٹا۔
(منحوس نہیں کا...... رضا نے ایک کٹیلی سی نظر اس پر ڈالی، جو مخبری کے فرائض انتہائی فرض شناسی سے انجام دیا کرتا تھا)
''کرامت سے کہو۔ تین پیالی دودھ پتی بھجوا دے۔''
(دوسرے لفظوں میں انہوں نے عجب کو منظر نامے سے غائب ہونے کا کہا)
عجب، خوش دلی سے مسکراتا، بمشکل اپنی ناگواری چھپاتا، وہاں سے ہٹا...... گو کہ دل بڑا بھاری ہو رہا تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو ان دونوں کی درگت اس کے سامنے ہی بن جاتی۔
رضا اور ہادی دونوں ہی نے اس کے چلے جانے پر سکون کا سانس لیا۔ ورنہ اس عدالتی کارروائی کے بعد کسی وقوعے سے پہلے تک اس نے چٹخارے لے کر ان کے سامنے یہ قصہ دہراتے رہنا تھا۔
''کرامت چاچا، بابا جان نے چار دودھ پتی بنانے کا کہا ہے۔ عجب نے پوری ایمان داری سے ایک پیالی کے اضافے کے ساتھ پیغام پہنچایا۔
''اچھا بیٹا......!''
کرامت چاچا نے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر فٹا فٹ پانچ دودھ پتی چولہے پر چڑھائی۔ اپنا حصہ وہ بغیر کہے خود ہی شامل کر لیا کرتے تھے۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

عجب گل دل گرفتہ اور ملول سا وہیں پر بیٹھ گیا۔
کیسے نمک مرچ لگا کر اس نے بابا جان کو بتایا تھا کہ رضا فقیروں کی طرح ہادی سے جوتے کپڑوں کی بھیک مانگ رہا تھا اور ہادی جواب میں اس کو کس بری طرح پیٹ رہا تھا۔

سخت ناپسند تھے۔ بابا جان کو آپس کے لڑائی جھگڑے اور اب یقیناً، بابا جان بری طرح دونوں کو لتاڑ رہے ہوں گے۔ عجب کو سوچ کر ہی مزہ آ گیا۔
رضا کو اس لیے ڈانٹ پڑ رہی ہوگی کہ اسے اپنی عزت نفس کا ذرا سا بھی پاس نہیں، یوں بھیک منگوں کی طرح چیزیں مانگ رہا تھا اور ہادی کو مطلوبہ اشیاء فراہم نہ کرنے پر۔

عجب خان، ایز دکاسی کے دور کے ایک جاننے والوں کا بیٹا جس کو باپ کے مرنے اور ماں کی دوسری شادی کے بعد انہوں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔

وہ، ان کا ہونہار شاگرد تھا۔ جو ہمیشہ اچھے نتائج سے ان کا دل خوش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک بااعتماد مخبر تھا۔ جو ان کے پوتے ہادی اور نواسے رضا کی پل پل کی خبریں ان تک پہنچایا کرتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر وہ ان کا رائٹ ہینڈ تھا جو کپڑے، جوتے سے لے کر دوائی تک کے ان کے سارے کام بخوبی انجام دیا کرتا تھا۔

"لو بیٹا! دودھ پتی تیار ہے۔" کرامت چاچا نے چار پیالیاں ٹرے میں سجا کر ٹرے اس کے سامنے کی۔

ٹرے ہاتھ میں تھام کر اس نے ایک پیالی اٹھا کر سلیپ پر رکھی۔

"میں آپ کے ساتھ پیوں گا۔ ابھی واپس آتا ہوں۔" اور کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆

"ارے بھیا!" ان اولاد والوں سے تو ہم بے اولاد ہی اچھے رہے۔ رفعت منہاج، چادر اتار کر ایک طرف رکھتی، دونوں پاؤں سمیٹ کر صوفے کے اوپر

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل
300

چلمن

نادرہ خاتون
قیمت -/300 روپے

بڑا دی

نسیم سحر قریشی
قیمت -/400 روپے

دست کوزہ گر

فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WAQAR AZEEM www.paksitanipoint.com

رکھ کر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔
منہاج الطاف نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر عینک کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی آنکھوں سے بیگم کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ فوری طور پر کچھ نہیں بولے۔
"توبہ ہے توبہ......! اللہ معاف کرے۔ کیسے کیسے شرمندہ کرواتی ہے یہ اولاد دنیا والوں کے سامنے۔"
رفعت تپائی پر رکھی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولیں۔
وہ، ابھی ابھی ایک قرآن خوانی کی محفل سے واپس آئی تھیں اور کچھ نہ کچھ ایسا ضرور سن کر آئی تھیں جس کو میاں کے گوش گزار کیے بغیر ان کو چین نہیں آنا تھا۔
منہاج الطاف نے اخبار تہ کر کے سائیڈ پر رکھا، عینک اتار کر ہاتھ میں لی اور پوری طرح سے بیگم کی جانب متوجہ ہوئے۔ "جی، فرمائیے؟"
"ہوں...... کیا......؟" کچھ انجان سا بن کر انہوں نے سوالیہ نظریں میاں کے چہرے پر گاڑ دیں۔
"وہ بات، بتا دیجیے۔ جس نے آپ کے اندر اتھل پتھل مچائی ہوئی ہے۔ اور جس کو سنائے بنا نہ آپ خود سکون کا سانس لے پائیں گی نہ ہی مجھ غریب ناچیز کو لینے دیں گی۔"
منہاج صاحب نے بغیر لگی لپٹی رکھے صاف صاف بات کی۔
"نہیں...... بات تو کچھ ایسی خاص نہیں ہے۔"
رفعت مزید بے نیازی برتتیں تو منہاج صاحب فوراً ہی عینک آنکھوں پر لگا کر دوبارہ اخبار نہ کھول لیتے۔
"اچھا، اچھا بتا رہی ہوں......" وہ فوراً ہی لائن پر آئیں۔
"حاجی صاحب کی بیگم بتا رہی تھیں......"
رفعت نے محلے کی ایک خاتون کا نام لیتے ہوئے کہا کہ ان کے دیور کا بیٹا لڑکی بھگا کر لے آیا ہے۔ توبہ میرے اللہ توبہ......" انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا اماں باپ کو۔" بے چاری ماں منہ چھپاتی پھر رہی ہے خاندان والوں سے آخر میں افسوس کا اظہار کرنے کے لیے چہ چہ کی آواز بھی نکالی۔
"ویسے، آپ قرآن خوانی کی ہی محفل میں گئی تھیں نا......؟" انہوں نے آنکھیں سکوڑتے، بیگم سے تصدیق چاہی۔
"جی...... !" رفعت نے زور وشور سے سر ہلاتے تصدیق کی۔
"تو یہ ساری معلومات، کلام پاک پڑھنے کے دوران ہی انہوں نے آپ سے شیئر کر لی۔" انتہائی اچھنبے سے منہاج نے دریافت کیا۔
"ارے، نہیں......" وہ کچھ گڑبڑاتے ہوئے بولیں۔ "محفل کے دوران تو یونہی سرسری سا ہی ذکر کیا تھا۔ تفصیل تو کھانے کے وقت بتائی۔ ارے ہاں...... کھانے سے یاد آیا۔ بہت ہی بہترین کھانا دیا ہماری میزبان نے۔ تین چار تو صرف میٹھے کے ہی آئٹمز تھے۔ اس کے علاوہ......"
رفعت بولے گئیں، بولتی گئیں...... یہاں تک کہ منہاج صاحب کی ہمت جواب دے گئی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد مجبوراً ان کو بولنا پڑا۔
"اگر آپ کی طبیعت پر گراں نہ گزرے تو ایک پیالی چائے بنا دیجیے۔" اس کے علاوہ کوئی طریقہ سوجھا نہیں تھا ان کو خاموش کروانے کا۔
"جی...... ابھی بناتی ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئیں۔
"ایک بات تو رہ ہی گئی......" سر پر ہاتھ مارا گویا اپنی عقل پر ماتم کر رہی ہوں۔
"کہیے......؟" وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔
"کچھ رقم چاہیے ہوگی مجھے، جہاں زیب کی شادی کی شاپنگ کے لیے۔"
"سارا خرچ تو میں آپ کے ہاتھ میں دے دیتا ہوں۔ اب اضافی رقم کہاں سے لاؤں......؟"
"بھئی، وہ جو آپ کی بیسی نکل رہی ہے نا اس ماہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

،فرزانہ بھابھی کے ہاں، وہ مجھے دے دیجیے گا۔ میں گزارہ کرلوں گی۔" سکون سے بات مکمل کر کے وہ وہاں سے جاچکی تھیں۔

یہ اور بات، جاتے جاتے میاں کو بے سکون کر گئی تھیں۔

☆☆☆

صرف آدھا گھنٹا، انتظار کرنا پڑا تھا اس کو۔ جونہی دادی کے خراٹے فضا میں گونجنا شروع ہوئے۔ وہ دبے پاؤں بستر سے باہر نکل آئی۔

خاموشی سے الماری کا دروازہ کھولا۔ آہستہ آہستہ کپڑے کے نیچے ہاتھ مار کر ٹٹولنا شروع کیا۔

جیسے ہی مطلوبہ چیز ہاتھ میں آئی۔ پلٹ کر دادی کو دیکھا، کہیں آنکھ ہی نہ کھل گئی ہو۔

دیکھ کر تسلی ہوگئی، دادی کے سناٹے کو چیرتے پھاڑتے ہوئے خراٹے ہنوز ماحول کو گرمائے ہوئے تھے۔

اچھے، طریقے سے چادر کی بکل مارتے ہوئے وہ اپنی مطلوبہ چیز کو بغل میں دبائے۔ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی انتہائی خاموشی سے کمرہ کراس کر گئی۔

دادی نے سونے میں اس قدر ٹائم لگا دیا تھا کہ اس کو لگ رہا تھا پانچ منٹ مزید دادی نہ سوتیں تو وہ "شجر ممنوعہ" (اس وقت یہی مناسب ترین لفظ لگ رہا تھا) یقیناً دادی کے سامنے ہی نکال بیٹھے گی۔ پھر جو ہوتا، سو دیکھا جاتا۔ صد شکر، کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے سے پہلے ہی دادی کو نیند آ گئی۔

اپنے اور دادی کے مشترکہ کمرے سے نکل کر اس نے اچھی طرح سے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ پورا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔

دبے قدموں چلتی وہ ٹی وی لاؤنج کراس کر کے کچن میں داخل ہوئی۔ لائٹ آن کر کے آہستگی سے چیئر پیچھے کو کر کے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر انتظار کیا تا کہ اگر کوئی جاگ رہا ہے اور اس کی کچن میں موجودگی کو محسوس کرلیا گیا ہے تو جلدی سے پانی پینے کا ناٹک شروع کردے۔ دو منٹ یونہی گزر گئے۔

کچھ بھی نہ ہوا۔

آخر کار، اس نے اپنی مطلوبہ چیز نکال کر سامنے رکھی۔ اور ٹھیک دس منٹ بعد جبکہ وہ انتہائی انہماک سے اپنے شغل میں مصروف تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" کی آواز پہ کرنٹ کھا کر اچھلی۔ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ اس کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔

☆☆☆

بیل، وقفے وقفے سے مسلسل بجائی جا رہی تھی۔

ڈھٹائی میں دونوں فریق ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔

جتنا ڈھیٹ انسان بیل بجانے والا تھا۔ کم وبیش اتنا ہی ڈھیٹ ان سنی کرنے والا بھی تھا۔

نمکو کھاتے، پیپسی پیتے، نمر، موبائل پر نظریں جمائے اس تابڑ توڑ بجتی بیل کو بیک گراؤنڈ میوزک سے زیادہ اہمیت نہیں دے پا رہا تھا۔

چونکہ بیل بجانے والا، بیل بجانے کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ ضرور رکھتا تھا سو نمر کی طبیعت پر یہ آواز کچھ ایسی گراں نہ گزر رہی تھی۔ ورنہ مسلسل بجتی بیل، جس میں بیل بجانے والا گھنٹی سے ہاتھ ہٹانا ہی بھول جائے۔ وہ اس کو اچھی خاصی کوفت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

کوفت وہ برداشت کرلیا کرتا، گو مشکل ہی سہی مگر اٹھ کر گیٹ کھولنے کی زحمت پھر بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ "ایمان سے، اس قدر خوب صورت بال، نمر بھائی کیا بتاؤں۔"

اتنے ریشمی بال تو کسی "لڑکی" کے نہیں دیکھے میں نے آج تک بلو بولتا بولتا نیچے آیا۔ نمر کو دیکھ کر تبصرہ کیا اور قدم باہر کی طرف بڑھائے۔

"لڑکی......! ریشمی بال ......نمر کے کان کھڑے ہوئے۔"

"کون سی لڑکی......؟" کیسے بال......؟ کہاں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دیکھ لیے تم نے ......؟ نمر نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

مجبوراً بلو کو رکنا پڑا۔

"میں کہہ رہا تھا......نہیں دیکھے آج تک"

اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ اور دوبارہ سے چل پڑا۔

"تو آج کہاں دیکھ لیے۔"

"ابھی دیکھے ہیں۔ بیل کی آواز پر ٹیرس سے نیچے دیکھا تو......" اس کی بات مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ نمر تیر کی سی تیزی سے اٹھ کر دروازہ تک پہنچا۔

"میں کھولتا ہوں گیٹ......"

بلو کو سائیڈ پر کر کے وہ خود باہر بھاگا گویا ٹرین چھوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

"اتنی دیر سے بیل بج رہی تھی تو کانوں میں انگلیاں دیے بیٹھے تھے۔ اب اچانک سے کیا ہوا۔"

بلو، بے چارہ حیران، پریشان کھڑا سوچتا رہ گیا۔

ریشمی، بالوں والی حسینہ تصور میں بجائے خوش ہی نمر نے گیٹ کھولا۔ سامنے اپنی ہی عمر کے ایک خوش شکل نوجوان کو کھڑے پایا۔

بے اختیار ہی اس کے دائیں، بائیں دیکھا۔

پھر اس نے دائیں طرف ذرا سا آگے کو کھسک کر اس کے پیچھے کسی ریشمی بالوں والی حسینہ کو کھوجنے کی کوشش کی۔

پر، سڑک دور تک سنسان ویران پڑی تھی۔ نووارد کے علاوہ کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔

آنے والا، حیرت سے اس کی عجیب و غریب حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا جو گیٹ کھولنے کے بعد بجائے اس سے تعارف حاصل کرنے کے اللہ جانے خالی سڑک پر کیا کھوج رہا تھا۔ اچھی طرح مایوس ہونے کے بعد آخر کار نمر کو مجبوراً نووارد کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

چہرے پر انتہائی بے زار کن مایوسی سجائے اب وہ اجنبی سے مخاطب تھا۔

"جی فرمایے! کس سے ملنا ہے آپ کو......؟"

"آپ ہی سے ملنا تھا۔" سر سے پاؤں تک نمر کا تفصیلی لینے کے بعد وہ اطمینان سے بولا۔

"کیا ہم اس سے پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں......؟" نمر نے آنکھیں سکوڑ کر مزید دھیان سے اس کے نقوش کا جائزہ لیا کہ شاید پہلے کبھی شناسائی رہ چکی ہو۔

"جی نہیں......ہم اس سے پہلے کبھی نہیں ملے، اس کے باوجود میں بتا سکتا ہوں کہ آپ نمبر ون ہیں اور اس وقت گھر میں آپ کے اور بلو کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ آپ یقیناً موبائل میں مصروف تھے اور گیٹ کھولنے کے موڈ میں بھی نہیں تھے۔ اب یہ تو آپ ہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ آخر کس چیز نے آپ کو گیٹ تک آنے پر مجبور کیا۔"

اجنبی سکون سے بات مکمل کر کے اب نمر کے حیرت سے کھلے ہوئے منہ کے بند ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ نجومی ہیں......؟" حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے نکل کر سنبھلتے ہوئے بولا۔

"جی نہیں، میں بابر ہوں آپ کا نیا پڑوسی، پچھلے ہفتے ہی ہم لوگ ادھر شفٹ ہوئے ہیں۔" اس نے ہاتھ سے برابر والے سفید اور گلابی امتزاج کے بڑے سے بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

غیر ارادی طور پر نمر کی نگاہ اس عالی شان بنگلے کی طرف اٹھی جو ایک سال کی مدت میں ان کے دیکھتے ہی دیکھتے تعمیر ہوا تھا۔ ابھی کوئی ہفتہ بھر پہلے کی بات تھی کہ مکین آ کر اس میں آباد بھی ہو گئے تھے۔

"تو، آپ کو اس قدر اندر تک کی خبریں کس نے بہم پہنچائیں؟" نمر سر کھجاتا ہوا بولا۔

"آپ کی امی نے......" اس نے کچھ توقف کیا پھر بولا۔

"گاجر کا حلوہ لے کر ہمارے ہاں آئی تھیں اسی دن میں دراز کا نٹ ٹائٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کو یاد آیا کہ ان کے کمرے کی دراز کے اسکریو بھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں۔ جتنی دیر انہوں نے میری امی سے سلام دعا، بات چیت کی، اتنی دیر میں، میں فارغ ہوگیا میں نے ان کے کمرے کی دراز سیٹ کرنے کی پیشکش کردی۔

بس، اسی سلسلے میں وہ اور میں آگے پیچھے باہر آئے ہی تھے کہ میری نانی حضور کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر آگئیں۔ ان دونوں خواتین کو باتیں کرتا چھوڑ کر میں باہر نکل رہا تھا کہ آپ کی والدہ نے کہا۔

''ارے بیٹا، بیل بجا تو دو جا کر لیکن ذہن نشین کرلو کہ گھر میں نمر اور بلو کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ بلو تو نہانے گیا ہوا ہے اور نمر چپکا ہوا ہوگا موئے موبائل کے ساتھ، بیل سنتا رہے گا۔ سر دھنتا رہے گا لیکن گیٹ تک آنے کی زحمت نہیں کرے گا۔ چاہے زلزلہ آئے۔ چاہے طوفان یا کوئی دھماکہ ہی کردو، وہ نہیں ہلنے کا۔''

''بس، اس قدر اشتیاق سا جاگا، آپ سے ملنے کا کہ رہا نہیں گیا۔ فوراً ہی بھاگا آیا۔''

بابر نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کی غلط فہمی دور کردوں۔'' نمر نے ایک بے ہودی سی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''وہ میری امی نہیں دادی ہیں۔''

بابر کے چہرے پر چھائے ناگواری کے تاثرات (جو کہ نمر کی جمائی کا شاخسانہ تھے) حیرت کے تاثرات میں بدل گئے۔

''رئیلی......!'' اس نے حیرت چھپانے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ ''لگتا نہیں ہے۔''

''جی......!'' نمر نے سر ہلایا۔ ''اور اس نے نہ لگنے کے پیچھے ان کی کس قدر جہد مسلسل ہے۔ یہ آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔''

وہ مزید بھی گل افشانیاں کرتا، اس اجنبی کے سامنے دادی کے بارے میں جو دادی کو بابر کے عقب سے نمودار ہوتے نہ دیکھ لیتا۔ بس، دادی کو دیکھنے کی دیر تھی وہ منظر سے یوں غائب ہوا گویا گدھے کے سر سے سینگ۔

یوں بھی ابھی تو اسے جا کر ''بلو'' کی بھی خوب خبر لینی تھی۔ کار پورچ عبور کر کے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہو کر اس نے دھر ادھر دیکھا۔ بلو کے آثار نہ پا کر، فوراً ہی اوپر کو دوڑ لگائی۔

''اوپر کچن سے کچھ کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ دوڑتا ہوا کچن کی سمت گیا۔

''کیا کر رہا ہے میرا لعل......؟'' غصہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے نمر نے پوچھا۔

بلو نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر دوبارہ سے کیبنٹس اور شیلف کھنگالنے میں مصروف ہوگیا۔

''بھوک لگ رہی ہے نمر بھائی کھانے کو کچھ ڈھونڈ رہا ہوں۔'' ایک کے بعد ایک شیلف اور دراز میں ہاتھ ڈالتے، نکالتے، کچھ مایوسی سے اس نے سر جھٹکا۔

''کچھ بھی نہیں مل رہا۔'' شکل پر بارہ بج رہے تھے۔

''میرا بچہ، میرا شہزادہ...... مجھے بتائے گا کہ تو نے ریشمی بالوں والی حسینہ کہاں دیکھی تھی؟'' نمر نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

''ریشمی بالوں والی حسینہ......؟''

بلو نے حیرت سے نمر کو دیکھتے ہوئے اس کے الفاظ دہرائے۔

''کس حسینہ کی بات کر رہے ہیں؟ میں نے کہاں دیکھنی تھی؟''

اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت بھری حیرت نے نمر کو بھی سوچ ڈال دیا۔

(کہیں، یہ گیٹ کھلوانے کے لیے مجھے فول تو نہیں بنا رہا تھا، اونہہ نہیں خود ہی اس خیال کو مسترد کردیا، گیٹ کھولنے کے لیے تو وہ خود سیڑھیاں اتر کر آیا تھا اور میں تو خود ہی گیا تھا......)

بلو کی آواز اس کو واپس حال میں لے کر آئی۔

''بتائیں نا، نمر بھائی...... کیا کہہ رہے تھے ابھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آپ......؟''

پندرہ سالہ بلو اور چوبیس سالہ نمر، ایک دوسرے کے مقابل کھڑے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''یار، جب تم گھنٹی کی آواز سن کر نیچے آئے تھے تو تم کہہ نہیں رہے تھے کہ تم نے ٹیرس سے جھانک کر دیکھا۔ کوئی ریشمی بالوں والی حسینہ نیچے کھڑی تھی۔'' نمر نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''اللہ کو مانیں نمبر بھائی......!بلو ایک دم بدکا۔

''کیسی واہیات بات مجھ سے منسوب کررہے ہیں آپ۔ وہ تو میں نہارہا تھا تو بیل کی مسلسل آواز پر مجھے علم ہوگیا کہ نیچے آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے ورنہ گیٹ اب تک کھولا جاچکا ہوتا۔ سو میں جلدی جلدی کپڑے پہن کر باہر آیا۔ یونہی غیر ارادی پر ٹیرس سے نیچے جھانکا تو سامنے پارک میں کوئی صاحب اپنا کتا ٹہلا رہے تھے۔ رشین ڈاگ تھا غالباً اتنے خوب صورت اور ریشمی بال تھے اس کے۔ میں آپ کو اس کی بابت بتارہا تھا۔ آپ جانے کیا سمجھے......؟'' بلو نے تفصیل سے سارا واقعہ سنایا۔

''تو، تم کتے کے ریشمی بالوں کی بات کررہے تھے......؟'' نمر نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔

''جی......'' بلو نے زور شور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی ساتھ دانت بھی نکالے۔''اچھا تو آپ لڑکی سمجھے تھے۔ تب ہی اتنی تیزی سے اٹھ کر بھاگے تھے......جیسے......''

ایک دم ہی اس کی ہنسی اور جملے دونوں کو بریک لگا......اپنے جبڑے کی طرف بڑھتے نمر کے مکے نے بلو کو جھکائی دے کر بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔

☆☆☆

بہت ٹھنڈے اور میٹھے لہجے میں بابا جان ان دونوں کو بے عزت کررہے تھے۔ آدھی باتیں ہادی کی سمجھ میں آرہی تھیں اور آدھی سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

اس کے برعکس رضا کو ہر بات بخوبی سمجھ میں آرہی تھی۔ یہ اور بات کہ دونوں میں سے کوئی بھی اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

''یتیم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی خودداری، انا اور عزت نفس کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا شروع کردے۔''

''اتنی مشکل اردو...... اللہ اللہ!'' ہادی نے جھرجھری لی۔

''اور اگر اللہ کسی کو دینے کے قابل بناتا ہے۔ تو اس انسان کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ نہ کہ فخر و غرور میں گردن اکڑا اکڑا کر خود کو شیاطین کے گروہ میں شامل کرلے۔

انسانوں کو دنیا میں ایک دوسرے کا خیال کرنا چاہیے نہ کہ خود مالک سمجھنا شروع کردے۔ اللہ تعالیٰ کبھی دے کر آزماتا ہے کبھی لے کر آزماتا ہے۔''

دروازے پر دستک کی آواز نے تینوں نفوس کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

باباجان نے عین لیکچر کے دوران تقریر کا اختتام کیا۔

''آجاؤ......!'' بارعب آواز میں انہوں نے حکم صادر کیا۔

عجب خان چائے کی تین پیالیاں ٹرے میں سجائے۔ کمرے میں داخل ہوا۔

''ٹھیک ہے۔ اب تم دونوں جاؤ......'' عجب کو ٹرے تپائی پر رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوئے۔

حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی ورنہ ہادی اتنا ضرور پوچھتا۔''بابا جان...... چائے......؟''

''وہ جانے کو پلٹے۔''

''اور ہاں......

بابا جان کی آواز پر وہ جہاں تھے۔ وہیں ساکت ہوئے۔

''آئندہ مجھے تم لوگوں کی شکایت نہ ملے۔''

(اس کے لیے تو اس منحوس کا مرنا ضروری ہے۔
رضا نے ایک کٹیلی سی نظر عجب پر ڈالی جو کن اکھیوں سے ان ہی دونوں کو دیکھ رہا تھا)

رضا اور عجب کی نظر ملی پل بھر کو عجب کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک لہرائی۔ جیسے کچھ فتح کرلیا ہو۔

"گھٹیا آدمی......!" بے آواز رضا کے منہ سے نکلا۔

"اب جاؤ تم لوگ اور ذرا کرامت کو بھیجنا ادھر۔" بات ختم کرکے وہ عجب کی جانب متوجہ ہوئے۔

باہر آکر ہادی نے گہرے گہرے سانس لیے۔

"اف، شکر ہے۔ عجب آگیا۔ ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا دو منٹ مزید اگر میں اتنی گاڑھی اردو میں بے عزتی برداشت کرتا رہا تو مجھے الٹی، موشن شروع ہوجائیں گے۔"

"اور مجھے لگ رہا تھا کہ بابا جان نے چائے ہمارے لیے منگوائی ہے۔"

رضا، بے بسی بھرے لہجے میں بس اتنا ہی بول سکا۔

"چل یار...... کرامت چاچا کو بلائیں۔" ہادی نے رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

کمروں کی قطار کے سامنے بنی طویل راہ داری عبور کرکے وہ انیکسی کے بالکل شروع میں واقع کچن میں داخل ہوئے۔

"کرامت چاچا، چائے کی دو پیالیاں ٹرے میں سجائے منتظر سے بیٹھے دکھائی دیے۔"

"کس کا انتظار کررہے ہیں چاچا......؟"

رضا ڈائننگ چیئر ٹیبل کے اندر سے نکالتا ہوا بولا۔

"عجب کا۔"

کہہ رہا تھا چائے آپ کے ساتھ ہی پیوں گا۔"

کرامت چاچا خوش گوار لہجے میں بولے۔

"چائے تو آپ بابا جان کے ساتھ پئیں گے۔ جائیے بلارہے ہیں آپ کو۔" ہادی نے رضا کی تقلید میں چیئر نکالی اور اس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا، اچھا......" وہ کہتے ہوئے فوراً ہی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور چل دیے۔

رضا نے چائے کی ایک پیالی اٹھا کر اپنے سامنے رکھی اور دوسری ہادی کی جانب کھسکائی۔

"یار رضا! بابا جان کی آج کی تقریر تو میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بابا جان کس بات پر اتنا غصہ کررہے تھے۔" ہادی نے چائے کی پیالی اٹھا کر منہ سے لگائی۔

"اور یہ کون عزت نفس داؤ پر لگا بیٹھا......اور ہادی نے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی۔" یہ شیاطین کے گروہ، اکڑ، غرور...... کچھ سمجھ میں آیا تیرے؟" ہادی نے کچھ الجھن آمیز انداز میں استفسار کیا۔

"ہاں۔" رضا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"سب سمجھ آیا مجھے۔"

"تو، مجھے بھی سمجھانا......" ہادی، اس کی عقل و دانش پر رشک کرتا ہوا بولا۔

"بات کچھ یوں ہے...... کہ جب ہم دونوں کمرے میں لڑ رہے تھے تو عجب آیا تھا۔ تو نے شاید دھیان نہیں دیا۔ پر مجھے پتا چل گیا...... تو بجائے اس کے...... کہ وہ بابا جان کو بڑھا چڑھا کر کوئی فرضی داستان سنا کر ہمیں ذلیل کرواتا۔ میں نے فوراً سے ایک آئیڈیا ترتیب دیا ذہن میں اور تجھ سے سویٹر اور جوتے مانگنے کا ناٹک کیا۔ اور یوں ظاہر کیا جیسے تو مجھے، یہ چیزیں دینے سے انکاری ہے۔ بس اس کے فوراً بعد بابا جان کا بلاوا آگیا۔"

رضا خاموش ہوا تو ہادی نے ہونٹ سکیڑے۔

"اچھا، تو یہ بات تھی۔" اچھا پر زور دیتے ہادی بولا۔

"ہاں......" رضا دونوں ہاتھوں سے ٹیبل بجاتے ہوئے بولا۔ "ہادی یار......!" پھر رضا نے میوزک روک کر کچھ سرگوشیانہ سا انداز اختیار کیا۔

"ہادی متوجہ ہوا...... ہوں!"

"اس عجب کو سبق سکھانا پڑے گا۔" آواز مزید

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

نیچی ہوئی۔

''کیسے......؟'' ہادی نے رضا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آئیڈیا ہے میرے پاس۔'' رضا کی آنکھیں چمکیں۔

☆☆☆

چپس کا جمبو سائز پیکٹ موٹل کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

راحت بیگم، عین، اس کے سر پر کھڑی اس کو گھور رہی تھیں۔

دادی کو دیکھ کر جہاں اس کا خون خشک ہوا تھا، وہیں زبان بھی الفاظ کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو گئی تھی۔

خوں خوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ لحمہ بہ لحمہ قریب ہوئیں اور پیکٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''منع کیا تھا نا میں نے کہ جنک فوڈ کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی تم۔''

پیکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خفگی بھری نظر انہوں نے موٹل پر ڈالی۔ موٹل، چور سی بنی، سزا کی منتظر کھڑی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہا تھا بلو؟ دادی! ایک مرتبہ سونے کی ایکٹنگ کریں پھر دیکھیے گا۔ کیا کیا کچھ آپ کی پوتی چھپ چھپ کر کھاتی ہے۔ غضب خدا کا...... میں اس کا وزن کم کروانے کے لیے ہلکان ہوئی جا رہی ہوں اور یہ چھپ چھپ کر یہ کرتی پھر رہی ہے۔''

یہ، پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کچا چبا جانے والے انداز میں پہلے چپس کے پیکٹ اور پھر موٹل کو گھورا۔

اور موٹل...... اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ بلو کہیں سے اس کے سامنے آ جائے تو اس کی گردن مروڑ دے۔

(کم بخت کہیں کا) ایک سوٹ استری نہ کر کے دینے کا بدلہ ایسے لیا تھا اس نے۔

''اب کل سے روز صبح تم ایک گھنٹہ ''مارک روف'' میں جا کر واک کرو گی۔ ان کا یہ حکم ''تو مرے پر سو درے'' کے مصداق اس پر فٹ آتا تھا۔

اس کے لیے تو صبح بستر سے نکلنا ہی ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا تھا کجا کہ جا کر واک کرنا۔

''دادی......!'' وہ ہلکا سا منمنائی۔ ''کوئی اور سزا دے دیں۔''

''یہ، سب سے آسان سزا دے رہی ہوں میں۔ اگر اس پر عمل درآمد نہ ہوا تو ٹھیک ایک ہفتے بعد جم جوائن کروا دوں گی۔''

دادی کے اگلے حکم نامے پر اس کی فنا ہوئی روح مزید فنا ہوئی۔

''مگر میں اکیلی کیسے جاؤں گی اتنی صبح واک کرنے۔'' آخر کار وہ ایک معقول جواز ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

''ہوں......!'' راحت بیگم سوچ میں پڑیں۔

''بلو کے ساتھ چلی جایا کروں گی۔'' بر وقت اسے بلو سے بدلہ لینا یاد آیا۔

''اونہوں......!'' انہوں نے برا سا منہ بنایا۔ ''اس کو اٹھائے گا کون......؟ پورا محلہ جاگ جائے گا مگر بلو کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی۔''

''پھر......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دادی کو دیکھا۔ (امید سے بندھی تھی کہ شاید جان بخشی ہو جائے۔)

''پھر یہ کہ...... ہانیہ جائے گی تمہارے ساتھ واک کرنے۔''

اور ہانیہ کے نام کے ساتھ ہی موٹل کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ کیوں کہ ایک تو وہ نماز کی بہت پابند تھی۔ فجر کے وقت بغیر کسی الارم کے خود ہی جاگ جاتی تھی۔

دوسرے دادی کی طرح اس کو بھی فٹ رہنے کا بہت شوق تھا۔ لہذا اس نے تو بخوشی مان جانا تھا۔

دادی حکم صادر کر کے جا چکی تھیں۔ اور ان کی حکم عدولی کا مطلب تھا کہ اس کو جم جوائن کرنے کے لیے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تیار ہو جانا چاہیے۔

''نہ بابا نہ......''اس نے جھرجھری لی۔''واک ہی ٹھیک ہے۔''

☆☆☆

لسٹ، کرامت چاچا نے بنا کر دی۔

سودا سلف رضا اور ہادی کو لانا تھا۔ ڈرائیونگ کا فرض عجب کو انجام دینا تھا۔ یوں ہمیشہ کی طرح پورے ماہ کا راشن بغیر کسی ناخوشگوار واقعہ کے گھر آ جاتا۔ اور تمام افراد خانہ سکون کی بنسی بجاتے۔

مگر برا ہو، عجب کی چغلی کھانے کی عادت کا۔ جو رضا اور ہادی کی ہر بتانے، نہ بتانے والی بات کچھ نہ کچھ مسالا لگا کر بابا جان کے کان میں پھونک آتا اور برا ہو بابا جان کے کانوں کا...... جو وقت پر نہ پکنے کے باعث ازحد کچے رہ گئے۔

سو یہ کچے کان عجب کی بتائی ہوئی ہر بات پر فوراً اعتبار کر لیا کرتے۔ جس کا نتیجہ رضا اور ہادی کے لیے ازحد تکلیف کا باعث ہوا کرتا۔

چونکہ وقت کے ساتھ ساتھ پانی سر سے اونچا ہوتا چلا جا رہا تھا تو عجب کو سبق سکھانا نہایت ضروری تھا اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

ہادی نے لسٹ ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور چیزیں بولتا جا رہا تھا۔ رضا انتہائی مستعدی سے سارا سامان ٹرالی میں شفٹ کر رہا تھا۔ مطلوبہ اشیاء ٹرالی میں بھر لینے کے بعد وہ دونوں بل کاؤنٹر تک آئے۔

منصوبے کے عین مطابق، رضا نے عجب کو کال ملائی۔ جو گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا آتے جاتے لوگوں کو تاڑ رہا تھا۔

''یار عجب! وہ سامان تھوڑا زیادہ ہے تو آ کر ذرا کچھ مدد کروا دو۔''

عجب، فون سن کر اندر چلا آیا جہاں ہادی ٹرالی اور سامان سمیت موجود تھا۔ ان کی باری بس آیا ہی چاہتی تھی۔

''رضا، کہاں ہے؟'' عجب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ہادی سے سوال کیا۔ (بیٹا، ابھی تو میں بھی غائب ہو جاؤں گا۔ پھر کس سے پوچھے گا ہادی کہاں ہے۔)

''وہ آئل رہ گیا تھا۔ وہی لینے گیا ہے۔'' ہادی نے وسیع و عریض کیش اینڈ کیری کے آخری کونے کی طرف (جہاں آئل کا ریک تھا) دیکھتے ہوئے کہا۔

عجب نے خاموش ہو کر سر ہلایا۔

عین، اس وقت جب کہ ان کا نمبر سر پر تھا۔ ہادی (میں ذرا رضا کو دیکھ لوں کافی دیر لگا دی اس نے) کہتا ہوا۔ وہاں سے کھسک گیا۔

جاتے جاتے عجب کو اشارہ کر گیا کہ تم بل بنواؤ۔ میں رضا کو لے کر آتا ہوں۔

عجب کو بل کاؤنٹر پر چھوڑ کر ہادی نظر بچا کر دوسری سمت سے باہر نکل آیا جہاں رضا سامان سمیت اس کا منتظر تھا۔

دو منٹ کے اندر اندر سامان سمیٹ کر ٹیکسی میں منتقل کر کے وہ گھر کی جانب رواں دواں تھے۔

گھر پہنچ کر، سب سے پہلے انہوں نے سامان کرامت چاچا کے حوالے کرتے ہوئے باتوں ہی باتوں میں ان کو باور کرا دیا کہ وہ لوگ واپس آ چکے ہیں اور عجب گاڑی پارکنگ میں لگا رہا ہے۔

موبائل دونوں نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی آف کر دیے تھے۔ سو جب بہت دیر فون کرنے کے بعد بھی عجب کو فون بند ملے تو اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ پر افسوس تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ یونہی جو اس کی نظر ٹرالی پر پڑی تو اس کو صحیح معنوں میں تارے نظر آئے۔

ٹرالی، ہر طرح کے آئل کے پیکٹوں اور ڈبوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور اس میں کسی دوسری شے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ بل کم و بیش بائیس ہزار کا تھا اور عجب کی جیب میں بمشکل تین، چار ہزار تھے۔

سو، ٹرالی وہیں چھوڑ کر شرمندہ شرمندہ سا وہ باہر آیا۔ گاڑی بھگاتا، وہ گھر تک پہنچا۔

سارا راستہ وہ الفاظ ترتیب دیتا آیا تھا کہ کس طرح وہ بابا جان کو ان کی کمینگی کے بارے میں بتائے گا۔ اس کے خیال میں، اس کو چکمہ دے کر وہ دونوں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کسی سیر سپاٹے پر نکل گئے تھے۔
غصے میں جھاگ اڑاتا، لال بھبھوکا چہرہ لیے جب وہ بابا جان کے پاس پہنچا تو ہادی لسٹ بابا جان کو دکھا رہا تھا۔ جو کرامت چاچا نے بنا کر دی تھی۔
رضا، بل اور بچ جانے والا پانچ کا سکہ بابا جان کو لوٹا رہا تھا۔
بابا جان کو سلام کر کے وہ ان دونوں سے مخاطب ہوا۔
"موبائل کیوں آف کر رکھے ہیں تم دونوں نے۔" بمشکل اپنے آپ کو کمپوز کرتا وہ بولا۔
"ہیں......!" دونوں نے حیران ہوتے ہوئے فٹافٹ موبائل جیب سے نکالے جو انہوں نے گھر پہنچتے ہی آن کر لیے تھے۔
اور کچھ ایسے انداز سے عجب کے سامنے کیے کہ عجب سے پہلے بابا جان دیکھ لیں کہ موبائل آن ہیں۔
"بابا جان، یہ دونوں مجھے چھوڑ کر آ گئے تھے۔" قبل اس کے کہ وہ مزید کچھ کہتا، رضا نے فوراً سے بات سنبھالی۔
"تم نے ہی تو کہا تھا، تم لوگ سامان لے کر اندر جاؤ۔ میں گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے آتا ہوں۔" ہادی نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔
سو، رضا اور ہادی نے بات کچھ ایسے گھما پھرا دی کہ بابا جان کو پتا ہی نہ چل سکا کہ اصل میں ہوا کیا ہے۔ عجب بس غصے میں بل ہی کھاتا رہ گیا۔
☆☆☆
"شادی کے بیس سال بعد سسرال نامی عفریت سے جان چھوٹی ہے۔ اب تو راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ جتنے دن پہلے چاہوں، آ سکتی ہوں۔"
رفعت کھنکتے لہجے میں بہن سے مخاطب تھیں جو بیٹے کی شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ان سے مدد چاہتی تھیں۔
"ہاں، ہاں فکر ہی نہ کرو۔ بس میں منہاج سے بات کرتی ہوں۔ کل ہی مجھے تمہاری طرف چھوڑ دیں گے۔ میں بھی اپنی باقی کی تیاری تمہارے ساتھ ہی مل کر، کر لوں گی۔" بڑے سرشار سے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے الوداعی کلمات کے بعد فون بند کر دیا۔
ایک سکون و طمانیت سا رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا۔ جب وہ اپنے محنت و شفقت سے بنے آشیانے کو دیکھتیں۔
محنت و مشقت انہیں گھر بنانے پر نہیں، میاں کی برین واشنگ پر کرنا پڑی تھی۔
شادی کے بیس برس بعد آخر کار وہ کامیاب ہو گئی تھیں۔ منہاج نے اپنی ساری سیونگز اور رفعت نے اپنا سارا زیور گھر بنانے پر لگا دیا تھا۔
سسر تو تھے نہیں، ساس نے خاصی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا ان کی اس حرکت پر۔ انہوں نے ان کے مشترکہ خاندانی نظام کو خیر باد کہنے پر ایک شدید قسم کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔
رفعت بھی "تم روٹھے ہم چھوٹے" کے مصداق اپنے حال میں مست مگن تھیں۔
منہاج البتہ، ملنے ملانے چلے جاتے۔ ہر پھیرے پر تعلقات پر جمی برف کچھ نہ کچھ پگھل جاتی۔
گھر کی صفائی ستھرائی، برتن اور کپڑے کام والی ماسی کر کے جا چکی تھی۔ منہاج کے آنے کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ چائے بنانے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"سنیئے!" میاں کو چائے کے ساتھ پکوڑے پیش کرتی وہ بڑے خوش گوار موڈ میں ان سے مخاطب ہوئیں۔
"جی سنایئے!" عینک جیب سے نکال کر آنکھوں پر لگاتے ہوئے وہ متوجہ ہوئے اور وہ، "مدحت بڑی پریشان ہے بے چاری آج کل، جہاں زیب کی شادی کی وجہ سے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔
"ہیں!" انہوں نے حیران ہو کر بیگم کی شکل دیکھی۔ "ابھی تو بہو گھر آئی بھی نہیں اور آپ کی بہن پریشان بھی ہو گئیں۔"
"اوہو......" رفعت نے منہ بنایا۔ "بھئی شادی

کی تیاریوں کی وجہ سے پریشان ہے کہ اکیلے کیسے بری وغیرہ اور دیگر انتظام دیکھے۔ اب اکلوتا بیٹا ہے۔ انتظام تو شان دار ہی ہونا چاہیے نا۔" انہوں نے میاں کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے سیدھے اور صاف الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دیں گی تو میں ان لوازمات سے ذرا اچھے طریقے سے انصاف کر سکوں گا۔" ہاتھ سے چائے اور پکوڑوں کی جانب اشارہ کرتے وہ بولے۔

"وہ، میں مدحت کی مدد کے خیال سے لاہور جانا چاہ رہی ہوں۔" انہوں نے بھی صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"ہوں...... کب؟" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔

"آپ اجازت دیں تو کل ہی......" بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑی، میاں کا ممکنہ ردعمل جاننے کے لیے۔

"کل ہی......!" وہ کرنٹ کھا کر اچھلے "ابھی تو پورا مہینہ پڑا ہے۔ اتنی جلدی جا کر کیا کریں گی آپ؟" وہ سچ مچ پریشان نظر آئے۔

"بتایا تو ہے شادی کی تیاری میں مدد کروانی ہے۔" وہ تنک کر بولیں۔

"اور یہ پورا مہینہ، میں کیا کروں گا آپ کے بغیر...؟"

"بیس برس ہو گئے ہیں، اور آپ آج بھی چاؤ چونچلوں کے طلب گار ہیں۔" رفعت سخت بے مزہ ہو کر بولیں۔

"اب اس میں چاؤ چونچلے کہاں سے آ گئے...؟" بدذائقہ پکوڑے اور ٹھنڈی چائے نے مزاج گرم کیا۔ "ناشتہ، لنچ، ڈنر، کپڑے جوتے باقی کے سارے انتظام، میں اکیلے کیسے سب مینیج کروں گا۔" چائے کی پیالی تقریباً پٹختے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔

"جب، مدحت کے دل کی سرجری ہوئی تھی، تب بھی تو پورا ماہ میں رہ کر آئی تھی اس کے پاس۔ تب بھی تو گزارہ ہو گیا تھا نا......"

بغیر سوچے سمجھے وہ بولیں......اور بول کر پچھتائیں...... مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، سو خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

"تب ہم اکٹھے ساتھ رہتے تھے۔ بچیاں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتی تھیں۔ اماں جان بھی ہر وقت خدمت کو کمر بستہ رہتی تھیں۔ میرے اپنے بستے تھے میرے آس پاس، کوئی فکر نہیں تھی مجھے۔ یوں بے یار و مددگار شہر کے آخری کونے میں نہیں سڑ رہے تھے تب......"

"بس......!" اس موضوع کو وہ اتنا ہی برداشت کر سکتی تھیں۔ سو میاں کو بڑبڑاتے چھوڑ کر پاؤں پٹختے ہوئے وہ واک آؤٹ کر گئیں۔

☆☆☆

ہانیہ، نہ صرف بخوشی اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی بلکہ اس نے زارا کو بھی تیار کر لیا تھا۔

وہ دونوں تو ویسے بھی نماز کے بعد لان میں اکثر و بیشتر واک کرتی پائی جاتی تھیں اور اب تو "مارک روف" پارک میں مارننگ واک کی اجازت ملنا......دونوں کی خوشی دیدنی تھی۔

جب کہ مومل کی حالت ازحد قابل رحم تھی۔

اس کے لیے صبح سویرے جاگنا ہی بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اوپر سے خالی پیٹ واک کرنا......

سو وہ یوں بجھی بجھی سی ان کے ساتھ چل رہی تھی گویا دمے کی دائمی مریضہ ہو۔

گھر کا گیٹ کراس کرنے کے کوئی پانچ منٹ کے بعد مارک روف کی حدود شروع ہوتی تھیں۔ جہاں واکنگ / جاگنگ ٹریک کے الفاظ کے ساتھ بڑے بڑے دو تیر بنے ہوئے تھے۔ ایک واکنگ ٹریک کی جانب اشارہ کر رہا تھا جب کہ دوسرا جاگنگ ٹریک کی سمت......

زارا تینوں کے لیے ٹکٹ لے کر آئی۔

"توبہ ہے۔ پچھلی بار جب ہم آئے تھے تو پانچ

WAQAR AZEEM www.pakistanpoint.com

روپے کا ٹکٹ تھا اب بیس کا ہو گیا ہے۔" زارا بڑبڑائی۔
"شکر کرو، سو کا نوٹ رکھ لیا تھا میں نے ورنہ ابھی شرمندہ ہو رہے ہوتے۔" ہانیہ بولی۔
"دوسرے، اس پچھلی بار کو تین سال ہو چکے ہیں۔" بات چیت کرتے وہ پارک میں داخل ہوئیں۔
"یہ تم، ہمارے ساتھ واک پر آئی ہو یا ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے آئی ہو۔" ہانیہ نے پیچھے مڑ کر بے زار سی شکل بنائے مرے مرے قدم اٹھاتی موحل کو مخاطب کیا۔
موحل نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا، ہنوز بے زاری سے ان کے ساتھ گھسیٹتی رہی۔
چند قدم چل کر وہ دونوں رک گئیں، سو موحل بھی خاموشی سے ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔
"جی، تو موحل بی بی! آپ واک کرنا پسند کریں گی یا جاگنگ؟" ہانیہ نے عین اس مقام پر کھڑے ہو کر موحل کو مخاطب کیا جہاں سے ٹریک دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔
"میں، وہاں بیٹھ کر جاگنگ اور واک کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھنا پسند کروں گی۔" موحل نے سامنے لگے سنگی بینچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"سوری، ایسا کوئی آپشن آپ کے پاس نہیں ہے۔" زارا نے فوراً سے پیشتر اس کے خیال کی نفی کی۔ "دادی نے خاص طور پر تاکید کی ہے کہ کم از کم چالیس منٹ واک کروانی ہے تمہیں۔"
"تو، یہ واک تو پھر آپ لوگوں کو مجھے گود میں اٹھا کر ہی کروانی پڑے گی۔" موحل نے ان دونوں کو دیکھ کر دانت نکالتے ہوئے کہا۔
"چاہے، اس کے بعد ہمیں پورا مہینہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو کر ہی گزارنا پڑے۔" زارا نے چھوٹی بہن کو گھورتے ہوئے کہا۔ جس کا موڈ اب کچھ بہتر لگ رہا تھا۔
"نہیں، اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ کیوں کہ آپ دھان پان سی دوشیزائیں مجھ پہلوان جثی کو اٹھانا تو دور کی بات ہلا بھی نہیں پائیں گی۔" موحل ترنگ میں آ کر بولی۔
"تو بی بی! آپ بھی کوشش کیجیے نا اپنے وجود کو دھان پان سا بنانے کی تا کہ......"
"تا کہ آپ مجھے گود میں اٹھا سکیں......" موحل زارا کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔
"نہیں......تا کہ دادی کو تمہارا وزن کم کروانے کے لیے ہلکان نہ ہونا پڑے۔"
"اوہ......" موحل نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔
"اچھا! میرے خیال میں، جاگنگ سے اسٹارٹ لینا بہتر رہے گا۔" موحل کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
"ایز یو وش۔" ہانیہ نے کندھے اچکائے۔
"تو آیئے سسٹرز، مجھے جوائن کیجیے۔" وہ کہتے ہوئے ٹریک کی سمت بڑھی۔
"سنو!" زارا کی آواز پر وہ رکی۔
"ہم دونوں واک کریں گے۔ تم دو چکر مکمل کر کے، وہ......" اس نے دور ایک شیڈ کے نیچے بنے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔
"وہاں آ جانا۔ ہم وہیں تمہارا ویٹ کریں گے۔"
"ضرور......!" وہ کہتے ہوئے اپنے ٹریک کی سمت بڑھی، اس کی توقع کے عین مطابق ان دونوں نے واک کا انتخاب کیا تھا۔
اور اس کا نہ واک کا ارادہ تھا نہ جاگنگ کا سو ایک نظر مڑ کر اس نے مخالف سمت میں جاتی ہانیہ اور زارا کو دیکھا......
پھر اطمینان سے اس شیڈ کی طرف بڑھی جہاں بیٹھ کر ان دونوں کی واپسی تک اسے صبح کی تازہ ہوا انجوائے کرنی تھی۔

☆☆☆

"تو صرف میرا وقت برباد کرنے کے لیے مجھے یہاں لے کر آیا ہے۔" ہادی سخت خفا تھا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ایک تو اس کی نیند خراب کی، بے ہودہ انسان نے، اوپر سے پچھلے پندرہ منٹ سے وہ اسے اس پیلی کوٹھی کے گرد گھما رہا تھا۔

"او، نہیں یار، دیکھنا ابھی یہیں، کہیں سے وہ باہر نکل آئے گی۔ یقیناً چھپ چھپ کر کہیں سے مجھے تک رہی ہوگی۔" رضا نے کچھ اس قدر یقین سے کہا کہ ہادی لمحہ بھر کو تو چپ کا چپ ہی رہ گیا۔

"چل، فرض کرتے ہیں، وہ ہمیں نظر آجاتی ہے۔ تب بھی...... ہمیں فائدہ کیا ہوگا......؟" ہادی نے رک کر سوال کیا۔

"فائدہ ہمیں نہیں، مجھے ہوگا صرف......" رضا نے انگلی اٹھا کر تصحیح کی۔" تو بابا جان کو رشتہ لے کر جانے کے لیے کنوینس کرے گا۔"

"بابا جان! اول تو دوسری شادی کے لیے راضی نہیں ہوں گے۔" ہادی نے بڑے تدبر کے ساتھ اسے سمجھانا شروع کیا۔" اور اگر ہو بھی گئے تو اتنی چھوٹی لڑکی سے تو کبھی بھی شادی نہیں کریں گے۔"

"تو تیرے خیال میں، میں یہ لڑکی بابا جان کے لیے پسند کر بیٹھا ہوں۔" رضا نے غصے سے ہادی کو گھورا جس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"چھوڑ دے مسخری، سنجیدہ ہو جا۔" رضا نے ایک اور وارننگ جاری کی۔

"ہوں......!" ہادی نے ہنکارا بھرا۔

"میں کافی سنجیدہ ہوں گھر واپس جانے کے لیے۔" ہادی نے مخالف سمت قدم بڑھائے۔

رضا بوکھلاتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا۔ ایک منٹ...... پلیز، میرا یار نہیں ہے۔" منت بھرے انداز میں ہادی کو پکارتے ہوئے اس نے اس کا کندھا دبوچا۔

"یار، ہم وقت برباد کر رہے ہیں صرف۔ تو مان لے۔ آج اس کی آنکھ نہیں کھلی ہوگی وہ یقیناً محو استراحت ہوگئی۔" ہادی بالکل رکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اچھا، بس ایک، آخری بار سامنے والے گیٹ سے گھوم کر آتے ہیں اگر تب بھی نظر نہ آئی تو واپس چلیں گے۔" رضا لجاجت سے بولا۔ ہادی، ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

عین اس وقت جب رضا اور ہادی پیلی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پہنچے، دو باتیں ایک ساتھ ہوئیں۔

ٹیرس کا دروازہ کھول کر راحت بیگم نمودار ہوئیں۔ کافی دیر ہوگئی تھی لڑکیوں کو واک پر گئے سو وہ دیکھنے کے لیے آئی تھیں کہ لڑکیاں واپس آرہی ہیں یا نہیں۔ دوسری طرف درختوں کی قطار کے عین درمیان واقع اس کشادہ سڑک کے انتہائی آغاز سے موئل، ہانیہ اور زارا نمودار ہوئیں۔

راحت بیگم، سفید اور سیاہ امتزاج کی جالی دار گرل پر ہاتھ رکھے ذرا آگے کو جھکیں۔

رضا اور ہادی آمنے سامنے جہاں کھڑے تھے وہاں ہادی کے دائیں ہاتھ پیلی کوٹھی تھی جبکہ رضا کے دائیں ہاتھ وہ دشمن جاں دو حسیناؤں کے ہمراہ، خراماں خراماں چلتی ہوئی قریب آرہی تھی۔

"دیکھا، آگئی نا نظر......" رضا نے مٹھیاں بھینچ کر ہوا میں لہراتے ہوئے جوش بھری سرگوشی ہوا کے سپرد کی۔

ہادی کی نظر اپنے دائیں جانب گرل سے جھانکتی ہوئی راحت بیگم کی طرف اٹھی اور بس اٹھی ہی رہ گئی، واپس پلٹتی تو وہ دیکھ پاتا کہ رضا گردن گھمائے مخالف سمت سے آتی حسینہ کے جلوے ملاحظہ کر رہا ہے۔

"تیری پسند کی داد دینے کو دل کر رہا ہے۔"

حیران، پریشان سا ہادی بمشکل بول پایا۔

"ہے نا......؟" رضا بغیر ہادی کی جانب دیکھے تصدیق طلب انداز میں بولا۔

"بابا جان مان تو جائیں گے نا......؟"

"فوراً......" ہادی سرسراتے سے لہجے میں بولا۔" جب تو ان کے ناپ کی دلہن لے کر جائے گا تو وہ مانیں گے کیوں نہیں۔ ویسے تو نے یہ دلہن واقعی اپنے لیے ہی پسند کی ہے نا......؟"

رضا نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ اس کا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دھیان لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی اس دوشیزہ کی طرف تھا جو اب چند ہی قدم کی دوری پر تھی۔

''اے بیٹا! ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' راحت بیگم نے آخر اس لڑکے کو مخاطب کر ہی لیا جو پتھر کے بت کی مانند ساکت کھڑا ان کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

''بھابی جان کچھ کہہ رہی ہیں رضا، جواب دے...... یار'' ہادی نے اس کا کندھا ہلایا۔

''ہیں......!'' رضا چونک کر سیدھا ہوا۔ ہادی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ جہاں ایک انتہائی خوش شکل ادھیڑ عمر خاتون کھڑی ان ہی کی جانب متوجہ تھیں۔

''وہاں، کیا دیکھ رہا ہے۔ ادھر منہ کر۔'' رضا نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ ہادی نے گردن موڑی تو تین لڑکیوں کو اسی طرف آتے دیکھا۔

''اوہ......!'' ایک سکون بھری سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔ ''تو ان میں سے کوئی ہے شکر ہے۔''

موول، ہانیہ اور زارا ان سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئیں۔ کیونکہ ان دونوں کو ہٹائے بغیر ان کا گیٹ تک پہنچنا ناممکن تھا۔

''درمیان والی ہے......'' رضا نے ہادی کے کان میں سرگوشی کی۔

''زارا! یہ تو وہی ہے......'' پہچان کے مراحل طے کرتی ہانیہ کی نگاہوں نے جونہی شناخت کا عمل مکمل کیا۔ ایک جوش بھری سرگوشی اس نے زارا کے کان میں انڈیلی جو اتنی اونچی تو ضرور تھی کہ بآسانی رضا اور ہادی کی سماعتوں سے بیک وقت ٹکرائی۔

رضا کی باچھیں، یہاں سے وہاں تک چر گئیں۔

ایک احساس تفاخر نے دماغ میں گھر کیا......

دیکھا میں نہ کہتا تھا۔ چھپ چھپ کر مجھے دیکھتی ہے۔

''کیا کر رہے ہیں آپ یہاں......؟ بہت دن سے دیکھ رہی ہوں میں آپ کو......؟'' ہانیہ نے لہجے کو سخت بناتے دو قدم آگے بڑھ کر براہ راست رضا کی آنکھوں میں جھانکا۔

رضا پر تو شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ ایک سرشاری کی سی کیفیت میں اس نے ہادی کی جانب سر گھمایا۔ ''دیکھا تو نے......

''ہوں......'' ہادی نے گردن ہلائی۔ ''دیکھا بھی اور سنا بھی۔''

''ہانی......! اندر چلو'' زارا نے ہانیہ کے قریب آ کے اس کے کان سے منہ جوڑ کر کہا۔

اس کو صورت حال خاصی آکورڈ محسوس ہو رہی تھی۔

موول، دلچسپی سے ساری صورت حال ملاحظہ کر رہی تھی۔

''ایک منٹ بات تو کرنے دو مجھے۔'' زارا کو جواب دیتی وہ دوبارہ رضا سے مخاطب ہوئی۔

''ہر روز تقریباً اس وقت سے کچھ پہلے، آپ ہمارے گھر کے چاروں طرف منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ مقصد تو مجھے اچھی طرح سمجھ میں آ گیا ہے۔ مگر میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔'' ہانیہ نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

رضا نے ہادی کی جانب دیکھا گویا پوچھ رہا ہو۔ ''کہہ دوں پھر صاف صاف۔''

ہادی نے کندھے اچکائے گویا کہہ رہا ہو ایز یو تھنک بیٹر (جیسا تم مناسب سمجھو۔)

''ارے بھئی......اندر کیوں نہیں آ رہی ہو تم لوگ......اور یہ دونوں کون ہیں......؟'' راحت بیگم کی آواز پر پانچوں نے بیک وقت اوپر دیکھا۔

راحت بیگم کچھ جھنجلائی ہوئی سی کیفیت میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہانیہ آپی، چلیں......ورنہ دادی چھلانگ مار دیں گی۔'' موول نے ہانیہ کا بازو ہلایا اور ساتھ ہی کھی کھی شروع کر دی۔

''آ رہے ہیں دادی......!'' زارا نے اوپر منہ کر کے کہا اور ساتھ ہی ہانیہ کا بازو کھینچا۔ گویا کہہ رہی ہو چلو یہاں سے۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''تم دونوں چلو...... میں آتی ہوں۔'' ہانیہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

اسے کلیئر کرنا تھا کہ وہ واقعی پھلوں پر نظر رکھے ہوئے ہے تو مانگ لے، چوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

رضا نے کچھ اٹھلا کر ہادی کی طرف منہ موڑا۔

''تو بھی چلنا شروع کر...... میں آتا ہوں بات کر کے......''

''تیری تو......'' ہادی نے اس کی کہنی کو جھٹکا دیا۔ ''میرے سامنے ہوگی، جو بھی بات ہوگی۔'' آہستہ سے اس نے رضا کے کان کے قریب منہ کر کے کہا۔

''تو نے سنا نہیں ......وہ مجھ سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہی ہے۔'' رضا نے جوابی سرگوشی کی۔

''کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں آپ دونوں؟'' ہانیہ نے بے زاری سے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''ٹھہرو...... میں نیچے ہی آتی ہوں۔'' راحت بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

''ہانی آپی چلیں...... دادی آرہی ہیں۔'' موئل نے ہائی الرٹ جاری کرتے ہوئے آگے بڑھ کر گیٹ کا کنڈا گرایا۔

زارا نے اس کی تقلید میں قدم بڑھائے۔

''دیکھیے...... شکل سے آپ اچھے خاصے شریف اور معقول انسان دکھ رہے ہیں۔ آپ کو اس طرح چور دروازے ڈھونڈنے کے بجائے براہ راست بات کر لینی چاہیے۔ چاہیں تو میری دادی سے بات کرلیں ورنہ میرے ابو یا چاچو سے...... امید ہے آپ کو مایوس نہیں ہونا پڑے گا۔'' ہانیہ نے صاف اور واضح الفاظ میں ساری بات کر کے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

(بھئی جتنا چاہے پھل پوچھ کر لے جاؤ۔ چوروں کی طرح، ہمارے گھر کے گرد چکرانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔)

ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس نے گیٹ بند کیا۔

اور پیچھے رضا تو رضا، ہادی بھی بس غش کھا کر گرنے کے قریب تھا۔ مطلب......

''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی......''

☆☆☆

تین دن سے رفعت نے میاں سے بات چیت مکمل طور پر بند کر رکھی تھی۔ چائے کی پیالی زوردار آواز کے ساتھ شیشے کی میز کی سطح سے ٹکرائی تو، منہاج نے کچھ چونک کر بیگم کا چہرہ ملاحظہ کیا۔ جس پر ناراضی کے تاثرات اتنے واضح تھے کہ منہاج چند لمحے تو بس انہیں دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس ایک برس کے عرصے میں ان کا وجود بے تحاشا پھیل چکا تھا۔ کام کے لیے کام والی ماسیاں آجاتیں۔

کھانا پکانے کی وہ ویسے بھی چور تھیں سو اکثر ہی باہر کے پکے کھانے ان کے دستر خوان کی زینت بنتے۔

علیحدہ ہونے کے بعد ہی ان کو اندازہ ہوا تھا کہ رفعت کس قدر بد ذائقہ کھانا پکاتی ہیں۔ چائے جو منہاج کی عادت بھی تھی اور کمزوری بھی وہ تو...... رفعت اتنی بری بناتی تھیں کہ منہاج کو لگتا تھا کہ ان کے ذائقے کی حس ہی مرگئی ہے۔

چائے کی شکل دیکھ کر چائے کی طلب ہی ختم ہوگئی تھی۔

کچھ تھک کر، انہوں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکرایا۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ شدید اضطراب کا شکار تھے۔ بے چینی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی۔

اور جو رفعت ان کی پریشانی کی وجہ جان لیتیں تو بہن کے ہاں جانے کا بھی نام ہی نہ لیتیں۔

اب...... بھلا...... وقت سے پہلے وہ جان بھی کیسے سکتی تھیں۔

''آپ مدحت کے ہاں سے کسی کو بلوائیں گی یا میں آفس سے چھٹی لے کر آپ کو چھوڑ آؤں......؟''

بہت سوچ سمجھ کر آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ رفعت کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

رفعت تو خوشی سے کھل ہی پڑیں۔
"جہاں زیب کو آج کل میں کسی کام سے اسلام آباد آنا ہے۔ اسی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ انہوں نے میاں کو بتایا۔
منہاج نے بہت دھیان سے ان کا جوش اور خوشی ملاحظہ کی...... اور خاموشی سے واپس پلٹ گئے۔
"کاش، ایسی خوشی کبھی آپ کے وجود سے مجھے بھی نصیب ہوتی۔" ایک اداس مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کیا۔
مگر، افسوس، رفعت کے پاس میاں کے احساسات جاننے کا وقت نہیں تھا۔ وہ پیکنگ میں مصروف ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

"کون لڑکے تھے یہ......؟ اور کیا بات چیت کر رہی تھیں تم ان سے......؟" ہانیہ، دادی کی تفتیش کی زد میں تھی۔
"دادی! یہ جو اونچا، لمبا، گورا سا لڑکا تھا نا۔ اس کو میں کافی دن سے اپنے گھر کے آس پاس دیکھ رہی ہوں۔ اچک اچک کر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور زیادہ تر باغ والی سائیڈ پر اچھل کود کر رہا ہوتا ہے۔ تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ موقع پا کر باغ سے پھل چوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ سو آج آمنا سامنا ہوا تو میں نے کہہ دیا کہ پھل کی ضرورت ہے تو میری دادی، ابو یا چاچو سے مانگ لو آ کر۔ وہ کوئی منع تھوڑا ہی کریں گے۔ ہیں نا دادی......!"
آنکھیں پھیلا کر دادی سے تصدیق چاہی۔
"تو اس نے کیا جواب دیا؟" بجائے جواب دینے کے انہوں نے الٹا اس سے سوال کیا۔
"جواب تو اس نے دیا ہی نہیں۔" ہانیہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
"پھر میں بھی اندر آ گئی تھی۔"
راحت بیگم نے کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور ہانیہ کو لے کر اندر آ گئیں۔

اب وہ مومل سے اس کی واک کی تفصیلات سن رہی تھیں۔
مومل جھوٹ در جھوٹ بولے چلی جا رہی تھی اور دادی واری صدقے۔
"بھئی۔ مجھے آج پارلر جانا ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کو ساتھ چلنا ہے تو چلے ورنہ اکیلے ہی چلی جاؤں گی۔" راحت بیگم نے بغیر کسی کو مخاطب کیے کہا۔
ڈائننگ ٹیبل پر موجود تمام لوگوں نے اس اعلان کو بغور سنا۔ مرد حضرات بغیر کسی تبصرے کے ناشتے میں مصروف رہے۔ خواتین نے البتہ خاصے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔
"امی! میں بھی چلوں گی۔ بال ڈائی کروانے ہیں۔" ان کی بڑی بہو ہما نے پراٹھے کا نوالہ نگلتے ہوئے کہا۔
"اور میں بھی...... مجھے نئی لپ اسٹک اور آئی لائنر لینا ہے۔" چھوٹی بہو رباب بولیں۔
"تو آپ کو جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لوگ جا رہی ہیں، ان ہی سے منگوا لیجیے۔" خرم کو بیگم اور بچیوں کا بازار جانا زیادہ پسند نہیں تھا سو ٹوک دیا۔
"اونہوں......" راحت بیگم نے ناگواری کا اظہار کیا۔ "کبھی تو اس کو اس کی پسند کی خریداری بھی کرنے دیا کرو۔ ہمارے ساتھ جانا اچھا نہیں لگ رہا تو خود لے جاؤ۔"
دادی کی بات پر ہانیہ، زارا اور مومل کھی کھی کرنے لگیں۔
"بہت برے پھنسے ہیں چاچو آپ۔" ہانیہ بولی۔
"اور بیگم کو شاپنگ کروانے لے کر جاؤ تو لنچ بھی کروا کر لانا۔" قاسم کی حس مزاح بھی بروقت پھڑکی۔ ان سمیت سب ہی واقف تھے کہ خرم کو بازار جانے سے کس قدر چڑ تھی۔ نہ خود جاتے تھے، نہ بیگم کا جانا پسند کرتے تھے۔
"اگر معاملہ لنچ تک جا پہنچا ہے تو پھر تو میں بھی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جاؤں گا۔" خاموشی سے ناشتے میں مشغول بلو نے بروقت انٹری دی بحث میں۔

"اور میں بھی......" مومل کی آواز آئی۔

"اور میں بھی پاپا......" زارا بولی۔

خرم تو گھبرا ہی اٹھے......"نہیں بھئی نہیں۔ میں کوئی شاپنگ اور لنچ وغیرہ پہ نہیں جارہا۔"

"کم آن چاچو! آپ تو ایسے گھبرا رہے ہیں جیسے شاپنگ پر نہیں، چچی جان کے ساتھ جہاد پر جارہے ہیں۔" نمرنے بھی پھلجھڑی چھوڑی۔

"اور ویسے بھی خرم......! اگر تم کباب میں ان ہڈیوں کی وجہ سے گھبرا رہے ہو تو ان کو ہم سنبھال لیں گے۔" ہما نے مومل، بلو اور زارا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارت سے کہا تو سب ہی ہنسنے لگے۔

"تو پھر میں شاپنگ اور لنچ کا پروگرام پکا سمجھوں؟" رباب نے مسکراتے ہوئے میاں سے پوچھا۔

"بالکل...... ہنڈرڈ پرسنٹ۔" ساری بچہ پارٹی نے یک زبان ہوکر نعرہ لگایا۔

"جی، میں تو آج کا پورا دن ریسٹ کروں گا۔ ایک چھٹی کا دن ہوتا ہے یہاں، وہاں پھر کر برباد نہیں کرسکتا۔ باقی آپ لوگ جو مرضی پروگرام سیٹ کرلیں۔" خرم نے اطمینان سے سب کی امیدوں پر بالعموم اور رباب کی امیدوں پر بالخصوص پانی پھیرا۔

"اوہ......" کئی افسوس بھری آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ "ہمارا تو کوئی دن نہیں ہوتا چھٹی کا۔" رباب برا سا منہ بناتے ہوئے بولیں۔

"جب آپ اس طرح کی گفتگو فرماتی ہیں تو کچھ بڑھاپے کے سے آثار آپ کے لہجے سے ٹپکتے نظر آتے ہیں۔" خرم نے بیگم کو چھیڑا جو کچھ خفا خفا سی دکھ رہی تھیں۔

"بھئی رباب! تم نے صحیح سے کھینچ کر نہیں رکھا میاں کو...... ورنہ ہماری تو مجال نہیں بیگم کے سامنے چوں بھی کرنے کی۔" قاسم مسکراتے ہوئے بولے۔

"اللہ اللہ...... پاپا! آپ کو حساب دینا پڑے گا اس سفید جھوٹ کا۔ اچھی خاصی چوں چاں...... پھوں پھاں کررہے ہوتے ہیں آپ ماما کے سامنے۔" ہانیہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ہانیہ! میں سو فی صد اس سے متفق ہوں۔" نمر نے بہن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بھئی...... ہماری بیگم کی ایک خوبی کے تو آپ سب لوگ معترف ہوجائیے۔" قاسم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔

سب لوگ متوجہ ہوئے۔

"انہوں نے بچوں کی خوب ٹریننگ کی ہے۔ ماں کے بارے میں تو ایک لفظ بھی نہ سنتے ہیں، نہ برداشت کرتے ہیں۔" سب لوگ ہنسنے لگے۔

"تو بھئی...... تمہارا کیا نقصان ہوگا اس ٹریننگ سے۔" راحت بیگم نے براہ راست قاسم کو مخاطب کیا۔

"ہوں......" قاسم نے ہنکارا ابھرا۔ "نقصان یہ ہوگیا کہ اگر کل، کلاں کو دوسری بیگم لانی پڑگئی تو یہ بچے تو خاصا پرابلم کری ایٹ کریں گے۔" ہما نے گھور کر میاں کو دیکھا جن کے لہجے میں چھپی شرارت وہ بخوبی سمجھ رہی تھیں۔

"اب یہ خیال تو تم دل و دماغ سے نکال دو کہ میرے ہوتے ہوئے تم ایسا کچھ کروگے۔ سب سے پہلے تو میں ہی وہ پرابلم کری ایٹ کروں گی کہ یاد کرو گے۔" راحت بیگم کی پیار بھری دھمکی دونوں بہوؤں کو سرشار کرگئی۔

ہما اور رباب دونوں ہی اپنی ماں جیسی ساس کی خوبیوں کی دل سے معترف تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ بہوؤں کے معاملے میں تو وہ ایسی حساس تھیں کہ ان کی خاطر کبھی کبھار تو بیٹوں تک سے ناراض ہوجاتی تھیں۔ ایسے میں ان دونوں کو ہی رفعت یاد آئی تھی......

☆☆☆

ہائی روف کی ڈرائیونگ کے فرائض نمر انجام

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دے رہا تھا۔ اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بلو عرف بلال بیٹھا تھا۔ پیچھے والی سیٹ پر دادی، ماما اور چچی بیٹھی تھیں۔

سب سے پیچھے ہانیہ، موبل اور زارا تھیں۔

زارا نے جان بوجھ کر آخر میں کونے والی سیٹ منتخب کی تھی۔ یہاں سے شیشے میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا نمر بڑا واضح دکھائی دیتا تھا۔ بلا خوف و خطر وہ بڑے آرام سے اس کو تک رہی تھی جب اس کی اچانک کی جانے والی بات نے زارا کو بوکھلا دیا۔

''ایسے کیا گھور رہی ہو مجھے؟'' دل میں چور تھا، سو رنگ فق ہو گیا۔

ذرا دل کو قابو کر کے دھیان دیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہانیہ سے مخاطب تھا۔ دونوں بہن بھائی کی کسی بات پر نوک جھونک چل رہی تھی۔

دل تھا کہ باہر نکلنے کو بے تاب محسوس ہوتا تھا۔ اس کی بے تحاشا خوب صورت تائی کے دونوں ہی بچے بہت حسین تھے۔

نمر اور ہانیہ دونوں ہی اتنے خوب صورت تھے کہ دیکھنے والا بس دیکھتا ہی رہ جائے۔

جب کہ وہ تینوں بہن بھائی زارا، موبل اور بلال اپنی ماں کی طرح تھے سانولے لیکن بے حد پرکشش۔ زارا کی بے تحاشا حسین سیاہ آنکھیں اوپر کو مڑی ہوئی پلکیں اور کالے گھنے سیاہ لمبے بالوں کی پشت پر جھولتی ہوئی چٹیا اس کے وہ ہتھیار تھے جو مقابل کو پہلی ہی نظر میں گھائل کرتے تھے۔

پر جانے یہ مسحور کر دینے والا حسن نمر کو کیوں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ اور ہانیہ ہم عمر تھیں جب کہ نمر ان دونوں سے تین سال بڑا تھا۔

وہ بارہ برس کی عمر سے اپنے تایازاد کی محبت میں مبتلا تھی۔ اس کی تعلیم مکمل تھی، ایک معقول قسم کی نوکری بھی مل چکی تھی اور چونکہ وہ گھر کا سب سے بڑا بچہ تھا سو اکثر و بیشتر اس کی شادی کی باتیں بھی موضوع بحث بننے لگی تھیں۔

دادی نے دبے دبے لفظوں میں زارا کا نام لیا تھا، تائی اور نمر کی موجودگی میں......

پر اس کے نام پر پڑنے والا نمر کا قہقہہ اور پھر اس کے الفاظ...... بہت کچھ ٹوٹا تھا اس کے اندر۔

اس کے باوجود بھی وہ نمر سے محبت کرنے سے خود کو باز نہیں رکھ پائی۔

☆☆☆

''سومارٹو'' کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے نمر نے جملہ خواتین سے ان کا لائحہ عمل دریافت کیا۔

''بھئی...... ایسا ہے کہ سب اپنے اپنے کام نمٹا کر واپس یہیں آ جائیں گے اور سواریاں پوری ہونے کی صورت میں گھر کو کوچ کریں گے۔'' راحت بیگم کے پلان پر سب سے سر ہلایا۔

ہما اور رباب ساتھ جا رہی تھیں۔ ہانیہ اور زارا تھیں۔ بلال، نمیر کے ساتھ تھا۔ اب بچی تھیں دادی اور موبل۔

''دادی! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی پارلر۔'' موبل برا سا منہ بنا کر بولی۔

''اتنی دیر وہاں بور ہونا پڑتا ہے۔''

''خبردار! ہمارے ساتھ جانے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں۔ بھوکے، ندیدوں کی طرح ایک ایک چیز کو یوں دیکھتی ہے جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔'' زارا نے تو فوراً سے پیشتر اسے ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔

''تو پھر ہمارے ساتھ ہی آ جاؤ۔'' ہما نے آفر کی۔

''نہیں، دادی کے ساتھ ہی ٹھیک رہوں گی۔'' موبل چار و ناچار رضا مند ہو ہی گئی۔

سب اپنی اپنی منزل کی جانب گامزن ہوا ہی چاہتے تھے کہ نمر کی آواز پر واپس پلٹے۔

''تمام خواتین اپنے اپنے موبائل آن رکھیں تاکہ وقت ضرورت رابطہ کیا جا سکے۔ اعلان ختم ہوا، شکریہ۔''

جواب سننے کی زحمت کیے بغیر وہ بلو کو لے کر وہاں سے کھسک چکا تھا۔ رک جاتا...... تو یہ ضرور سننے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کو ملتا کہ بھیا تمہارے موبائل کی بیٹری ہی ہر وقت لو رہتی ہے۔

باقی تمام لوگ بھی سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھے۔

مومل بے زاری سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس کی دلچسپی کا کوئی سامان یہاں موجود نہیں تھا۔

داڑھی، مونچھیں دھاگوں سے صاف کرواتی ہوئی خواتین اس کو سخت کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔

ایک نظر اس نے دادی پر ڈالی جو ماسک لگائے غالباً سو رہی تھیں۔

"توبہ ہے...... آخر اس عمر میں ضرورت ہی کیا ہے ان چونچلوں کی۔"

اور یہ بات اس نے دادی سے پوچھ بھی لی۔

پارلر سے فارغ ہو کر اب دونوں دادی پوتی آئس کریم کے مختلف فلیورز سے انصاف کر رہی تھیں۔ جب راحت بیگم مومل کے سوال پر چونکیں۔

"لو بھلا...... اب عمر کا کیا تعلق ہے، خود کو فٹ رکھنے سے۔ اور چونچلوں والی کون سی بات ہے اس میں؟ انسان کا حق ہے کہ وہ ہر عمر میں اپنا خیال رکھے۔"

وہ برا مانتے ہوئے بولیں۔

"میں پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ اس کا فائدہ کیا ہے؟" سترہ سالہ مومل بھی کبھی سات برس کے بچوں والے معصوم سوال کر کے دادی کو زچ کرتی تھی۔

"فائدہ؟" راحت بیگم نے چند لمحے کچھ سوچا۔ بروقت ہی فائدہ یاد آیا۔

"اگلے ہفتے تمہارے دادا جان کی برسی آ رہی ہے۔"

"تو کیا دادا جان کی روح دیکھنے کے لیے آئے گی کہ میری بیوہ نے فیشل کروایا ہے یا نہیں؟" مومل آئس کریم سے انصاف کرتے ہوئے بولی۔

"دادا کی روح نہیں آئے گی۔ لوگ آئیں گے اور اش اش کر اٹھیں گے کہ......"

"کہ راحت بیگم کس دھوم دھام سے اپنے میاں کی برسی کی خوشی منا رہی ہیں۔" مومل نے جملہ اچک کر مکمل کیا۔

"نہیں بھئی...... لوگ اس بات پر اش اش کریں گے کہ راحت بیگم آج بھی جوانوں سے زیادہ خود کو ہشاش بشاش اور فٹ رکھتی ہیں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"اور آپ کی وجہ سے ہمیں اتنی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ دادی دیکھو کس قدر چاق و چوبند ہے اور پوتی کو دیکھو کیسا ڈھول بنتی جا رہی ہے۔" مومل نے خفگی سے ایک رشتے دار خاتون کی بات دہرائی۔

"تو اسی لیے تو تمہاری واک شروع کروائی ہے۔" راحت بیگم آگے منہ کر کے چل رہی تھیں سو مومل کے تاثرات نہ دیکھ پائیں جو جزبز ہو کر سر کھجا رہی تھی۔

باتیں کرتی دونوں دادی پوتی گاڑی کے قریب پہنچیں تو اب تک کوئی بھی واپس نہیں پہنچا تھا۔

تیز چلنے کی وجہ سے راحت بیگم سے زیادہ مومل کا سانس پھول رہا تھا۔

"مومل! موبائل نکال کر ذرا نمر کو کال ملاؤ کہ آ کر گاڑی تو کھولے۔"

راحت بیگم سے موبائل لے کر کال ملائی تو نمر کا نمبر بند آ رہا تھا۔ بلو کے پاس تو موبائل ہی نہیں تھا۔

دونوں آس پاس کوئی جگہ دیکھنے لگیں بیٹھنے کے لیے مگر ہر طرف گاڑیاں ہی کھڑی نظر آ رہی تھیں۔

"اس سے تو بہتر تھا وہیں آئس کریم پارلر میں ہی بیٹھے رہتے۔" مومل سخت تھک رہی تھی، سو بے زاری سے بولی۔

تب ہی ان کے برابر کھڑی پجیرو کے پاس ایک بارعب سفید داڑھی اور سر پر بڑی سی پگڑی باندھے ہوئے ایک بزرگ نمودار ہوئے۔ حلیے سے کوئی قبائلی سردار نظر آ رہے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ بیٹھے۔ اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔ مومل ان ہی کو دیکھ رہی تھی۔

تب ہی ان کی ایک غیر ارادی سی نظر راحت

بیگم پر پڑی۔ پھر دوبارہ اور سہ بارہ انہوں نے راحت بیگم کو دیکھا۔

''اور کرائیں فیشل۔'' موحل کو جی بھر کر دادی پر غصہ آیا۔

اس نے دادی کی سمت دیکھا تو وہ ادھر متوجہ نہیں تھیں۔

وہ بزرگ دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے اور ان لوگوں کی طرف بڑھے۔

''اب یہ دادی کو چھیڑیں گے؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب ہوگئیں۔

''روحی!'' قریب آ کر انہوں نے راحت بیگم کو مخاطب کیا۔

راحت بیگم نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا۔ بہت زمانوں کے بعد کسی نے ان کو اس نام سے پکارا تھا۔

''تم روحی ہی ہونا......؟'' تصدیق طلب انداز میں انہوں نے سوال کیا۔

راحت بیگم اچنبھے سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ کون ہے جو ان کو روحی کے نام سے جانتا ہے اور جو ان کی پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔

''جی......آپ کون......؟'' الجھن بھرے لہجے میں انہوں نے پوچھا۔

''سخاوت...... صدیقہ...... مصور...... برگد کا پیڑ...... مائی رحمت کی ہٹی...... جنگلی بیر...... ان میں سے کچھ یاد ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

موحل ماتھے پر بل ڈالے ان بزرگوار کو تک رہی تھی جو اپنی عمر کا لحاظ کیے بغیر اس کی دادی سے فری ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

''یاد ہے...... سب یاد ہے......'' وہ بے چین ہو کر بولیں۔ ''آپ کون ہیں؟''

وہ جواب دیے بنا مسکراتے رہے۔ گویا راحت بیگم کی بے چینی کا لطف لے رہے ہوں۔

☆☆☆

وہ میرے ماں باپ کی پسند تھی۔ میں نے دل و دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ اسے اپنایا تھا۔ میری ہزار کوششوں کے باوجود بھی وہ کبھی خوش نہ ہوسکی۔ اولاد ہمارے مقدر میں نہیں تھی۔ میں نے تقدیر سے کبھی گلہ بھی نہیں کیا۔ میرے بھائیوں کے بچے ہمارے ساتھ تھے۔ بڑے کے دو بچے، چھوٹے کے تین، مجھے وہ اپنے ہی بچے لگتے تھے۔ لیکن وہ مجھے ساری زندگی یہ باور کراتی رہی کہ انسان کے اپنے بچے ہی اس کے اپنے ہوتے ہیں۔

وہ بات بات پر روٹھتی تھی۔ میں اس کو مناتا تھا۔ ساری زندگی ایسے ہی گزری ہے ہماری۔

اس کو گھر کا کام بوجھ لگتا تھا۔ وہ کہتی تھی، یہ انصاف نہیں ہے کہ کام برابر بانٹا جائے۔ جن کے بچے ہیں فیملی زیادہ ہے، ان کا کام بھی زیادہ بنتا ہے۔ میں اس کی بات کی تائید کیا کرتا۔

وہ کہتی تھی...... گھر کے خرچے میں ہمارا حصہ کم بنتا ہے کیونکہ ہم صرف دو بندے ہیں۔ میں اس کی بات کو ٹھیک مانتا تھا۔

اس نے مجھے قائل کر لیا کہ ہمارا اپنا ایک گھر ہونا چاہیے جو صرف ہم دونوں کا ہو۔ میں دیر سے ہی سہی پر اس بات پر بھی راضی ہوگیا۔ میں، بیوہ ماں اور جان چھڑکنے والے بھائیوں کو ناراض کر کے اس گھر سے نکلا، اس عورت کی خاطر......

میرا خیال تھا...... وہ میری ماں کے پاؤں پکڑ کر ان کو راضی کرے گی۔ منالے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آخر دنیا میں لوگ ایسے بھی تو زندگی گزارتے ہی ہیں۔

مگر وہ تو ایک فاتح کی طرح اس گھر میں داخل ہوئی۔ ہر چیز کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتے، پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس گزرے ایک برس میں مجھے اندازہ ہوا کہ میں تو بے جڑ کا وہ پودا بن گیا ہوں جو اپنے احساسات وہیں اپنوں کے پاس چھوڑ آیا ہے۔ بے جان وجود اس گھر میں بستا ہے۔ روح تو وہیں کہیں ہے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اب وہاں میری جگہ نہیں ہے اور یہاں میرا دل نہیں ہے۔

اس ایک برس نے مجھے زندگی کا بہترین سبق سکھا دیا ہے۔

میں بیس سال سے اگر اس کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا تو اس کی وجہ میرے وہ اپنے تھے۔ جن کی موجودگی میں مجھے کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے بیس برس ایک ایسی عورت کے ساتھ کیسے گزار لیے جس کی زندگی میں سے شروع ہو کر میں پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے لیے اگر کچھ اہم ہے تو اس کی اپنی ذات۔ میں اس ایک برس کا شکر گزار ہوں جس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

دل کا غبار کاغذ کے سپرد کر کے انہوں نے قلم بند کیا اور ڈائری کے اوپر رکھ دیا۔

رفعت کو گئے آج ساتواں دن تھا۔ اس ایک ہفتے نے ان سے زندگی کا مشکل ترین فیصلہ کروالیا تھا۔

موبائل کے ہندسوں پر انگلیاں پھیرتے ان کے ہاتھ، زندگی کی ایک نئی کہانی بُننے جا رہے تھے۔

دوسری طرف سے موبائل اٹھا لیا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے مرزا......! میں تیار ہوں۔"

بات ختم کر کے بہت دیر وہ موبائل کی بے جان اسکرین کو گھورتے رہے۔

☆☆☆

"دیکھا تو نے، وہ پوری طرح راضی ہے۔"

جوش کے مارے رضا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"ہاں، یہ تو میں نے دیکھ لیا۔ تو مجھے یہ بتا کہ بابا جان کو کیسے قائل کرے گا۔" ہادی نے وہ سوال کیا جس کا جواب رضا کے پاس نہیں تھا۔

"یار تو بابا جان سے بات کر، نا...... پلیز۔" رضا نے ملتجی سے لہجے میں ہادی کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے، سوچتے ہیں کچھ۔" ہادی دماغ پر زور دیتا بولا۔

اسی اثناء میں عجب اندر آیا۔ رضا نے کڑوی گولی کی سی شکل بنائی۔ عجب نے خاص طور سے اس کا انداز نوٹ کیا۔

"ایسے برے برے منہ کیوں بنا رہے ہو مجھے دیکھ کر۔" عجب نے سخت ناراض نظروں سے رضا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بنا نہیں رہا...... تجھے دیکھ کر خود بخود اس کا منہ ایسا ہو جاتا ہے۔" ہادی نے ٹھٹھا لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ اس دن تم لوگوں نے میرے ساتھ کیا حرکت کی تھی؟" عجب دونوں ہاتھ کمر پر رکھے رضا سے مخاطب تھا۔

"بیٹا! تو جو جو کچھ ہمارے ساتھ کرتا ہے، ہم نے کبھی پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا ہے اور کیوں کیا؟" رضا بھی اسی کے انداز میں کھڑا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

چند لمحے دونوں ایک ہی انداز میں کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر عجب نے سر جھٹک کر نگاہوں کا زاویہ تبدیل کیا۔

"جو کچھ میں کرتا رہا۔ اس کے لیے مجھے بابا جان کہتے تھے۔" عجب آہستہ سے بولا۔

"بابا جان، تجھے ہماری جھوٹی سچی چغلیاں کھانے کو کہتے تھے؟" ہادی نے تیز لہجے میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے تم لوگوں پر نظر رکھنے اور ہر قسم کی سرگرمی کی اطلاع دینے کو کہا تھا۔ باقی جو کچھ میں کرتا رہا اس کے لیے شرمندہ ہوں اور تم دونوں سے معافی مانگنے آیا ہوں۔"

رضا اور ہادی نے منہ کھول کر پہلے ایک دوسرے کو پھر سر جھکائے بیٹھے عجب کو دیکھا۔

"یہ تیری کوئی نئی چال ہے۔" فوراً ہی جو خیال رضا کے ذہن میں آیا، اس نے گوش گزار بھی کر دیا۔

"نہیں، کوئی چال نہیں ہے۔" عجب سر جھکائے جھکائے ہی بولا۔ "ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اتنی آہستگی سے بولا کہ دونوں بمشکل سن پائے۔
"تجھے کیا ڈاکٹر نے بلڈ کینسر بتایا ہے؟" ہادی نے اس کے قریب ہوتے راز داری سے پوچھا۔
"میری موت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوگے تم لوگ۔" عجب پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔
"او، نہیں یار۔ ناراض کیوں ہوتا ہے، تیرا انداز دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے تو دنیا چھوڑ کر جارہا ہے بس اسی لیے پوچھ لیا۔" ہادی نے بوکھلاتے ہوئے وضاحت پیش کی۔
"دنیا چھوڑ کر نہیں اسلام آباد چھوڑ کر منڈی بہاؤ الدین جارہا ہوں۔ بابا جان نے وہاں کی زمینوں کا انتظام میرے سپرد کردیا ہے اور......" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔
"اور......" رضا نے پوچھا۔ "اور میری شادی بھی ہورہی ہے۔ ماموں کی بیٹی سے، وہیں رہتے ہیں وہ لوگ۔" کچھ جھجکتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔
"شادی......؟" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ چیخ کی صورت نکلا۔ "کتنا تیز نکلا تو......؟"
"شادی بھی پلان کرلی۔" رضا صدمے سے چور لہجے میں بولا۔
"تو مجھ سے چھوٹا ہے، پہلے میرا نمبر تھا۔"
"صرف چار ماہ کا فرق ہے۔" عجب نے فوراً چار انگلیاں دکھائیں۔
"میں تم دونوں سے بڑا ہوں۔ میری باری بنتی تھی سب سے پہلے۔" ہادی کا دکھ بھی رضا کے دکھ جیسا ہی تھا۔
"صرف چار ماہ......" رضا نے بھی چار انگلیاں ہادی کے سامنے کیں۔
"میں تم دونوں سے چھوٹا ہوں لہٰذا باری میری ہی بنتی ہے۔ خود بتاؤ بھلا پہلے چھوٹی عید آتی ہے یا بڑی؟" عجب نے اپنے تئیں ان دونوں کو لاجواب کیا۔
"اور تم لوگوں کے ماموں کی کوئی بیٹی بھی تو نہیں ہے۔" عجب نے ایک اور حکمت بھرا نکتہ پیش کیا۔
"سچ کہتا ہے یار! دکھ سے بھر گیا ہے دل۔ کیا تھا جو تو لڑکی ہوتا، نہ تجھے کوئی مسئلہ نہ ہوتا نہ مجھے۔" ہادی نے رضا کو دیکھتے دل گرفتی سے کہا۔
"ہاں...... پھر جو مسائل ہوتے، بابا جان کو ہوتے۔" عجب نے پھر سے فلسفہ جھاڑا۔
"شادی بہت بہت مبارک ہو دوست۔" رضا دکھی دکھی سے لہجے میں بولا۔
"یہ تم نے مجھے مبارک باد دی ہے یا پُرسہ......؟" عجب نے شکایتی سے انداز میں رضا کو دیکھا۔
"بس جیسی خوشی ہورہی ہے ہمیں تیری شادی کی، ویسی ہی مبارک باد دیں گے نا۔" بغیر کسی شرمندگی کے رضا نے جواب دیا۔
"آہ...... میں بن ماں باپ کا بچہ، میرے لیے آخر سوچے بھی تو کون؟" ہادی کے لبوں سے ٹھنڈی سانس خارج ہوئی۔
"سوری یار! تیرے یہ بے کار ڈائیلاگ یہاں کسی کی دل پر اثر نہیں کریں گے کیونکہ بابا جان اور کرامت چاچا سمیت سب ہی بن ماں باپ کے ہیں یہاں۔" رضا نے اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔
"میں مزید اپنا مغز پلپلا نہیں کرسکتا، لہٰذا اللہ حافظ۔" عجب اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
اس نے دروازے کی جانب قدم بڑھائے تھے، جب رضا اور ہادی نے ہم آواز ہوکر گانا شروع کیا۔

بابل کی دعائیں لیتا جا......
جا تجھ کو سکھی سنسار ملے......

دروازے پر پہنچ کر عجب رکا۔ دائیں ہاتھ کا پنجہ پورا کھول کر ان دونوں کو دکھایا اور دھاڑ سے دروازہ ان کے منہ پر بند کیا۔
"یاہو......" رضا نے خوشی سے بھرپور ایک نعرہ لگایا۔
"اب ہماری زندگیوں میں کوئی عجب نہیں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوگا۔" لمحہ لگا ہادی کو بات سمجھنے میں اور اس کے بعد دونوں نے مل کر ناچنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

راحت جو بچپن میں روحی کہلاتی تھیں۔ آٹھ برس کی تھیں جب ان کے ماں باپ ایک حادثے میں گزر گئے۔ خالہ ان کو اپنے گھر لے آئیں۔ خالہ کے سات بچوں کے ساتھ ان کی پرورش ہوئی۔

لڑکوں، لڑکیوں سب کو دس جماعت خالہ نے پاس کروائی۔ اس کے بعد لڑکوں کو باہر بھیج دیا جاتا، جہاں ان کے گھرانے کے بیشتر افراد سکونت پذیر تھے اور لڑکیوں کو بیاہ کر اگلے گھر روانہ کر دیا جاتا۔

جب روحی کی شادی کا نمبر آیا تو اس کو بھی بیاہ دیا گیا۔ وہ شادی کے بعد راحت ہی کہلائیں۔ خالہ کی زندگی تک سب خالہ زاد بہن بھائیوں سے ملنا ملانا رہا، اس کے بعد سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے۔

کبھی کبھار جو کسی شادی، خوشی غمی پر ملاقاتیں ہو جاتیں۔ رفتہ رفتہ وہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئیں۔

اور بچوں کی شادی اور ان کے بچوں کے بعد تو عرصۂ دراز سے ان کا کسی خالہ زاد بہن بھائی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

خالہ کے گھر کے صحن کے بیچوں بیچ برگد کا بڑا سا پیڑ تھا۔ گلی ہی میں مائی رحمت کی چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی۔ جسے سب مائی رحمت کی ہٹی کہتے تھے۔

سخاوت، صدیقہ اور مصور ان کے خالہ زاد تھے جن کے ساتھ مل کر وہ جنگلی بیر توڑنے جایا کرتیں۔

یہ کون تھا...... جو اتنے برس بعد ان کو سب یاد کروا گیا۔

"آپ بیلی باجی کے میاں ہیں؟" راحت نے اپنی سب سے بڑی خالہ زاد کا نام لیا۔ یہ چہرہ...... یہ نقوش بالکل اجنبی اجنبی سے دکھ رہے تھے۔

"نہیں...... میں ایزد ہوں......" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا اچھا...... ایزد بھائی" راحت جوش سے بولیں۔

وہ خالہ کی پہلوٹی کی اولاد تھے اور جب راحت ان کے گھر آئی تھیں، تب وہ باہر رہائش پذیر تھے۔ راحت کے ہوتے وہ شاید ایک یا دو بار پاکستان آئے تھے۔ لیکن راحت کی یادداشت میں ان سے منسلک کوئی واقعہ محفوظ نہ تھا۔

"تو آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ اتنے عرصے کے بعد وہ ہماری تو شاید ایک یا دو بار ملاقات ہوئی ہوگی ساری زندگی میں۔" راحت کی حیرت بجا تھی۔

"اماں وقتاً فوقتاً جو تصویریں باہر بھجوایا کرتی تھیں، ان میں تمہاری تصویریں بھی ہوتی تھیں اور ہم پردیس کے رہنے والے تو دیس کی ایک ایک یاد کو آنکھوں کے راستے دل میں اتار لیتے ہیں۔

پھر تمہاری شادی کی تصویریں بھی ہیں میرے پاس۔ اماں نے بھجوائی تھیں۔ اب بھی کبھی گزرا وقت یاد آتا ہے تو تصویریں نکال کر دیکھتا رہتا ہوں۔"

کچھ آزردگی سے وہ بولے۔

"پھر بھی ایزد بھائی! آپ کی یادداشت کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ کمال پہچانا آپ نے مجھے، ورنہ میں تو اب تک آپ کو پہچاننے کی ہی کوشش کر رہی ہوں۔" راحت خود ہی خود پر ہنسیں۔

"اچھا۔ اس سے ملیے یہ پوتی ہے میری۔" انہوں نے موول سے ان کا تعارف کروایا۔ انہوں نے موول کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔

ان ہی باتوں کے دوران باقی سب بھی پہنچ گئے۔ ان کو جب دادی کے اتنے پرانے رشتے دار کے متعلق معلوم ہوا تو سب ہی گھر چلنے پر اصرار کرنے لگے

سوا ایزد کا سی کو مانتے ہی بنی۔

☆☆☆

نکاح بخیر و خوبی انجام پا گیا۔

نکاح کی تیاری سمیت بقایا تمام انتظامات، منہاج کے دوست مرزا اکبر کے گھر انجام پائے تھے۔ مرزا اکبر کی سالی جو شادی کے دو سال بعد ہی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بیوہ ہوگئی تھی۔ ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھی اور پچھلے ایک سال سے مرزا اکبر منہاج کو دوسری شادی کے فضائل بتاتے ہوئے اپنی سالی سے نکاح ثانی کے لیے قائل کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

سو آج پورے سال کی محنت رنگ لے آئی اور تیس سالہ عافیہ اس وقت سکڑی سمٹی، سرخ عروسی جوڑا پہنے منہاج ولا میں سر جھکائے بیٹھی اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

شادی کے سال بھر بعد ایک مردہ بچے کو جنم دیا تھا عافیہ نے اور پھر اگلے سال میاں کی ناگہانی موت......وہ منحوس قرار دے کر نکال دی گئی تھی۔

اکلوتی بہن کے گھر کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ سو رہنے پر مجبور تھیں۔

ایسے میں جب باجی اور بہنوئی نے دوسری شادی کا مژدہ سنایا تو ان کے پاس اقرار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔

"میری سالی خاصی خوش شکل اور انتہائی سگھڑ لڑکی ہے۔ تم پچھتاؤ گے بھی نہیں، اس کو زندگی میں شامل کرکے۔"

ہونے والی شریک حیات کا بس اتنا ہی تعارف کروایا تھا مرزا نے۔ لیکن وہ اتنی حسین ہوگی یہ تو منہاج کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

خود سے پندرہ برس چھوٹی، انتہائی حسین اور خوب صورت بیوی۔ وہ مدہوش ہوئے جارہے تھے۔

رفعت اور احساس جرم پیچھے، بہت پیچھے ہی کہیں رہ گیا تھا۔

"یہ جلدی میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا بس یہی لاسکا۔" گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے ایک مخملیں ڈبیا انہوں نے عافیہ کے سامنے کی۔

ایک نظر عافیہ نے اس ڈبیا پر ڈالی۔ دوسری منہاج کے چہرے پر اور ساتھ ہی شرماتے ہوئے گردن جھکالی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ان کا دوسرا شوہر اتنا خوش شکل اور سوبر انسان ہوگا۔

دل میں کچھ نرم، گرم سے جذبات جاگے تھے۔ جھجکتے ہوئے اپنا خوب صورت حنائی ہاتھ منہاج کے سامنے کرتے ہوئے عافیہ نے ایک زندگی اور حتوشی سے بھرپور نظر ان پر نچھاور کی۔

لمبی لمبی مخروطی انگلیوں والا ہاتھ تھامے۔ انہوں نے انگوٹھی کو رونق بخشی جو اس حسین وجمیل ہاتھ میں پہنچ کر سج گئی تھی۔

اور پھر وہ ہاتھ انہوں نے تھامے رکھا، کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔ فاصلے خود بخود گھٹتے چلے گئے۔

اور وہاں سے میلوں دور بے خبر بیٹھی رفعت بھانجے کی شادی کو یادگار بنانے میں مصروف تھیں۔

☆☆☆

"بہن بھائیوں میں ایک میں بچا ہوں اور ایک سخاوت باقی سب اپنی زندگی پوری کرگئے۔"

ایزد کاسی نے چائے کی پیالی اپنی جانب کھسکائی جو کچھ ہی دیر پہلے ہانیہ رکھ کر گئی تھی۔

"تو ماموں جان! آپ کی اپنی فیملی میں کون کون ہے؟" خرم نے سوال کیا۔

"ایک پوتا اور ایک نواسہ۔ اس کے علاوہ ایک بچہ اور ہے، یتیم بچہ ہے۔ اس کی حال ہی میں شادی کی ہے۔ ایک خطرناک حادثے نے میری بیوی، بیٹی، بیٹے اور بہو کو ایک ہی جھٹکے میں ہم سے جدا کردیا۔ دراصل بس کے اس حادثے میں، کوئی ایک انسان بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ چالیس کے چالیس لوگ جل کر خاک ہوگئے۔" وہ آزردہ ہوئے۔ باقی سب بھی اداس ہوگئے۔

"بھئی تم سب سے مل کر بہت اچھا لگتا ہے۔ تم ان سب کو لے کر کسی دن میری طرف آؤ روحی!"

"ضرور ایزد بھائی۔ ضرور آئیں گے ہم سب۔" راحت بولیں۔

"اور تمہارا ایک چھوٹا بیٹا بھی تو ہے وہ اور اس کی بیوی اب تک نظر نہیں آئے۔" ایزد کاسی نے پیالی خالی کرکے میز پر رکھی۔

"وہ الگ رہتا ہے۔ اس نے ڈی ایچ اے میں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اپنا گھر بنایا ہے۔" راحت نے ایک جملے میں بات ختم کی۔

"اچھا......" انہوں نے سر ہلایا۔

"بھئی......اس اتوار کو تم سب لوگوں کی دعوت ہے ہماری طرف۔ تم لوگ کوئی اور مصروفیت نہ رکھنا۔" ایزد کاسی نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم سب آئیں گے اور ضرور آئیں گے ایزد بھائی۔" راحت خوش دلی سے بولیں۔

وہ تمام لوگ ان کو چھوڑنے باہر تک آئے۔

☆☆☆

"باغ پر خوب محنت کی ہے تم نے۔" انہوں نے توصیفی نظروں سے پھلوں اور پھولوں سے بھرے باغ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اللہ غریق رحمت کرے، خرم کے ابو نے اپنے ہاتھ سے لگائے تھے۔

یہ سارے درخت، ان کو تو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ راحت یکایک اداس ہوئیں۔

ایزد کاسی نے سر ہلایا۔

"روحی! تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی، اگر تم برا نہ مانو۔"

"کمال کرتے ہیں ایزد بھائی آپ۔ بہن بھائیوں میں یہ برا ماننے والی بات کہاں سے آ گئی۔"

تمہاری پوتیاں ماشاء اللہ سے بہت پسند آئی ہیں مجھے۔ بہت اچھی تربیت کی ہے ان کی ماؤں نے ان کی۔

مجھے اپنے پوتے اور نواسے کے لیے بالکل ایسی ہی بچیاں چاہئیں۔ تو تم بچوں کو لے آنا وہ اور بڑے سب آپس میں مل لیں۔ اللہ خیر رکھے، تو یہ پرانی رشتے داری کسی نئی رشتے داری کا پیش خیمہ بن جائے گی۔" ایزد کاسی نے بات مکمل کی۔

راحت بیگم نے مسکرا کر سر ہلایا۔

☆☆☆

نمر نے صبح سے گھر میں طوفان اٹھا رکھا تھا۔

ابھی دو دن پہلے دادی کے بھائی رشتے کی بات کر کے چلے گئے۔ آج وہ پڑوس سے منہ اٹھا کر آ گئیں۔

"تمہیں آپ کی زارا اپنے بابر کے لیے بہت پسند ہے۔" اس نے منہ بگاڑ کر نقل اتاری۔ "اور آپ آرام سے بیٹھی تماشا دیکھ رہی ہیں۔ کل کو وہ بیاہ کر چلی جائے گی اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

گھر میں نمر اور ہما کے علاوہ کوئی نہیں تھا سو خوب با آواز بلند نمر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھولتی زارا اپنے نام پر ٹھٹک کر رکی۔

"بھئی، ابھی تو صرف رشتہ ڈالا ہے انہوں نے۔ کون سا بات پکی ہو گئی ہے۔" ہما اس کو ٹھنڈا کرنے کے چکر میں مزید گرم کر گئیں۔

"جی، ابھی رشتہ ڈالا ہے اور کل کو نکاح کر لیں گے اور رخصتی کے وقت مجھے آواز دی جائے گی۔ اے نمر میاں...... آ کر بہن کو قرآن کے سائے میں رخصت کرو۔" نمر نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ہما کی بے اختیار ہنسی چھوٹی۔

"میں نے بات کر لی ہے امی جان سے۔ بے فکر رہو۔ وہ خود ر باب سے بھی بات کر لیں گی اور بابر اور اپنے بھائی کے نواسے کے لیے بھی منع کر دیں گی۔ تمہیں خواہ مخواہ گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہما تائی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

یا اللہ اگر یہ حقیقت ہے تو وہ کیا تھا؟

اور اگر وہ حقیقت تھی تو پھر یہ کیا......؟

"ہما تائی کہاں ہیں؟" اس نے ادھر اُدھر دیکھتے نمر سے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ خفا خفا سا بولا۔ "ایک بات کان کھول کر سن لو۔" اس کے اپنے کمرے کی جانب بڑھتے قدم سست پڑے۔

"تم بیاہ کر اس گھر سے کہیں نہیں جا رہیں۔"

زارا نے پلٹ کر نمر کی شکل دیکھی۔

نمر نے اس کی طرف دیکھنے سے احتراز برتا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے چہرے پر کون سا سوال رقم ہوگا۔

"آپ نے دادی کے پوچھنے پر کہا تھا، میں بھلا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس بنگالی ساحرہ سے شادی کروں گا؟ مجھے کوئی کالا جادو کروانا ہے؟" کہتے کہتے اس کی آواز میں نمی گھلی۔

وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"اور یہ سب کہنے کے بعد...... میں نے دادی اور امی دونوں کو آنکھ ماری تھی۔ کیوں کہ میں نے شیشے میں تمہارا عکس دیکھ لیا تھا اور تمہارے بھاگ کر واپس جانے کے بعد میں نے کہا تھا...... کہ زارا سے نہیں کروں گا تو بھلا اور کس سے کروں گا۔ اس ساحرہ نے سحر کر دیا ہے مجھ پر۔"

وہ خاموش ہو کر اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

زارا نے بے یقین نگاہوں سے اسے گھورا تو وہ جلدی سے بولا۔

"یقین نہیں آتا تو دادی اور امی سے پوچھ لو۔ وہ تصدیق کر دیں گی۔"

اور اس کو تصدیق کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

وہ تو ویسے ہی مان گئی تھی۔

☆☆☆

رفعت زار و قطار رو رہی تھیں۔

وہاں موجود تمام نفس دم سادھے بیٹھے تھے۔

ایسے میں راحت بیگم کی آواز رفعت کے کانوں تک پہنچی۔

"جس شریعت نے تمہیں شوہر کے ساتھ الگ رہنے کا حق دیا ہے۔ اسی شریعت نے تمہارے شوہر کو دوسری شادی کا بھی حق دیا ہے۔"

"خدارا! کچھ کریں۔ میرا گھر برباد ہونے سے بچا لیں۔"

رفعت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان سب کے پاؤں میں گر کر کسی طرح وقت کا پہیہ الٹا چلا دیں اور سب ٹھیک کر دیں۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" خرم نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل کے لیے ہم منہاج کو مجبور نہیں کر سکتے۔ بہر حال اب وہ اس کی بیوی ہے۔ تم اس کے ساتھ مل جل کر گزارہ کرنے کی کوشش کرو، اگر چہ یہ تمہارے لیے خاصا مشکل ہو گا۔"

خرم نے بات ختم کی۔ وہ بے بسی سے ان سب کو دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

دونوں دلہنیں غضب ڈھا رہی تھیں۔

صوفے کی درمیان میں زارا اور ہانیہ بیٹھی تھیں جب کہ زارا کے ساتھ نمر اور ہانیہ کے برابر میں رضا بیٹھا تھا۔ ہادی فوٹو گرافی کر رہا تھا۔

"ذرا ایک ایک چماٹ مجھ کنوارے کو بھی رسید کر دیں آپ سب لوگ...... تاکہ میرا بھی کچھ بھلا ہو جائے۔"

ہادی دونوں جوڑوں کے انتہائی قریب آتا ہوا بولا۔

"چماٹ کیوں؟ ہم سب مل کر آپ کی اچھی سی مرمت کرتے ہیں تاکہ جلدی جلدی زیادہ بھلا ہو جائے۔"

"کیوں جی، کیا خیال ہے آپ سب کا۔" رضا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بسم اللہ کریں۔ میں پورا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔" نمر نے مصنوعی آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے؟" رضا شرارت سے ہانیہ کے قریب ہوا۔ وہ گھبرا کر خود میں سمٹ گئی۔

"ویسے تو آپ خاصا بولتی ہیں۔" رضا اس دن کی باتیں یاد کر کے مسکرایا۔ "آج کے دن خاموش رہنے کی کوئی خاص وجہ؟" اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"اور اگر میں کچھ بولوں گی تو آپ برا تو نہیں مانیں گے۔" ہانیہ نے بڑی بڑی آنکھیں رضا پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ رضا کا دل ہاتھوں سے نکلنے لگا۔

"کہیں تو سہی۔"

"وہ... آپ واقعی ہمارے گھر کے آس پاس پھل چوری کرنے نہیں آتے تھے؟"

اس کی بات پر پڑنے والے زارا، نمر اور ہادی کے قہقہے بہت بے ساختہ تھے کہ سب ہی پھل چوری والی اسٹوری سے کافی حد تک محظوظ ہوتے رہے تھے۔

رضا نے خجل ہو کر سر کھجایا اور پھر وہ بھی ان کے قہقہوں میں شامل ہو گیا۔

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

بینا صدیقی

آج کی اکبری اصغری

MAZHAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گھر والوں کے بعد......
اب مکھیوں کے ناشتے کی باری تھی۔
میز پہ اب تک ناشتے کے آثار باقی تھے۔ مکھن میں لتھڑی ہوئی چھری میز پہ پڑی اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ بچوں کے چھوڑے ہوئے دودھ کے گلاسوں اور چائے کی جھوٹی پیالیوں پہ اب مکھیاں ناشتہ کر رہی تھیں۔ ماہین ان سب چیزوں سے بے خبر سر جھاڑ منہ پہاڑ نظریں ٹی وی پہ جمائے مارننگ شو دیکھنے میں مگن تھی۔
اتنے میں اندر سے ایاز کی سہمی سہمی آواز آئی۔
''ماہین میری نیلی ٹائی کہاں ہے۔ مل ہی نہیں رہی۔''
ماہین نے غصے سے منہ کمرے کی طرف کر کے کہا۔ ''دراز کے نیچے والے خانے کی اوپر والی سائیڈ میں دیکھو۔ اور میرا مارننگ شو خراب نہ کرو، اپنی چیزیں خود سنبھال کے رکھا کرو۔''
ایاز خاموش ہو گیا اور جلدی جلدی سیاہ ٹائی لگاتا کمرے سے باہر آیا۔
''میں نے کالی ٹائی لگا لی ہے اور سوری۔ الماری اور کمرا ذرا الٹ گیا ہے جلدی میں۔ میں آ کے ٹھیک کر دوں گا۔''
''تو یہ ہے میں گھر دیکھوں، بچے دیکھوں یا ان حضرت کے کپڑے جوتے؟ حد ہو گئی ہے۔'' ماہین غرائی۔
''نہیں نہیں، تم صرف ٹی وی دیکھو، باقی چیزیں میں دیکھ لوں گا واپس آ کے۔'' ایاز کو صبح صبح دھماکوں اور گولہ باری سے ڈر لگتا تھا۔ اس لیے کان دبائے نکل لیا۔
حقیقت یہ تھی کہ ماہین کو ٹی وی دیکھنے کا اتنا شوق تھا کہ باقی کسی اور چیز کو دیکھنے کے لیے ٹائم بچتا ہی نہیں تھا۔ گھر کے کونے کونے میں جالوں کی شان دار نمائش جاری تھی۔ بستروں پہ میلی پھٹی چادریں بچھی تھیں۔ تولیے چیتھڑے ہو کے ادھر ادھر پڑے ملا کرتے۔ میز اور کرسیوں پہ دھول مٹی سے خوب صورت نقاشی کی گئی تھی۔ کھانا زیادہ تر بازار سے آرڈر کیا جاتا، جب مہینہ ختم ہونے لگتا اور پیسے کم پڑ جاتے تو نکڑ کے ہوٹل سے سستی دال اور روٹی منگوا کر گزارا کیا جاتا۔ کچن میں برتن اوندھے پڑے رہتے اور مختلف طرح کے بازاری کھانوں کے ڈبے جگہ جگہ بکھرے دکھائی دیتے۔ کوئی بھی جوان کے گھر چند لمحوں کے لیے آتا، بڑی آسانی سے جان سکتا تھا کہ گزشتہ ہفتے کن کن جگہوں سے کھانا منگوا کے کھایا گیا ہے؟
رہے بچے تو حنان اور حریم دو بچے تھے ماہین اور ایاز کے۔ حنان کو ایسی بیماری تھی کہ ہر وقت ناک بہتی رہتی۔ حریم کے بال لمبے مگر ہر وقت الجھے رہتے کیونکہ اس کی ماں کے پاس اس کے لمبے بالوں کو سلجھانے کا وقت کم ہی ہوا کرتا تھا۔ حریم اور حنان بھی ماں کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے کوئی بھی چیز استعمال کرنے کے بعد اسے اس کی جگہ پہ واپس رکھنا جرم سمجھتے تھے۔ اس لیے اسکول کی کاپیاں اکثر صوفوں کے نیچے اور پنسل ربر فرج کے اوپر آرام کرتے پائے جاتے۔ ایاز کبھی کبھار کچھ کہہ بیٹھتا تو ماہین چیخ چیخ کے چیزیں توڑنے اور پھینکنے لگتی۔ ساتھ ہی بچے لے کے اپنی امی کے گھر چلے جانے کی دھمکی دیتی جو کارگر رہتی۔ ایاز کو اپنے بچوں سے ایسی شدید محبت تھی کہ لمحے بھر کو بھی ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔
ماہین کو ریڈی میڈ کپڑوں اور ریڈی میڈ کھانوں کے ساتھ ساتھ ریڈی میڈ آنسوؤں کا بھی بڑا شوق تھا۔ جیسے ہی ایاز کسی بات پہ جھنجلا کے کوئی سخت بات کہہ دیتا، ماہین فٹافٹ بڑی بڑی آنکھوں کے بٹن دبا کے گویا خودکار آنسو نکال لاتی اور ایاز کو ہار مانتے ہی بن پڑتی۔ بنیادی طور پہ ایاز ایک بزدل اور کمزور آدمی تھا۔
ماہین، ایاز کے جانے کے بعد اطمینان سے بکھری چیزوں کے بیچ بیٹھ کے ٹی وی پر مارننگ شو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

بوتلوں میں لگی ہوئی منی پلانٹ سے لے کے سلیقے سے بُنے ہوئے ڈوریوں والے تولیہ اسٹینڈ،

بے داغ سفید تولیے، صاف ستھری چادریں، کمروں میں مختصر لیکن صاف ستھرا اور سلیقے سے سجا ہوا فرنیچر۔

رضیہ بیگم نے چھوٹی بہو کے گھر میں قدم رکھتے ہی سو بار نظر دوڑائی لیکن پچھلے ایک گھنٹے سے کوئی ایک بات بھی تو ایسی نظر نہ آئی تھی کہ جس پہ وہ کوئی جملہ کس سکتیں۔ زبان میں بری طرح کھجلی ہو رہی تھی۔ یہ کیا بات ہوئی؟ زمانوں بعد ساس، بہو کے گھر آئے اور اسے کچھ جلی کٹی کہہ کے اپنا ساس ہونے کا حق بھی نہ لے پائے؟ سویرا ان کی چھوٹی بہو تھی۔ جو ان کو شربت کا گلاس دینے کے بعد تخت پہ اخبار دے کے پنکھا چلا کے اب کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ گھر بھر میں قیمہ بھوننے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ رضیہ بیگم نے اخبار ایک طرف سرکا دیا۔ کہ ان کو قومی اور بین الاقوامی خبروں سے زیادہ بہو کی خبر لینے میں دلچسپی تھی۔

”بہو۔ یہ ہمارے بچے کب تک واپس آجاتے ہیں اسکول سے؟“

سویرا کچن سے باہر آ کے پسینہ پونچھتے ہوئے بولی۔

”بس آتے ہی ہوں گے امی۔ اسی لیے جلدی جلدی کھانا تیار کر رہی تھی کہ جب تک بچے کپڑے تبدیل کریں، میں کھانا گرم گرم میز پہ لگا دوں۔ قیمہ مٹر تو بھون لیا ہے۔ تھوڑے سے چاول ابال لیے ہیں اور رات کی ارہر کی دال ہے وہ گرم کرلی ہے۔ آپ کو کچھ خاص کھانا ہو تو بتایئے امی؟“

”اے خدا کو مان بہو رانی۔ یہ کس جانور کا قیمہ بھوننے بیٹھ گئی ہو؟ یہاں کراچی میں تو سُنا ہے کہ گائے بھینس کا تو گوشت اب ملتا ہی نہیں ہے۔ اب تو جانے کن کن جانوروں کا گوشت کاٹتے بیچتے پھرتے ہیں یہ موئے قصائی۔ اف توبہ۔ تب ہی تو کہوں، میرا بچہ دانیال اور پوتے سوکھ کے کانٹا ہوئے جا رہے ہیں؟ الا بلا کھلاتی ہو اُن سب کو؟“

”ارے امی۔ آپ نے بہت دنوں سے دانیال کو دیکھا نہیں۔ وہ تو ایک ذاتی توند کے مالک بن چکے ہیں۔ ڈاکٹر نے اُن کو وزن کم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ رہ گئے آپ کے دونوں پوتے تو شایان اور آیان کو میں ہر چھ مہینے بعد چیک اپ کرانے لے جاتی ہوں۔ دونوں بچوں کا وزن اُن کی عمر کے حساب سے بالکل مناسب ہے۔ آپ فکر نہ کیجیے امی۔“

سویرا نرمی سے ہنس کے بولی اور رضیہ بیگم کو مزید غصہ آ گیا۔

”ارے حد ہو گئی۔ تمہیں تو کوئی فکر ہی نہیں ہے اب اپنے بیٹے، پوتوں کی فکر میں بھی چھوڑ دوں کیا؟ اور ہاں بہو۔ یہ الگنی پہ بچوں کے یونی فارم سوکھ رہے ہیں۔ یہ کیا چکر ہے؟ ضرور اپنے پھوہڑپن میں تم نے یونی فارم دیر سے دھوئے اور آج میرے معصوم پوتے بغیر یونی فارم کے اسکول گئے ہوں گے۔ ہائے ہائے وہ معصوم اسکول میں مار کھا رہے ہوں گے۔“ رضیہ بیگم کو بالآخر اعتراض کا ایک موقع مل ہی گیا۔

”ارے نہیں نہیں امی۔ بچے یونی فارم پہن کے گئے ہیں۔ میں بچوں کے دو دو یونی فارم منگواتی ہوں تاکہ بچے ایک یونی فارم پہن کے جائیں، دوسرا دھلتا سوکھتا رہے۔ اس طرح بچے روز سفید چمکتا یونیفارم پہن کے جاتے ہیں۔“ سویرا محبت سے بچوں کی ننھی ننھی سفید شرٹوں پہ ہاتھ پھیر کے بولی۔

رضیہ بیگم منہ پر ہاتھ مار کے بولیں۔

”اف میرے اللہ۔ اس قدر فضول خرچی۔ اتنے چھٹانک بھر کے بچوں کے دو دو یونی فارم۔ میرے بچے کی جیب کا کباڑا کر دیتی ہو گی تم تو۔“

رضیہ بیگم کی زبان کو چابی مل چکی تھی۔ ابھی کچھ اور بھی کہتیں کہ وین کا ہارن سنائی دیا۔ اور سویرا دروازہ کھولنے لپکی۔ لال ٹماٹر چہرے لیے صاف ستھرے دو بچے اندر داخل ہوئے۔ سویرا نے ان دونوں کا ہاتھ تھام کے ان کو رضیہ بیگم کے سامنے کیا۔

”شایان اور آیان بیٹا! دادی اماں آئی ہیں۔ سلام کرو۔ شاباش۔“

شایان اور آیان نے سلام کیا تو رضیہ بیگم نے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دونوں کو سینے سے لگالیا۔ پھر بچوں کا سر سے پیر تک جائزہ لیا۔ بچے صاف ستھرے یونیفارم اور چمکتے سیاہ جوتوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

انہوں نے مایوس ہو کے گردن ہلادی۔ کیونکہ انہیں پوتوں کے حلیے میں کوئی ایسی قابلِ اعتراض بات نہ ملی جس پہ بہو کی کلاس لے سکتیں۔

☆☆☆

"اُفف ڈیڑھ بجنے والا ہے۔ بچے میرے سر پہ نازل ہونے والے ہوں گے اور میں پروگرام میں ایسی کھوئی کہ ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔ آتے ہی آدم بو، آدم بو کی طرح بھوک بھوک کا نعرہ لگادیں گے۔"

ٹی وی ڈرامے میں گم ماہین اچانک چونکی اور ہڑبڑا کے ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ "پکایا تو کچھ ہے نہیں۔ پیزا آرڈر کرتی ہوں۔ ارے کہاں چلا گیا میرا موبائل؟" ابھی وہ صوفے کے کشن ادھر ادھر پھینک کے موبائل تلاش کر ہی رہی تھی کہ گھنٹی بجی اور بچے اسکول سے آگئے۔

"مما! کیا پکایا ہے؟ بھوک لگی ہے۔" حریم نے آتے ہی سلام دعا کے بغیر چیخ کے پوچھا۔

"ارے پکایا تو کے ایف سی یا پیزا ہٹ والوں نے ہوگا۔ مما تو صرف آرڈر کرتی ہیں۔ یہ پوچھو کیا آرڈر کیا ہے آج؟" حنان بدتمیزی سے ہنس کے بولا۔ اور جوتے موزے ادھر ادھر اچھال کے اپنا ٹیبلٹ کھول کے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"ارے حنان! جوتے موزے ادھر ادھر کیوں پھینک دیے۔ اسکول کی چھٹی ہوگئی کیا؟ کل پھر اسکول جانا ہے کہ نہیں؟ صبح صبح ڈھونڈ مچے گی ان موزے جوتوں کی۔ مجھ سے مت کہنا تلاش کرنے کو۔" ماہین غصّے سے بولی اور ساتھ ساتھ ہاتھ مار کے موبائل تلاش کرنے لگی۔

"مما! جب حنان کے جوتے موزے رکھنے اندر کمرے میں جائیں ناں تو میرے جوتے موزے بھی رکھ دیجیے گا اور کھانا جلدی منگوائیں۔ بھوک لگی ہے۔" حریم جوتے اچھالتی صوفے پہ اوندھی لیٹ گئی۔

"ارے دم تو لو۔ موبائل پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ ملے گا تو آرڈر کروں گی ناں۔" ماہین اب جھنجلاہٹ میں چیزیں اٹھا اٹھا کے پھینکنے لگی۔ بچوں کو بھی یہ کھیل دلچسپ لگا۔ باقی کشن اور چیزیں انہوں نے اچھال پھینکیں۔ اتنے میں حنان پانی پینے کچن میں گیا اور مکھن میں لتھڑا ہوا موبائل لیے کچن سے نکلا۔

"مما، یہ صبح سے کچن میں پڑا ہے۔ جب آپ ناشتے کے لیے توس پہ مکھن لگا رہی تھیں تب سے یہ وہیں پڑا ہے۔" ماہین نے جھپٹ کے موبائل بچے کے ہاتھ سے لیا۔ اس کی اسکرین مکھن سے ——— گندی ہو رہی تھی۔ ماہین نے جلدی سے صوفے پہ پڑی حنان کی اسکول کی ٹائی سے موبائل کی اسکرین صاف کی تو حریم قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔

"ہاہاہا۔ مما! آپ نے حنان کی ٹائی پر مکھن لگا دیا۔ اب اس کو کل اسکول میں ڈانٹ پڑے گی۔"

ماہین غصے سے بولی۔ "چپ کرو بدتمیز۔ مجھے آرڈر کرنے دو، اب تو مجھے بھی بھوک لگنے لگی ہے اور آرڈر لانے میں وہ گھنٹہ لگا دے گا۔" ماہین جلدی جلدی نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

گرما گرم، نرم پھولی پتلی چپاتیاں، گرم گرم سرخ بھنا ہوا قیمہ جس میں ہرے ہرے مٹر بہار دکھا رہے تھے۔ ساتھ میں بھاپ اڑاتے سفید ابلے چاولوں کی ڈش اور ارہر کی کھلی ملی، پیاز کے تازہ بگھار کے ساتھ دال۔ رضیہ بیگم نے دسترخوان پہ تنقیدی نگاہ ڈالی۔ پھر کہا:

"بہو! قیمہ بھونا ہے۔ ساتھ کوئی سبزی بھی بنا لیتیں۔ سبزی سے دسترخوان پہ ہریالی آتی ہے اور بچوں کو بھی سبزی کھانے کی عادت پڑتی ہے۔"

"جی امی۔ اصل میں دوپہر کے کھانے پہ صرف میں اور بچے ہی ہوتے ہیں تو زیادہ اہتمام نہیں کرتی۔ رات کی بچی ہوئی دال سالن گرم کر کے تازہ چاول ابال لیتی ہوں۔ یہ تو آپ کے لیے میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نے قیمہ بھونا ہے۔ بچوں کے لیے رات کی دال بگھار سے تازہ کردی ہے۔'' سویرا نے نرمی سے کہا۔

''ارے توبہ کرو۔ میرے معصوم پوتوں کو باسی دال کھلا کے بیمار کرنا چاہتی ہو؟ بچت تو بھورانی! نکل جائے گی ناک کے راستے اگر۔ میرے منہ میں خاک۔ میرے پوتوں کو کچھ ہو جائے۔ لعنت ہو ایسی بچت پہ۔'' رضیہ بیگم عادت سے مجبور ہو کے بھڑک اٹھی تھیں۔ سویرا شرمندہ سی ہو کے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی۔

☆☆☆

''امی تھوڑے دن اور رُک جاتیں ناں؟''

دانیال نے لاڈ سے ماں کا کندھا تھاما۔

''ارے نہیں بیٹا۔ تمہاری بیوی نے تو بچتوں کا حال سنا سنا کے مار ڈالا۔ لگتا ہے فاقے کاٹ رہے ہو تم میاں بیوی۔ ایسے میں بوڑھی مہمان ماں تو بوجھ ہی ہوئی ناں؟''

دانیال نے سویرا کو غصے سے گھورا۔

''سویرا۔ ایسا کیا ہوا ہے؟ امی کے کھانے پینے میں کوئی کمی ہوئی ہے؟'' دانیال نے سوالیہ نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

''نہیں تو دانیال۔ امی جتنے بھی دن یہاں رہیں، میں نے تو اپنی سی پوری کوشش کی۔ امی کے لیے اچھے سے اچھا کھانا پکانے کھلانے کی۔ البتہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن پہ میرا کوئی کنٹرول نہیں کہ ہمارے ہاں اے سی نہیں ہے۔ جنریٹر بھی نہیں۔ لائٹ پانچ پانچ گھنٹے کے لیے چلی جاتی ہے تو امی جی کا بی پی ہائی ہو جاتا ہے۔''

سویرا سر جھکا کے آہستہ سے بولی۔ تو دانیال بھی شرمندہ ہو کے بولا۔

''امی! واقعی آپ کو میرے گھر تکلیف ہی ہو رہی ہوگی۔ میں نے تو اپنی محبت میں سوچا ہی نہیں کہ ہمارا گھر کتنا تنگ ہے اور جنریٹر اور اے سی جیسی سہولتیں بھی نہیں۔ آپ بزرگ اور بیمار ہیں۔ شان بھائی کے گھر ان سب سہولتوں کے ساتھ رہتی تھیں۔ ٹھیک ہے میں آپ کو شان بھائی کے گھر واپس لے چلتا ہوں۔''

''ارے شان تو مجھ سے تنگ آیا بیٹھا ہے۔ میں اب ذرا ایاز کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ ایاز اور ماہین بہو کے ساتھ کچھ دن گزار لوں گی۔ کسی کے سر پہ زیادہ دن سوار رہنا مجھے بھی پسند نہیں ہے۔ مجھے ایاز بیٹے کے گھر لے چلو۔ یا پھر اس کو فون کر کے بلا لو۔ آ کے بوڑھی ماں کو لے جائے۔ ایاز کے پاس اچھی جاب ہے، بڑا گھر ہے۔ سکون سے رہوں گی۔ بچت اسکیم کا حصہ بن کے تو نہیں رہ جاؤں گی ناں۔'' رضیہ بیگم بے زاری سے بولیں۔ دانیال اور سویرا ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے۔

☆☆☆

ایاز گاڑی چلا رہا تھا اور چہرے پہ کافی گھبراہٹ تھی۔ برابر میں رضیہ بیگم اطمینان سے بیٹھی تھیں اور ڈگی میں اُن کا سامان تھا۔ رضیہ بیگم نے پوچھا۔

''ارے تمہاری نوکری تو ٹھیک جا رہی ہے ناں ایاز؟ دانیال بے چارے کو تو تین مہینے پہ ایک تنخواہ مل رہی ہے۔''

ایاز سر ہلا کے بولا۔ ''جی جی۔ امی۔ ماشاءاللہ سے نوکری بالکل ٹھیک چل رہی ہے اور تنخواہ بھی ٹائم پہ باقاعدگی سے ملتی ہے۔''

رضیہ بیگم سکون بھرا سانس لے کے بولیں۔

''چلو شکر ہے۔ ورنہ سویرا بہو کے گھر تو بچت کی تکرار سن سن کے لگتا تھا کہ میں کوئی مصیبت بن کے بچت کے ماروں پہ نازل ہو گئی ہوں۔ اب تمہارے گھر میں سکون اور خوشحالی مل سکے گی۔''

ایاز گڑبڑا کے بولا۔ ''خوش حالی تو ضرور ہے مگر ساتھ ساتھ خشک مزاجی بھی ملے گی۔ سکون کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ دراصل ماہین کا مزاج سویرا بھابی سے مختلف ہے۔ سویرا بھابی جتنے ٹھنڈے مزاج کی ہیں۔ ماہین اتنی ہی گرم مزاج کی ہے۔'' ایاز کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

رضیہ بیگم جلدی سے بولیں۔ "اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ مجھے لگتا ہے، ماہین کو تم سے کچھ شکایتیں ہوں گی، ورنہ مجھ سے تو ہمیشہ اچھی طرح ملی ہے۔"

ایاز آہ بھر کے بولا۔ "یہ ہمیشہ صرف تین بار کا ہے امی۔ آپ پہلی بار اس سے رشتہ طے کرنے والے دن ملیں۔ دوسری بار بارات والے دن اور تیسری بار اس کے علیحدہ گھر کی تقریب میں۔ ان تین مواقعوں پہ وہ خوش تھی۔ آج تک آپ کی اس سے کبھی نارمل موڈ میں ملاقات نہیں ہوئی۔"

اتنے میں وہ گھر پہنچ گئے۔ رضیہ بیگم اور ایاز گاڑی سے اتر کے گیٹ کھول کے اندر پہنچے۔ رضیہ بیگم نے کہا۔

"تم کچھ بھی کہو۔ مجھے تو بڑی بہو میں کوئی برائی نظر......"

رضیہ بیگم کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ لکڑی کے کھلے دروازے سے ایک اڑتی ہوئی خالی پتیلی آ کے رضیہ بیگم کے پیر پہ لگی۔ وہ تکلیف سے بلبلا کے رہ گئیں۔ ایاز بری طرح شرمندہ ہوا۔ پتیلی کے تعاقب میں ماہین کی چیختی آواز بھی تھی۔

"اتنی دیر سے آئے ہو۔ کہا بھی تھا جلدی آنا۔ امی کے گھر جانا ہے۔ تم کو ساری دنیا کے کام کرتے ہوئے آنا تھا تاکہ میں لیٹ ہو جاؤں۔" ماہین کی ایسی شگفتہ گفتگو سن کے رضیہ بیگم ہکا بکا تھیں تو ایاز بری طرح شرمندہ۔ اس نے جھک کے ماں کے پیر کے پاس پڑی اسٹیل کی خالی پتیلی اٹھائی اور بلند آواز میں کہا۔ "ماہین۔ باہر آ کے دیکھو تو سہی کہ دیر کیوں ہوئی اور میں کس کو ساتھ لایا ہوں؟" وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

ماہین کی اندر سے ہی غراہٹ سنائی دی۔

"اُف۔ یعنی میں امی کے گھر جانے کی تیاری کیے بیٹھی ہوں اور تم کسی مفت خورے کو لے کے نازل ہو گئے ہو؟ حد کر دی۔ اب خود ہی بیٹھ کے کھلاؤ اسے۔ میں تو چلی کیب منگا کے امی کے گھر۔ ڈیپ فریزر میں پرانی تاریخوں کے ڈبہ بند کٹلس پڑے ہیں وہی خود تلو اور کھلا دو اپنے مفت خورے دوست کو۔ میں تو ہرگز کچن میں نہیں جانے کی۔"

ایاز مزید بوکھلا گیا اور بولا۔ "تم باہر تو آ کے دیکھو ناں۔" اتنے میں ہکا بکا رضیہ بیگم صدمے سے سنبھل کے اندر قدم بڑھا چکی تھیں۔ ٹی وی لاؤنج میں یہاں سے وہاں تک کشن بکھرے ہوئے تھے۔ بچوں کے یونیفارم، جوتے، موزے اور ماہین کے دوپٹے زمین پہ پھیلے تھے۔ کچن اوپن تھا۔ جس کی وجہ سے گندگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کچن کے سلیب پہ پیاز اور آلو کے چھلکے اور جھوٹے گندے برتنوں کے ڈھیر صوفے پہ بیٹھے بیٹھے دیکھے جا سکتے تھے۔ جو رضیہ بیگم نے ایک ساس کی عقابی نگاہوں سے دیکھ بھی لیے اور غصے سے لال ہو کے بول اٹھیں۔

"بڑی بہو، یہ گھر کا کیا حال کر رکھا ہے؟"

ماہین اُن کا سخت لہجہ سن کے بجائے شرمندہ ہونے کے بھڑک اٹھی اور تڑخ کے بولی۔

"مجھے کچھ کہنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ آپ بغیر اطلاع دیے آئی ہیں۔ کسی وقت گھر کا حال کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اب گھر پھیلا ہوا ملا ہے تو آپ کا اپنا قصور ہے۔ گھر والوں کا نہیں۔" ماہین کا گستاخ لہجہ سن کے رضیہ بیگم سکتے میں رہ گئیں۔ ایاز، ماں کا سفید چہرہ دیکھ کے جلدی سے آگے بڑھ کے بولا۔

"آئیے امی۔ میں آپ کو اندر کمرے میں لے چلتا ہوں۔ آرام کیجیے۔ پھر کھانا لگے گا تو آپ کو بلا لوں گا۔ جب تک بچے بھی ٹیوشن سے پڑھ کے واپس آ جائیں گے۔ اُن سے بھی ملاقات کر لیجیے گا۔"

رضیہ بیگم گم صم سی ایاز کے ساتھ چل دیں۔ ماہین کے چہرے پہ شدید غصہ تھا۔ ایاز واپس لوٹا تو وہ شیر کی طرح دھاڑی۔

"ملک کی تمام موبائل کمپنیوں نے اپنی سروس بند کر دی ہے کیا؟ اپنی امی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ صبح شام اپنے دکھڑے رو تو لیتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہو فون پہ۔"
ایاز گھبرا کے بولا۔ "دو چار دن کے لیے آئی ہیں۔ پھر واپس دانیال کے گھر چلی جائیں گی۔ ویسے تو تمہارا سلوک ایسا ہے کہ دو چار دن بھی رہنا مشکل ہوگا اُن بے چاری کا۔"
کھانے کی میز پہ بازار کی تیز مرچ کی گہرے سرخ رنگ کی روغن بھری نہاری بڑی ڈش میں لبالب بھری رکھی تھی اور ساتھ میں تندور کی سخت اور چمڑے جیسی لمبوتری روٹیاں ایک ٹرے میں اوندھی سیدھی پڑی تھیں۔ بچے نہاری الٹے چمچے سے نکال رہے تھے اور نہاری کی بوندیں میز، بچوں کے کپڑوں اور فرش پر گر رہی تھیں۔ رضیہ بیگم یہ سب کچھ دیکھ کے سکتے کی سی کیفیت میں تھیں۔
"ارے امی۔ کھائیے ناں۔ بڑے مزے کی نہاری ہے۔ شوکت کی نہاری بڑی مشہور ہے یہاں۔"
رضیہ بیگم بیزاری سے بولیں۔
"محلے کے ڈاکٹر نے مشہور کرائی ہوگی۔ اس کے پاس پیٹ درد کے مریض بھیجنے کا کمیشن ہوگا ناں نہاری والے سے۔"
ایاز گھبرا کے بولا۔ "کیا مطلب امی؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔"
"وہ تو خیر کوئی نئی بات نہیں۔ جب سے ماہین سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔ اُس کے بعد سے تم کچھ بھی نہیں سمجھے۔"
ایاز نے بوکھلا کے ماہین کو دیکھا جس کا چہرہ نہاری کے رنگ سے ملتا جلتا سرخ ہو چکا تھا۔ جانے نہاری تیز تھی یا ساس؟
رضیہ بیگم بات بدلتے ہوئے بولیں۔ "نہیں بیٹا۔ بس کھا لیا۔ ایک تو تیز مرچ مسالہ کھانے سے مجھے السر کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ساری رات پیٹ کے درد سے کروٹیں بدلتے گزرتی ہے اور پھر روٹیاں آٹے کے بجائے شاید ربر کی بنی ہوئی ہیں۔ نہ کھینچی جاتی ہیں نہ توڑی جاتی ہیں نہ چبائی جاتی ہیں۔"
رضیہ بیگم کے لہجے میں طنز کے بجائے اب بے بسی تھی۔
ماہین غصے میں چبا چبا کے بولی۔ "بھئی جب انسان کی عمر ایسی ہو جائے کہ دانت اور پیٹ جواب دے جائیں تو اُسے اپنے گھر میں ہی ٹک کے رہنا چاہیے۔ نہ کہ نت نئی جگہوں پہ جا کے دوسروں کے کھانے سے اپنا پیٹ اور دوسروں کا موڈ خراب کرنا چاہیے۔"
ایاز نے غصہ کرنے کی ہمت کی اور دبی دبی آواز میں بولا۔
"ماہین!"
وہ تو تنبیہ سن کے اور بھڑک اٹھی۔ پلیٹ پٹخ کے کھڑی ہو گئی اور چیخ کے بولی۔
"میں کل ہی بچوں کے ساتھ اپنی امی کے گھر رہنے جا رہی ہوں۔ تم رہو اپنی امی کے ساتھ۔ جنہیں ہر بات میں تنقید کی عادت ہے۔" ماہین زور زور سے پیر پٹختی کمرے میں گئی اور زور دار آواز کے ساتھ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ رضیہ بیگم اپنی عزت اپنے ہاتھ کے مقولے پہ عمل کرتے ہوئے کچھ دیر خاموش بیٹھی بیٹے کو دیکھتی رہیں پھر کہا۔
"بیٹا۔ کل اُسے نہیں۔ مجھے چھوڑ آنا دانیال کے گھر۔" ایاز خوش ہو کے بولا۔
"ٹھیک ہے امی۔ ویسے رک جاتیں تو اچھا تھا۔" وہ کچھ گڑبڑا گیا۔
رضیہ بیگم اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور طنزیہ کہا۔
"ساری زندگی یونہی گڑبڑائے ہوئے رہنا۔"
پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور بستر پہ جا لیٹیں۔ نیند آتی تو کیسے؟ بڑی بہو کے ہاتھوں زبردست بے عزتی ہوئی تھی کہ دماغ میں چبھ رہی تھی اور تیز لال مرچ سے بھرپور نہاری کے دو نوالے تھے کہ پیٹ میں ادھم مچائے دے رہے تھے۔ اٹھ کے ٹہلنے لگیں۔ پھر کچھ خیال آیا تو دھیان بٹانے کو اپنے سفری بیگ میں سے اپنا من پسند ناول مراۃ العروس

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نکال لیا اور تکیے سے ٹیک لگا کے پڑھنے لگیں۔ سو بار کا پڑھا ناول ہمیشہ ہی اچھا لگتا تھا۔ کم پڑھی لکھی تھیں۔ لیکن بچپن میں ہی ڈپٹی نذیر احمد کے ناول اپنی خالہ کی الماری سے نکال نکال کے پڑھ لیا کرتی تھیں اور چونکہ بے ضرر اور معاشرتی سدھار کے ناول تھے اس لیے ماں، خالہ، نانی کسی نے ان ناولوں کے پڑھنے پہ روک ٹوک بھی نہ کی تھی۔ یہ ناول گویا اُن کی بچپن کی یاد، میکے کی خوشبو، سسرال میں تنہائی کا سہارا اور بڑھاپے میں وقت گزاری کا مشغلہ تھا۔ لیکن جانے کیوں آج ناول میں بھی دل نہ لگا۔ انہوں نے ناول ایک طرف ڈال کے موبائل بیگ سے نکالا اور لاہور میں اپنے تیسرے بیٹے کے پاس موجود اپنے شوہر احمد علی کو کال کر کے دل کا غبار نکالا۔ احمد علی غور سے سنتے رہے اور رضیہ بیگم کہتی گئیں۔

''ارے آپ تو پچھلے مہینے ہو کے گئے ہیں کراچی میں دونوں بیٹا بہوؤں کے پاس سے۔ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کہ بڑی بہو تیتیا مرچ کی طرح تیز ہے اور ہر وقت بلی کی طرح پنجے نکالے شیر کی طرح غراتی ہے۔ توبہ نہ حسن ہے نہ سلیقہ۔ جانے ہمارا ایاز کس بات پہ گرویدہ ہے؟''

وہ دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بولیں۔ احمد علی جو دونوں بیٹا بہوؤں سے ایک مہینہ پہلے ہی مل چکے تھے۔ تسلی سے سنتے ہوئے سکون سے بولے۔

''بھئی ماہین میں کوئی تو گن ہوگا کہ تم مسلسل بیس منٹ سے اُسی کی بات کر رہی ہو۔ چھوٹی بہو سویرا کے گھر بھی گئی تھیں۔ تم نے ایک بار بھی اس کے سلیقے، سادگی، سگھڑاپے، کفایت شعاری اور فرماں برداری کا ذکر نہیں کیا۔''

''ارے بس دل جلا ہوا تھا اس لیے ماہین کی بات کرنے لگی۔'' رضیہ بیگم شرمندہ ہو کے بولیں۔

''دراصل ایاز اپنی بیوی کی زبان سے ڈرتا ہے اور ماہین اپنی عادت سے مجبور ہے۔ کچھ قصور اس میں ہمارے دبے دبائے بیٹے حضور کا بھی ہے بلکہ تمہارا بھی۔''

''واہ بھئی۔ یہ کھینچ تان کے میرا قصور کہاں سے نکال لائے آپ؟'' رضیہ بیگم غصے سے بولیں۔ احمد علی نے سنجیدگی سے کہا۔

''بڑا اور پہلا پہلا بیٹا ہونے کے ناتے تم نے اس کو بہت لاڈ میں پالا اور کوئی فیصلہ خود اُس کو نہ کرنے دیا۔ ہاتھ کا چھالا بنا کے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دبی دبائی شخصیت بن کے نکلا۔ اور ایسی شخصیت ماہین جیسی تیز طرار لڑکیوں کے لیے آئیڈیل شوہر ثابت ہوتی ہے۔ سو ایاز آئیڈیل شوہر بن چکا ہے۔ فرماں بردار بیٹا بننا اب شاید اُس کے لیے ممکن ہی نہیں۔ اچھا سب چھوڑو۔ موڈ ٹھیک کرو اور یہ بتاؤ کیا کر رہی تھیں اس وقت؟''

''کرتی کیا؟ وقت کاٹنے کو ایک ہی سہارا تو ہے میرا۔ وہی ہزار بار کا پڑھا ہوا ڈپٹی نذیر احمد کا ناول مراۃ العروس پڑھ رہی تھی۔ جانے کیوں آج دل کچھ ایسا جلا ہے۔ کہ اس میں بھی دل نہیں لگ رہا۔''

''ہوں...... ویسے تم نے کبھی سوچا ہے کہ کیا اکبری اور اصغری آج کل کے زمانے میں بھی ہوتی ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ الجھی سی گئیں۔

''مطلب یہ کہ اکبری اصغری آج کل کے دور میں بھی موجود ہیں۔ بس فرق اتنا ہے۔ کہ آج کل کسی میں اکبری کو ٹوکنے کی ہمت ہے نہ اصغری کی تعریف کا حوصلہ۔''

احمد علی کی بات سن کے رضیہ بیگم لمحے بھر کو سناٹے میں رہ گئیں۔ پھر خدا حافظ کہہ کے فون بند کر دیا۔ اور بستر پہ جا لیٹیں، اور سوچا۔ کل میں دانیال کے گھر جاتے ہوئے سویرا کے لیے لان کا سوٹ خرید کے لیتی جاؤں گی۔ بُری تو اپنی برائی منوا لیتی ہے۔ اچھی کی اچھائی ماننا اصل بات ہے۔ بدزبان اور پھوہڑ بہو کو سدھارنا میرے بس میں نہیں لیکن اچھی بہو کی قدر کرنا تو میرے اختیار میں ہے ناں؟

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جویریہ مریم

آہ! تمنائے دل

یخ بستہ ہواؤں نے اسے بری طرح ٹھٹھرا ڈالا تھا۔ اتنا کہ دانت بجنے لگے، جسم پہ کپکپی طاری ہوگئی۔ بائیک پوری رفتار سے تارکول کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ حسن جامد چپ لبوں پہ سجائے ہوئے تھا۔

"کتنی دور رہ گیا ہے گھر؟" نمرہ نے لرزتی آواز میں پوچھا تھا۔

"بس دس منٹ میں پہنچتے ہیں۔" جواباً اس نے بھی کانپتی آواز میں بتایا۔

"دس منٹ تو بہت زیادہ ہیں۔ میں اکڑ جاؤں گی سردی سے۔" نمرہ نے منمنا کر کہا۔

"پھر ایسا کرتے ہیں، ادھر ہی آس پاس کسی گھر میں گھس جاتے ہیں۔ صبح جب دھوپ نکل آئے گی تو گھر چلے جائیں گے۔" سنجیدہ آواز میں کہا گیا تھا۔

وہ اس کی جیکٹ کو گھور کے رہ گئی۔ ساتھ ہی دل سے آہ نکلی تھی۔ ناول، ناولٹ میں کیسے ہیرو اپنی جیکٹ اتار کر ہیروئن کو دے دیتے ہیں، اپنی پروا کیے بغیر اور ایک یہ شخص ہے جسے میں ٹھٹھرتی نظر ہی نہیں آرہی۔ کتنا انکار کرتی ہیں ہیروئنیں۔ پھر بھی ہیرو زبردستی اپنی جیکٹ دے دیتے ہیں۔ اس کا شدت سے دل چاہا تھا کہ حسن اسے اپنی جیکٹ اتار کر دے دے مگر وہاں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

"سنو......" اس نے آواز میں مزید کپکپاہٹ طاری کی تھی۔

"سناؤ۔" سنجیدگی سے کہا گیا تھا۔

"بہت زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ میری قلفی بن جائے گی۔"

"مجھے پتا ہے، سردی بہت زیادہ ہے۔ میں بائیک چلا رہا ہوں۔ ہوا کے تھپیڑے ڈائریکٹ میرے منہ پر لگ رہے ہیں۔ تم تو میرے پیچھے چھپ کے بیٹھی ہو، تمہیں کم از کم مجھ سے تو کم ہی لگ رہی ہے اور میکے سے سسرال تک کے اس تھوڑے سے سفر کی عادی ہو جاؤ۔"

نمرہ کو رونا آیا تھا یہ سب سن کر۔ اس نے ایک بار پھر اس کی جیکٹ کو گھورا تھا۔ کتنا بے حس تھا یہ شخص۔ ایک وہ نایاب جیلانی کی اسٹوری کا ہیرو تھا فرید۔ کیسے اس نے اپنی پروا کیے بغیر اسماء کو اپنی جیکٹ دے دی تھی۔ بہت دن پہلے پڑھی گئی اسٹوری اسے یاد آئی تھی۔

"اور قلفی جمتی ہے، بنتی نہیں ہے۔" حسن نے اس کے دوسرے جملے کا جواب دیا تھا۔ دو منٹ کی خاموشی کے بعد وہ کلس کے رہ گئی۔

اس نے حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کے بہانے جیکٹ کو مٹھی میں مسل دیا۔

"دھیان سے یار۔ گراؤ گی کیا۔ سردی کی وجہ سے پہلے ہی بائیک چلانا مشکل ہو رہا ہے۔" وہ بے زار سے لہجے میں بولا تھا۔ نمرہ نے اپنے آنسوؤں کا گلا بڑی مشکل گھونٹا تھا۔

"اگر تم بائیک چلا رہی ہوتیں ناں، تب تمہیں پتا چلتا، سردی کیا ہے۔" وہ اس کی خاموشی سے کوئی نتیجہ اخذ کر کے بولا تھا۔

"یہ کیا تم مجھے بار بار طعنہ دیے رہے ہو اس بات کا۔" وہ اس دفعہ بری طرح چڑی تھی۔

"کس بات کا؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"یہی کہ تم بائیک چلا رہے ہو اور میں تمہارے پیچھے بیٹھی ہوں۔ کیا میں بائیک چلاتی اور تم میرے پیچھے بیٹھے اچھے لگو گے؟"

حسن نے جھٹکے سے گھر کے سامنے بائیک روکی اور نیچے اتر کر اسے گھورا۔ وہ پھرتی سے نیچے اتر کے کھڑی تھی۔

"طعنہ نہیں بے وقوف، احساس دلا رہا ہوں۔"

"کس بات کا احساس؟" اب کے وہ حیران ہوئی تھی۔

"یہی کہ تمہیں میری بالکل فکر نہیں ہے۔ ایک علینہ بھابھی ہیں۔ اتنا احساس کرتی ہیں عمیر بھائی کا، ہر معاملے میں۔ عمیر بھائی کے گھر آنے سے پہلے گرما گرم چائے تیار، ہیٹر آن، کمبل دیتی ہیں۔ پاؤں دباتی ہیں۔" وہ ایک ایک کام گنوا رہا تھا۔ نمرہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن بھی وہ حسن کی بے حسی کے متعلق ہی سوچتی رہی تھی (بھئی جیکٹ نہیں دی تھی ناں)۔

پھر ایک خیال اس کے ذہن میں آ ہی گیا۔ حسن کی بے حسی ختم کرنے کے لیے اس نے وہ سارے رسالے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نکالے جن میں وہ کہانیاں تھیں جن میں ہیرو ہیروئن کو اپنی جیکٹ اتار کے دیتے ہیں۔ اس نے وہ کہانیاں نکالیں اور صفحے فولڈ کردیے۔ شام میں حسن آفس سے آیا تو اس نے مسکرا کر استقبال کیا۔ پھر کچن میں چلی گئی۔

حسن چینج کر کے ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ نمرہ گرما گرم کھانا نکالتے وقت یہ ہی سوچ رہی تھی، پتا نہیں حسن رسالے پڑھے گا بھی یا نہیں۔

خیر کھانا کھانے کے بعد ابھی حسن بستر میں بیٹھا ہی تھا کہ نمرہ جھٹ سے رسالے نکال لائی۔

''اب تم یہ پڑھوگی۔ یار ٹائم ہوتا ہے ہر کام کرنے کا۔'' وہ جھنجلایا تھا۔ نمرہ مسکرائی تھی۔

''ارے نہیں حسن! میں یہ نہیں پڑھ رہی۔ میں تو چائے بنانے جارہی ہوں۔ تم پڑھو یہ...... قسم سے بہت اچھی کہانیاں ہوتی ہیں ان میں۔''

''مجھے ساس بہو اور نند بھاوجوں کی لڑائیاں پڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا اور موبائل اٹھالیا۔ نمرہ مایوسی سے اسے دیکھتی رہ گئی مگر اگلے ہی لمحے اس نے مایوسی کو مار بھگایا۔

''اوہو۔ ایک تو تم ہر وقت موبائل میں ہی مصروف رہتے ہو۔ بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہیں، موبائل نے نئی نسل کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ مطالعے سے دوری کی وجہ سے ہی آج کی نئی نسل ایسی بے تکی ہے۔ فرصت کے لمحات کی بہترین دوست کتاب ہوتی ہے۔''

نمرہ نے بڑے مدبرانہ لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے فون لیا تھا۔ حسن اسے گھور رہا تھا۔

''میری بربادی کے کون سے قصے سن لیے ہیں تم نے...... اور کون سا بے تکا پن دیکھا ہے تم نے میرا۔ آٹھ ماہ ہماری شادی کو ہوئے ہیں اور تم سب کچھ جان گئیں میرے متعلق۔''

''میری بات کا یہ مطلب تھوڑی تھا۔'' آہ...... وہ دل ہی دل میں کراہ اٹھی۔

ایک وہ لڑکیاں ہوتی ہیں، جنہیں بغیر کچھ کہے شوہر کی جیکٹ مل جاتی ہے اور ایک میں...... اور میں کون سا اس کی جیکٹ پہننے کے لیے ترس رہی ہوں۔

ایک چاہ ہے، کتنا اچھا لگتا ہے شوہر کا یوں خیال کرنا۔

''تم تو برا ہی مان گئے حسن! میں نے تو ویسے ہی بس سنا سنایا تبصرہ کیا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا یار! چائے بنا لاؤ۔ مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ تم تو سارا دن گھر میں رہتی ہو۔ تمہیں کیا پتا باہر کی سردی کیا ہوتی ہے۔ بائیک پر ٹھٹھر کے رہ گیا۔''

وہ اپنے ہی دکھڑے رو رہا تھا۔ نمرہ کلس کے رہ گئی مگر ایک آخری کوشش سمجھ کے وہ کہہ اٹھی۔

''کیوں نہیں حسن! مجھے احساس ہے۔ اچھا میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔ تم یہ کہانی پڑھو۔ بور بھی نہیں ہوگے۔''

اس نے ایک رسالہ کھول کے اسے پکڑایا اور باقی تین میز پر رکھ دیے۔ حسن نے بادل ناخواستہ رسالہ پکڑا اور یوں ہی نظر دوڑانے لگا۔ نمرہ اس کا موبائل قبضے میں لیے کچن میں آگئی۔

عجیب سی خوشی ہو رہی تھی اسے، جو کہانی وہ اسے دے کر آئی تھی پڑھنے کے لیے، اس کے دوسرے صفحے پر ہی ہیرو ہیروئن کو اپنی جیکٹ اتار کے دیتا ہے۔ حصن کو پڑھتے ہی خیال آجائے گا کہ میں نے کل کتنی زیادتی کی نمرہ کے ساتھ۔ اسے اپنی جیکٹ نہ دے کر، وہ مسکرائی سوچ رہی تھی۔

اس نے جان بوجھ کر چائے بنانے میں دیر لگائی۔

''نمرہ! چائے بنا رہی ہو یا پائے گلا رہی ہو۔''

حسن اونچی آواز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے دانت کچکچائے تھے۔

''دو منٹ سکون سے پڑھا نہیں جارہا اس سے۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن سے باہر نکلی تو اسے سردی کا احساس ہوا تھا۔ وہ سوٹ کے ساتھ کا باریک دوپٹہ لیے ہوئے تھی۔ شال بیڈ پر پڑی تھی کمرے میں۔ وہ ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی تو دھک سے رہ گئی۔

حسن اس کی شال مفلر کی طرح لپیٹے، رسالے اپنے سامنے پھیلائے ماڈلز کو غور سے دیکھنے میں مگن تھا۔

وہ کراہ کے رہ گئی اور تیزی سے ماڈلز کے چہرے غائب کرنے کے لیے آگے بڑھی اور اس کے سامنے سے رسالے اٹھا لیے۔

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ناولٹ

فرح بخاری

وہ نازنین

عبدالواسع کوئٹہ میں وکالت کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ اپنے باغ کے حصول نے واسع کو وکالت کی طرف مائل کیا ہے۔ واسع کی بہن رباب پھوپھی زاد نصیر سے محبت کرتی ہے، لیکن گلشن پھپھو دونوں کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے ہاں بٹاوٹے سٹے کے شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔ سیف اور نغمہ کی شادی کو چھ برس بیت چکے ہیں لیکن ان کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنی۔ پشمینہ سیف کی بہن ہے، وہ رئیس کی بچپن کی منگ تھی لیکن چھ برس پہلے ایک واقعے نے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کردیے تھے۔ نازنین کوئٹہ شہر میں اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے بابا کسی بیوہ عورت سے چوری چھپے شادی کرچکے ہیں اور اس کا رشتہ اپنے ایک رنڈوے دوست کے ساتھ طے کردیتے ہیں۔

نازنین عین نکاح کے وقت شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دلہا والے دلہن کو زبردستی اٹھالے جاتے ہیں۔

ادھر واسع کوئٹہ سے گھر واپس جارہا ہے۔ بس میں ایک مسافر لڑکی تمام راستہ روتی ہوئی ملی، واسع کو شبہ گزرا کے اس کی ساتھی عورت اسے اغوا کرکے لے جارہی ہے لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرپایا۔

اگلے روز اسے اپنے کمرے میں اچانک سامنے پاکر واسع کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا وہ لڑکی اس کے چچازاد سیف اللہ کی سالی نازنین ہے اور اب یہیں رہنے والی ہے۔ نازنین کو اس کی بہن نغمہ نے مصیبت سے نکالا تھا۔ اب آگے پڑھیے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آٹھویں قسط

''تت...... تم دونوں...... یہاں؟'' واسع کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جھٹکے سے نکل کر اُن آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا جو بدستور اُس شخص کو پکڑے ہوئے تھے۔

''چھوڑ دیں بھائی! معافی چاہتا ہوں۔ دراصل پہچاننے میں غلطی ہوگئی۔''

''کیا ہوا تھا؟'' وہ آدمی تجسس سے پوچھنے لگے۔

''کچھ نہیں۔ بس پہچاننے میں غلطی ہوگئی تھی۔ یہ اپنے ہی ساتھی ہیں، ناحق آپ کو تکلیف دی۔'' واسع نے ریزرو انداز میں مختصراً ٹالا تو وہ بھی سمجھ گئے کہ تفصیل میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بڑبڑاتے ہوئے سائیڈ سے نکل گئے۔

''احمد، نگینہ۔ تم لوگ یہاں ہو کوئٹہ میں؟'' واسع کے لیے اُن دونوں کا یہاں ہونا حیران کن تھا۔ ایسے خطرناک حالات میں اگر وہ اپنے گاؤں کے اتنے قریب تھے، تب تو کبھی بھی کوئی بھی اُن تک پہنچ سکتا تھا۔

''یہاں رہتے نہیں ہیں واسع! ابھی دو روز پہلے آنا ہوا۔'' احمد نے نرمی سے وضاحت دی۔

''اور تم ڈر کر کیوں بھاگیں نگینہ، تم تو پردے میں تھیں، میں بھلا تمہیں کیسے پہچان سکتا تھا۔''

''میں احمد کی وجہ سے بھاگی تھی۔ میں نے سوچا معلوم نہیں تمہارے ساتھ اور کون کون ہو، اور یہ اُدھر پارکنگ میں کھڑا تھا، میں نہیں چاہتی تھی۔ کوئی اسے دیکھ لے۔'' وہ سر جھکائے شرمندہ سی کھڑی تھی۔

''جانتی ہو، میرے ساتھ اور کون کون ہے؟'' واسع کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوگیا، نگینہ نے چونک کے سر اُٹھایا، وہ ابھی تک چہرے پر سفید برقع ڈالے ہوئے تھی۔

''تمہاری اماں اور رئیس ہیں۔''

''اماں...... رئیس...... کک...... کیا ہوا اُنہیں؟'' نگینہ کے لہجے میں کپکپاہٹ اور آواز میں تڑپ تھی۔

''چاچی کو السر ہے۔ ان ہی کو دکھانے لائے تھے۔ لیکن تم لوگ یہاں ہسپتال میں؟'' واسع کو خیال آیا۔

''نگینہ کو کھانسی تھی کافی دنوں سے، ابھی ڈاکٹر نے بتایا کہ چیسٹ انفیکشن ہے۔ دراصل کوئٹہ میں اپنے ایک دوست کے ہاں آیا تھا، اس کی والدہ کی وفات ہوئی تو تعزیت کرنی تھی، لیکن یہاں ایک بہت اچھے ای این ٹی اسپیشلسٹ بھی ہیں تو سوچا نگینہ کا چیک اپ بھی کرواتا جاؤں، اس لیے آج یہاں ہاسپٹل لے آیا۔''

''اچھا، فی الحال تو تم لوگ یہاں سے جاؤ کیونکہ چاچی اور رئیس شاید باہر آچکے ہوں، ایسا نہ ہو وہ دیکھ لیں۔''

واسع کا لہجہ کھردرا تھا۔ قاعدے سے تو اسے ان دونوں سے ہم کلام ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن اپنی نرم مزاجی کے ہاتھوں مجبور ہوا تھا۔ نگینہ نے احمد کی طرف دیکھا، واسع نے قدم واپسی کے لیے بڑھا دیے تھے۔ نگینہ نے بے ساختہ احمد کا بازو تھاما اور احمد سمجھ گیا، وہ کیا کہنا چاہتی ہے، تسلی بھرے انداز میں اُس کے ہاتھ پر تھپکی دی۔

''واسع!''

''ہوں؟'' وہ چونک کر پلٹا۔

''ہمیں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''ہاں کہو۔'' موبائل پہ ایک نظر ڈال کر وہ فوراً واپس پلٹ آیا۔ دیکھنا چاہتا تھا، رئیس کی کوئی کال تو نہیں آئی، باہر نکل کر وہ یقیناً اس سے موبائل پر ہی رابطہ کرتا۔

''یہاں اس طرح نہیں واسع، بات ذرا طویل ہے، اور بہت ضروری بھی، کیا تم ہمیں کچھ وقت دے سکتے ہو۔ پلیز......''

''کہیں اور؟'' واسع مخمصے میں پڑ گیا۔

''کب تک کوئٹہ میں ہو؟'' احمد نے ہی سوال کیا۔

''شاید آج شام تک۔''

''ہم یہاں میرے ایک دوست کے گھر پر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہیں۔ کیا تم ایک گھنٹے کا ٹائم نکال سکتے ہو؟''

''میں نے بتایا نا احمد! ساتھ چاچی اور رئیس ہیں۔ ابھی چیک اپ کے بعد چاچی کے ٹیسٹس وغیرہ کروانے ہیں۔ دوپہر کو یہ لوگ میرے دوست کے گھر ہوں گے۔ شام کو پھر رپورٹس کلینک میں دکھانی ہیں اور اس کے فوراً بعد ہی واپسی۔''

''پلیز واسع۔'' احمد کے بجائے نگینہ آگے ہوئی، لہجہ بھی منت بھرا تھا۔ ''منع مت کرنا، معلوم نہیں زندگی میں پھر کبھی ملنا ہو بھی یا نہیں۔ ان سب کاموں کے بیچ کسی طرح تھوڑا سا ٹائم نکالو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھ برقعے سے نکال کر واسع کے سامنے باندھے۔

''نہیں نہیں۔'' وہ گھبرا کر پیچھے ہوا۔ ''اوکے، میں دوپہر کو انہیں اپنے دوست کے گھر چھوڑ کر نکل سکتا ہوں۔ لیکن پھر رابطہ......'' اس نے احمد کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً جیب سے پیپر اور پین نکال کر ایک چٹ پر اپنا موبائل نمبر لکھا۔

''میرا نمبر رکھ لو، فری ہو کر کال کرنا۔ میں ایڈریس سمجھا دوں گا۔''

''اوکے۔ اندازاً دو بجے کے بعد بات ہو گی۔ اب تم لوگ جاؤ۔'' واسع نے ایک محتاط نظر پیچھے ہاسپٹل کے گیٹ پر ڈالی۔

''ملنا ضرور واسع! نجانے ایسا موقع زندگی میں پھر کب ملے۔ میرے دل پہ پڑا بوجھ اب ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ میں بہت شدت سے تمہاری راہ دیکھوں گی۔''

''ہوں۔ میں آؤں گا۔'' واسع نے پلکیں موند کر یقین دلایا اور ہاسپٹل کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

نصیر اپنے آفس سے نکل کر سیدھا بس اسٹینڈ ہی آ گیا تھا۔ ژوب والے گھر جاتا تو بلاوجہ وقت ضائع ہوتا۔ اپنے بابا سے بھی جرگے سے متعلق اس نے کوئی تصدیق نہیں چاہی کیونکہ اسے پتا تھا وہ اس کی راہ روکنے کی کوشش کرتے اور نصیر اب اتنے وعدے ٹوٹنے پر پہلے ہی واسع سے اس قدر شرمندہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آج کے اِس آخری جرگے میں جبکہ واسع کی ہار بھی یقینی تھی۔ وہ کم از کم اس کے جذباتی سہارے کے طور پر بھی اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ ساڑھے تین بجے وہ سڑک کنارے بس سے اُتر کر پیدل گھر کی طرف چل پڑا۔ اماں کی حیرت کا تصور کر کے اس نے مسکراتے ہوئے گھر کے ادھ کھلے دروازے سے قدم اندر رکھا تو نظر برآمدے کی سیڑھیاں اُتر کر سامنے سے آتے اسفند پر پڑی، اور اسفند نے نصیر کو دیکھ کر بے ساختہ سر گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ کمرے کے دروازے میں زمرد کھڑی تھی، اور نصیر کو اچانک سامنے پا کر جس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ چکا تھا۔ اسفند نے گھبرا کر دوبارہ سامنے دیکھا، نصیر مصافحے کے لیے ہاتھ آگے کیے کھڑا تھا۔ اسفند پریشانی میں سلام تک کرنا بھول گیا تھا

''السلام علیکم لالہ۔'' اس نے خود کو سنبھال کر مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''کیسے ہو اسفند؟''

''بالکل ٹھیک لالہ! شکر ہے۔ آپ سنائیں۔ اچانک آنا ہوا؟'' وہ اب واقعی سنبھل چکا تھا۔

''ہاں۔ کچھ کام تھا۔ آؤ تم۔'' نصیر نے واپس اندر بلایا۔

''ابھی تو چلتا ہوں لالہ۔ اکا جان انتظار کر رہے ہیں۔ دوبارہ حاضر ہوں گا ان شاء اللہ۔'' وہ اجازت لے کر باہر نکل گیا۔

نصیر نے سامنے کھڑی زمرد پر ایک گہری اور کڑی نظر ڈالی جو تب سے ہل ہی نہیں پائی تھی۔ نصیر آگے بڑھا تو وہ بھی گھبرا کر اندر پلٹ گئی۔ نصیر پیچھے سے آتا بڑے کمرے میں داخل ہوا تو یہاں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اندر کی کھولن اور غصہ جو ابھی بالکل نیا نیا اور انکشاف جیسا اندر کہیں پیدا ہوا تھا، کچھ اور بڑھنے لگا۔ غیرت کی گرمی آگ اُگلنے جیسی تپ رہی تھی۔ وہ تیز قدموں سے ماں کے کمرے کی طرف بڑھا۔ زمرد سہمی چڑیا جیسی کچن میں گھس گئی۔ نصیر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کمرے میں داخل ہوا تو اماں سامنے پلنگ پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"او۔۔" نصیر کے آگ برساتے سر پر جیسے کسی نے ٹھنڈا پانی اُنڈیل دیا۔ گھر کی گمبھیر خاموشی نے کچھ دیر پہلے تک اسے بری طرح لرزا رکھا تھا۔ دل میں خیال سا گزرا کہ گھر میں شاید اور کوئی نہیں ہے۔ اور آج اگر اماں گھر پر نہ ہوتیں تو...... یہ خیال اتنا پریشان کن، اتنا خطرناک تھا کہ آج یقیناً اس کے ہاتھوں بہن کا قتل ہو جاتا۔

"ارے نصیر۔" گلشن حیرت اور خوشی سے منہ کھولے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ نصیر نے سر آگے جھکایا اور انہوں نے ہنس کر سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"ماشاء اللہ اس بار تو جلدی آ گئے۔ بتایا بھی نہیں۔" وہ مسکرا رہی تھیں، نصیر ان کے سامنے ہی پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"بس آج کل آفس میں کام ذرا کم ہوتا ہے، تین دن کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ اب پیر کو ہی واپسی ہوگی۔"

"چلو شکر ہے۔ اچھا ہی کیا۔ چائے بنواؤں یا کھانا؟"

"چائے ابھی نہیں، پہلے کھانا کھاؤں گا۔"

"ہاں صحیح۔ اے زمردے۔" انہوں نے اونچی آواز میں پکارا تو زمرد فوراً دروازے میں نمودار ہوئی۔ گلشن نے کھانا لانے کو کہا۔ نصیر نے بھی اس دوران پلٹ کر اُسے دیکھا تو وہ گھبرا کر نظر چُرا گئی اور اُسی تیزی سے پلٹ بھی گئی۔

"یہ اسفند کیوں آیا تھا۔ خیریت؟" نصیر نے ماں کی طرف دیکھا۔

"ہاں، وہ سلطانہ بھابی کی طبیعت خراب تھی ناں۔ اُسی کو دکھانے کوئٹہ لے گئے تھے۔ تو بتانے آیا تھا کہ جرگہ آج نہیں بلایا جا رہا۔"

"جرگہ؟" نصیر بری طرح چونکا۔ ذہن میں ایک ساتھ کئی سوال اُٹھے۔

"ہاں وہ واسع کے باغ کا معاملہ تھا ناں۔" گلشن بھی کچھ چور سی بن گئیں۔ انہوں نے تو نصیر کو بے خبر ہی رکھا تھا۔

"تو اسفند کیوں بتانے آیا ہے۔" نصیر کچھ مزید اُلجھ گیا۔

"مڑے وہ واسع ساتھ گیا ہے نا کوئٹہ۔ تو رحمٰن الالہ نے اسی کے ذمے لگایا ہے کہ سب کو کہہ آئے۔ بتا رہا تھا، پچھلی شام کہیں شادی میں گیا ہوا تھا۔ یہ بھی آج صبح ہی لوٹا ہے۔" گلشن نے شاید جان بوجھ کر موضوع پلٹنے کی کوشش کی تھی، جبکہ نصیر کو یہ سوچ کر افسوس ہونے لگا کہ نہ صرف جرگے میں شریک ہونے کا پروگرام کینسل ہو گیا بلکہ واسع بھی ادھر نہیں تھا۔

"کہہ رہا تھا۔ شام کو واپس آ رہے ہیں سب۔" وہ اپنی ہی رو میں بولے گئیں اور نصیر کو پہلی مرتبہ کچھ تسلی ہوئی۔ ضمیر کی خلش اب نجانے کیوں مداوے پر تُل گئی تھی۔ کم از کم آج وہ واسع سے ملنا ضرور چاہتا تھا۔ روکھا سڑا رویہ اپنائے دو ہفتے ہو گئے بنا کسی قصور کے اپنے دوست کو سزا دیے جا رہا تھا۔ اور واسع بے چارے کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ نازنین پر اس کا دل آنا کتنوں کے لیے مسائل کھڑے کر رہا ہے۔ جان لیتا تو شاید خود ہی پیچھے ہٹ جاتا۔

☆☆☆

"تمہیں اندازہ بھی ہے نگینہ کہ میرا آج یہاں تم دونوں کے سامنے ہونا ہمارے قبیلے، ہماری روایات کے کس قدر خلاف ہے۔ پورا خاندان بھرے جرگے میں میرا بائیکاٹ کر سکتا ہے کہ آخر میں تم سے ملا ہی کیوں؟"

"میں جانتی ہوں واسع! اور کئی دوسری غلطیوں کی طرح اپنی اس غلطی پر بھی شرمندہ ہوں، لیکن یہ بوجھ مجھے زندگی میں ایک مرتبہ اپنے خاندان کے کسی فرد سے ضرور کہنا تھا۔ اور بات تمہارے یہاں اتفاقاً یہاں مل جانے کی نہیں ہے۔ تم جیسی سوچ رکھنے والے ہمارے ہاں ہیں ہی گنے چنے۔ جن سے یہ باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ میں کسی ایسے شخص سے یہ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

بات نہیں کہہ سکتی تھی جو مجھے یا احمد کو دیکھتے ہی گولی مار دے۔"

"کچھ معاملات میں تم مجھے بھی روایتی ہی تصور کرو تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ کچھ غلطیاں علاقے یا قبیلے کی حد تک نہیں بلکہ انسانی اور اخلاقی سطح پر بھی بری ہی سمجھی اور مانی جاتی ہیں۔ عزت اور غیرت ایک پڑھے لکھے شخص میں بھی اتنی ہی فراوانی سے موجود ہوتی ہے جتنے کی توقع تم کسی پہاڑی سے کرتی ہو۔"

واسع سنجیدہ تھا اور انتہا کا ریزرو اور روکھا بھی۔ اگرچہ اس نے کھل کر نہیں کہا لیکن وہ نگینہ پر جتانا چاہتا تھا کہ اس کا وہ ایک عمل اس کی نگاہوں میں بھی غلط ہی ہے۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں واسع! اور میں خدانخواستہ تمہیں بے غیرتی کا طعنہ نہیں دے رہی، میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ تم بنا اگلے کو سنے گولی سے اُڑانے والوں میں سے نہیں ہو۔ تمہارے دل میں میری اس حرکت پر لاکھ نفرت بھری ہو لیکن تم بغیر مجھے سنے اور صفائی کا موقع دیئے سزاوار نہیں ٹھہراؤ گے۔"

"کوئی کسی کے مال پر قبضہ کرلے نا نگینہ۔ تو زیادتی وہ بھی ہے۔ لیکن مجھے ایسوں پر زیادہ حیرت نہیں ہوتی، دولت کی کشش ہی ایسی ہے، لیکن جب کوئی دوسروں کے دل روند کر اپنے دل کی خوشی حاصل کرتا ہے تو دکھ اور تعجب کچھ اور ہوتا ہے۔ ایسے لوگ خوش کیسے رہ پاتے ہیں، اور کیا یہ خوشی واقعی ان کے دل کو سکون فراہم کرتی ہے؟" واسع کے سوال میں انتہا کا درد اور آنکھوں میں چبھتی ہوئی سی جلن تھی۔ سنجیدگی سے نتھنے پُھلائے وہ خفگی و ناراضی سے سامنے بیٹھے احمد اور نگینہ کو دیکھ رہا تھا۔ نگینہ اس کی بات سن کر سسک اُٹھی۔ نرم لفظوں کے وہ نشتر اسی کے لیے تو تھے۔ احمد خاموشی سے سر جھکائے ہوئے تھا۔

"ساڑھے چھ سال بیت گئے واسع! دکھ تو اسی بات کا ہے کہ ہم کسی کو سچ بتانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ ایک چھوٹی سی بھول نے ہمارے ہاتھوں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگھوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کتنے گھر تباہ کر دیے۔"
"چھوٹی سی بھول۔" واسع تڑپ ہی اُٹھا۔
"تم نے پہلی بات پہ دھیان نہیں دیا واسع۔" احمد نے اسی تحمل سے واسع کو دیکھا۔ "ہمارا سچ اصل میں کچھ اور تھا۔ آج جس وجہ سے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ نگینہ کی زندگی کی اب ایک ہی خواہش تھی کہ وہ یہ حقیقت کم از کم ایک بار ضرور کسی اپنے کو بتائے، شاید اس کے بے چین دل کو کچھ قرار نصیب ہو، تم بس ایک بار آرام سے ہمیں سن لو، پھر چاہے اس سے زیادہ نفرت کرنا جتنی اب محسوس کرتے ہو۔"
"ہم گھر سے نہیں بھاگے تھے واسع۔" نگینہ نے کہنا شروع کیا اور واسع کے لیے پہلا جملہ ہی انتہائی غیر متوقع تھا، پھر بھی وہ خاموش ہی رہا۔
"اس روز جو کچھ بھی ہوا، سوائے ہماری بدنصیبی کے اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن میں اس دن سے بات شروع نہیں کرتی، مجھے تھوڑا اور پیچھے جانا ہوگا۔"
نگینہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے جیسے اُس لمحے خود اپنے آپ کو بھی بولنے کے لیے تیار کیا۔
"میری اور سیف کی شادی میں کچھ ہی روز باقی تھے۔ میں اُن دنوں بہت بیمار تھی، ڈاکٹرز نے کالا یرقان بتایا، علاج تو چل رہا تھا لیکن گھر والے کسی کو اس بارے میں بتا نہیں رہے تھے۔ بس چپ چاپ شادی کی تیاریوں میں مگن تھے۔ احمد کو میری بیماری کا پتا تھا اور یہ بہت پریشان تھا، ہم دونوں اب کچھ عرصے سے رابطے میں نہیں تھے۔ بابا کو جس دن سے ہم دونوں کی محبت کا پتا چلا تھا۔ وہ بہت سختی کرنے لگے تھے۔ مجھ سے موبائل بھی انہوں نے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ احمد نے مجبور ہو کر اپنے بھتیجے کے ہاتھ مجھے ایک خط بھیجا۔ مجھے اس خط کی ایک ایک بات آج بھی یاد ہے، وہ سارا خط ہی نصیحتوں سے بھرا ہوا تھا۔ احمد نے مجھے ہر طریقے سے سمجھانے اور تسلی دینے کی کوشش کی تھی، تاکہ میں ناکام محبت کے درد سے باہر نکل سکوں۔ اور حالات سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ ہو جاؤں جو کہ اس وقت میرے لیے واقعی بہت مشکل ہو چکا تھا۔ احمد کو کھو دینے اور سیف سے شادی کرنے کی پریشانی بری طرح میرے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی۔ تب ہی میں اس شدت سے بیمار بھی پڑ گئی تھی۔
احمد کے خط نے پہلی مرتبہ مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔ یہ بات ہمیشہ اس ڈھنگ سے کرتا ہے کہ سیدھی دل پہ اثر کرتی ہے، مجھے بھی پہلی بار احساس ہونے لگا کہ نصیب کے لکھے کو قبول کر لینے میں ہی میرا اور باقی سب کا بھلا ہے۔ میں نے بار بار اس کے خط کو پڑھتے اور بار بار اپنے ماحول اور اپنے حالات کو سوچتے خود کو سمجھوتا کرنے پر آمادہ کر لیا لیکن بس ایک بات۔"
نگینہ کچھ دیر کو رکی۔
"احمد نے اپنے خط کے آخر میں لکھا تھا کہ میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر خود کو پریشان نہ کروں کیونکہ اب وہ بھی نوکری کی تلاش میں یو اے ای جا رہا ہے، اور خود کو مصروف کر لے گا۔ ویسے تو یہ بات بھی احمد نے میری تسلی کے لیے لکھی تھی، لیکن اس کے ہمیشہ کے لیے باہر جانے کا سن کر میری ہمت ٹوٹنے لگی، دور چلے جانے کا تصور بہت تکلیف دہ تھا۔ میں نے خط کے جواب میں احمد کو لکھا کہ میں اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں، بس بچھڑنے سے پہلے ایک آخری بار میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔۔۔ اور بس۔" نگینہ نے پھر ایک آہ بھری۔ "یہی تھی وہ چھوٹی سی بھول جو ہماری زندگی کی سب سے بڑی غلطی بن گئی۔ لیکن کچھ غلطیوں کا مداوا ممکن نہیں۔ شاید مرتے دم تک۔"
وہ کہہ کر چپ ہوئی تو بہت دیر تک دوبارہ بول ہی نہیں پائی۔
"میں نے ملنے کی ہامی بھر لی۔" احمد نے کہنا شروع کیا۔ "میرے لیے ایسے نازک موقع پر انکار کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ نگینہ کو منانا ایک بہت مشکل کام تھا اور وہ میرے خط کی بدولت ہوتا دکھائی دینے لگا تھا، میرے لیے اس وقت یہ بہت اہم تھا۔ اور

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چونکہ اس نے بہت مشکل سے اپنا ذہن بنایا تھا تو میں ملنے سے انکار کر کے اسے پھر سے مایوسی میں دھکیلنا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن میں اس وقت بھی یہ خدشہ تھا کہ بھلا ایسے کٹھن حالات میں ہم کہاں اور کیسے مل پائیں گے، تو خیر اس رات ہم دونوں نے آخری بار ملنے کا پروگرام بنایا۔ موبائل وغیرہ کا رابطہ تو تھا نہیں۔ بس بچے کے ہاتھ چھوٹا سا رقعہ بھیج کر ہی وقت اور جگہ بتانا پڑی۔ ادھر گاؤں میں تو ایسی کوئی جگہ تھی نہیں جہاں ہم مل سکتے۔ باغوں سے بھی کچھ روز ہوئے نکال دیا گیا تھا۔ پھر وہاں ڈیروں پر نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں۔ میں نے نگینہ کو گھاٹی کی طرف بلایا، ایک تو وہ جگہ ہمارے گھروں سے زیادہ دور نہیں ہے، دوسرے رات کو وہاں کوئی نہیں ہوتا۔ دور سے دیکھا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ لیکن بس ہماری بدقسمتی۔

اول تو یہ کہ رقعہ بھیج دینے کے بعد اب دوسری مرتبہ رابطہ ممکن نہیں تھا۔ موبائل نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل رابطے میں نہیں رہا جا سکتا تھا، دوسرے اس رات کی اگلی صبح مجھے پہلے کوئٹہ اور پھر وہاں سے کراچی جانا تھا۔ میرے دبئی جانے کا کام ایک دوست کے توسط سے تقریباً مکمل تھا۔ تو اس رات اگر ہم نہ مل پاتے تو اگلی صبح مجھے لامحالہ نکلنا ہی تھا۔ میں نے خود اپنے آپ سے طے کیا تھا کہ نگینہ کی شادی کے وقت میں گاؤں میں نہیں رہوں گا۔ میرے لیے شادی کے اُس ماحول کو قریب سے دیکھنا انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس لیے اپنے جانے کا کام جلد از جلد نمٹایا تھا۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ لے دے کر ہمارے پاس وہی ایک رات تھی اس میں ہم مل پاتے تو ٹھیک ورنہ دوسرا چانس ہمارے پاس نہیں تھا۔

خیر تو ہوا یہ کہ شام سے ہی موسم کے تیور خراب ہونے لگے۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سخت بے چین سے بس موسم کے رنگ دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ آگے کیا ہوگا۔ پھر رات کو سب کے سوجانے کے بعد میں ہلکی بارش میں ہی چپکے سے گھر سے باہر نکل آیا...... اور یہ سوچ کر وہاں بیٹھ گیا کہ مجھے نگینہ کا یہاں انتظار کرنا ہے چاہے، اس کی راہ دیکھتے صبح کیوں نہ ہو جائے۔''

''ادھر میرے پاس بھی لے دے کر یہی ایک موقع تھا۔ سب کے سوجانے کے بعد میں احمد کی طرح وقت پر تو نہیں نکل پائی کیونکہ عورت ہونے کے ناتے مجھے بڑی ہمت درکار تھی، اس سے پہلے کبھی ایسا کوئی رسک لیا بھی نہیں تھا۔ اوپر سے برستی بارش۔ جو بار بار میرے قدم روک لیتی۔ بہت بار تو یہ بھی سوچا کہ جانا مناسب نہیں ہے۔ اور کاش کہ میں اسی بات پر ڈٹ جاتی لیکن میں حد سے زیادہ کنفیوز ہو چکی تھی۔ ۔ بالکل آخری وقت میں جب مصمم ارادہ کر لیا کہ بس اب نہیں جانا تو عین اسی وقت بارش مکمل طور پہ رک گئی۔ حتیٰ کہ بادل بھی چھٹ گئے اور ستارے دکھائی دینے لگے۔ موسم کی اس تبدیلی نے میرے پختہ ارادے کو پھر سے ڈانواں ڈول کر دیا اور گھر والوں کو اپنے اپنے کمروں میں سوتا پا کر میں چپکے سے نکل کھڑی ہوئی۔''

''اور حد تو یہ ہے واسع! کہ تین بجنے پر میں نے بھی گھر واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔'' احمد نے تاسف سے سر ہلاتے اس وقت کو یاد کیا۔ ''میں نے سوچا اب مزید رکنا بے کار ہے، اور کاش کہ میں فوراً ہی اپنی سوچ پہ عمل بھی کر لیتا، لیکن میرے ارادوں کی طرح میرے قدم بھی سست نکلے اور قریب ساڑھے تین بجے نگینہ وہاں آ گئی۔

میں خوش بھی تھا اور حیران بھی۔ ہم دونوں کو یہ احساس بھی تھا کہ وقت ہمارے پاس بہت کم ہے۔ کیونکہ وہ بھی گرمی کا موسم تھا اور اذانیں کچھ سوا چار ساڑھے چار کے آس پاس ہونا شروع ہو جاتی تھیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ جیسے بھی ہو چار بجے ہم نے لامحالہ واپسی کرنی ہے۔ لیکن ہماری ابتدائی گفتگو نے ہی ماحول ایسا افسردہ سا کر دیا اوپر سے نگینہ کا روتے چلے جانا، یہ احساس ہی ہم دونوں کے لیے مرجانے جیسا تکلیف دہ تھا کہ ہم آخری بار ایک دوسرے سے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مل رہے ہیں۔

میرے لیے اگلی صبح اپنا گاؤں اپنی محبت ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانا مجھے اور کٹھن اور ناممکن سا لگنے لگا لیکن مجھے اپنا درد بھلا کر نگینہ کو حوصلہ دینا تھا، مجھے اس کے آنسو دیکھ کر جیسے نئے سرے سے سمجھانا پڑ رہا تھا۔۔اور تبھی اپنے گاؤں کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔۔ ابھی ابھی تو وہ آئی تھی اور۔۔ اتنا وقت کیسے بیت گیا، میں نے گھبرا کر گھڑی دیکھی۔ واقعی ہمیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔

مجھے سر پر آ چکی مصیبت کا ٹھیک ٹھیک ادراک ہو چکا تھا، ہم سے حقیقتاً بہت بڑی بھول سرزد ہو چکی تھی۔ میں تو مرد تھا۔ میرا گھر پر نہ ہونا زیادہ پریشان کن نہیں تھا، میں تو کچھ بھی کہہ سکتا تھا لیکن نگینہ کے گھر میں اس کی غیر موجودگی کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔

یہ سوچ کر میں نے نگینہ سے کہا کہ میں یہیں رُکتا ہوں، تم فوراً گھر پہنچو، ہمارا ایک ساتھ یہاں سے گاؤں جانا ٹھیک نہیں، کوئی دیکھ نہ لے۔ نگینہ بھی میرا کہنا مانتے جلدی سے روانہ ہو گئی۔ میں بے چینی سے وہیں ٹہلنے لگا، مجھے اب کچھ وقفے کے بعد وہاں سے نکلنا تھا۔ میں نگینہ کے بخیریت گھر پہنچنے کی دعا کر رہا تھا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہلکی ہلکی روشنی پھوٹنے پر قریب پندرہ منٹ بعد ہی نگینہ دوڑتی ہوئی واپس وہیں پر آ گئی۔

''کک...... کیا ہوا؟'' احمد کا حلق خشک ہو گیا تھا نگینہ کو دوبارہ اپنے سامنے پا کر۔

''وہ...... میں وہاں گھروں کے پاس پہنچی تو ہر طرف سے آدمی نکل نکل کر مسجد جانے لگے، میں نصیر لوگوں کے باغ کی دیوار سے لگی ان سب کے چلے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔'' نگینہ نے بتانا شروع کیا۔

''ہاں تو......'' احمد جھلا گیا کہ پھر وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔

''تمہارے بابا۔'' وہ آنکھوں میں ہرنی جیسا خوف اور آنسو لیے احمد کو تک رہی تھی۔

''میرے بابا۔'' احمد ٹھٹکا۔ اس کا گھر آبادی شروع ہوتے ہی تقریباً آغاز پہ آ جاتا تھا۔

''تمہارے بابا اسی وقت گھر کے دروازے سے باہر نکلے۔ میں گلی کے سرے سے جھانک کر دیکھ رہی تھی کہ اگر کوئی نہیں ہے تو بھاگ کر اپنی گلی کی طرف جا سکوں، لیکن احمد اسی وقت وہاں میرے بابا اور اسفند آ گئے۔''

''اوہ نو۔'' احمد نے سر تھاما۔ ''پھر؟''

''میرے گھر میں میرے نہ ہونے کا پتا چل چکا ہے، بابا اسی لیے تمہارے گھر پوچھنے آئے تھے۔ بابا نے ہی اسفند کو زبردستی اندر دوڑایا کہ جاؤ احمد کو دیکھو۔''

''تو پاگل! تم واپس کیوں آ گئیں۔ فوراً ان سب کے سامنے آ جاتیں۔ کچھ بھی کہہ دیتیں۔''

''میں سامنے آنے ہی والی تھی احمد۔'' نگینہ کا وجود بری طرح لرز رہا تھا، وہ بڑی مشکل سے احمد کو پیش آئی صورت حال سے آگاہ کر رہی تھی۔ اس کے لیے کھڑا ہونا بھی دشوار تھا۔ ''مم...... میں نے سوچا سامنے جا کر کہہ دوں گی، گھر میں گھٹن ہو رہی تھی اس لیے باغ میں گئی تھی۔''

''ہاں ہاں بالکل ٹھیک...... تو......؟'' احمد بے تابی سے اس کی اگلی بات کا منتظر تھا۔

''وہ اسفند نے اسی وقت تمہارے گھر سے باہر آ کر کہا کہ احمد بھائی بھی اندر نہیں ہیں، مسجد میں وہ لوگ پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ بابا نے بس اتنا سنا اور جیب سے پستول نکال لی، اور انہوں نے ہوائی فائر بھی کر دیا تو تمہارے بھیا کلاشنکوف نکال لائے، میں ڈر گئی تھی احمد۔'' نگینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''اوہ۔'' احمد نے بے بسی سے ہاتھ پہ مکا مارا۔

''خدا کے لیے گھر واپس جانے کی سوچو، یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا نگینہ، پلیز کسی اور راستے سے۔''

''کیسے احمد۔ روشنی پھیل رہی ہے۔'' وہ روئی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی اور تب ہی گھاٹی سے پرے کہیں دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

''کوئی یہاں آرہا ہے نگینہ! یہاں سے بھاگنا ہوگا۔'' احمد نے ایک اوٹ سے ذرا سا جھانک کر آنے والوں کی سمت کا تعین کیا اور گاؤں کی مخالف طرف کو جانے والے گھاٹی کے دوسرے تنگ درے کی طرف دوڑ لگا دی، یہ تنگ راستہ پہاڑ کے درمیان سے گزرتا دوسری طرف ایک کھلے میدان میں جانکلتا تھا جس کے اختتام پر بڑی سڑک آجاتی تھی۔ احمد اور نگینہ درے سے نکل کر اندھا دھند میدان میں سے گزرتے چلے گئے۔

لیکن اسی وقت پیچھے گھاٹی کی طرف دیکھنے پر احمد کو کچھ آدمی درے سے نکلتے دکھائی دیئے۔ درمیانی فاصلہ اگرچہ کافی زیادہ تھا، ان کا پہچان میں آنا ابھی مشکل تھا لیکن کب تک۔ اس دور تک پھیلے کھلے چٹیل میدان جیسے علاقے میں چھپنے کو درخت تک نہیں تھا، تب ہی بائیں ہاتھ پر سڑک سے ایک ڈاٹسن نمودار ہوئی۔ احمد نے مڑ کر درے کی طرف دیکھا، مرد اسی جانب کو آرہے تھے،اس نے بے بسی سے لب بھینچتے کوئی راہ نہ پاتے ہوئے ڈاٹسن کو ہاتھ دے کر روکا۔ ڈاٹسن رکی اور وہ اسے ساتھ لیے جلدی سے اس میں سوار ہوگیا۔ بائیں طرف سے آنے والی یہ ڈاٹسن سڑک پر آگے بڑھی اور وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کا آگے کو بڑھتا یہ سفر انہیں گاؤں سے دور کرتا جارہا تھا۔ لیکن ان کے پاس سوائے اس کے واقعی اب کوئی راستہ نہیں تھا۔'' نگینہ نے سر ہتھیلیوں پہ گرایا۔

''اگر میں اس وقت وہاں رک کر ان آدمیوں کا انتظار کرتا، تاکہ بس ایک ہی بار میں اس مشکل کو فیس کرلیا جائے تو انجام ہماری موت تھا، کیونکہ واسع ان آنے والوں کے حساب سے بیچ میں پوری ایک رات گزر چکی تھی۔''

نگینہ نے اپنی روئی آنکھیں اوپر اٹھائیں تو آنسو لڑھک کر گال پر آگرے، واسع نے ایک گہرا سانس لیا، منہ سے البتہ کچھ کہا نہیں گیا۔

''ہم مسلم باغ سے نکل کر سفر کرتے مسافر پور تک چلے گئے۔ میرا ذہن اب آگے کے متعلق سوچ بچار میں لگا تھا۔ میں نگینہ کو ساتھ لیے اپنے مسافر پور والے دوست خوشنود کے پاس چلا گیا۔ تم بھی جانتے ہو خوشنود کو۔'' احمد نے تصدیق چاہی اور واسع نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔

''وہاں پہنچنے پر میں نے خوشنود کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نگینہ کو اس نے گھر کی عورتوں میں بھیج دیا تھا۔ اس کی اماں مجھے اپنا بیٹا کہتی ہے، وہاں مجھے اپنے یا نگینہ کے حوالے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے سارا معاملہ ان کے سامنے رکھ کر مشورہ طلب کیا۔ خوشنود نے بس تھوڑی دیر کے صلاح مشورے کے بعد فوراً ہی مسلم باغ کا رخ کیا۔ وہ میرے بابا کو ساری حقیقت بتا کر بات کے اثر کو کم کرنا چاہتا تھا۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ بات کے زیادہ پھیلنے سے پہلے ہی سارا معاملہ رفع دفع ہوجائے۔ لیکن قدرت بھی جیسے ہماری غلطی کی سزا دینا چاہتی تھی۔ خوشنود جب وہاں پہنچا تو برادری کا جرگہ بلوا کر ایک دوسرے کے فریق کو دیکھتے ہی گولی سے اڑا دینے کی قسمیں کھائی جاچکی تھیں۔ مجیب چاچا اور اس کے بیٹے مجھے دیکھتے ہی گولی ماردینے اور میرے بابا اور بھائی نے نگینہ کو موقع پر جان سے ماردینے کی قرآن پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھالی تھی۔ خوشنود اب کسی کو سمجھانا تو دور، یہ تک بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ ہم دونوں اس کے پاس ہیں۔ اب تو بلکہ خود اس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوچکا تھا کہ یہ شاید بھگانے کی سازش میں ملوث ہے۔ خوشنود نے واپس آکر مجھے ساری صورت حال بتائی۔

ہماری شادی خوشنود کی والدہ کے ایماء پر ہوئی۔ انہیں اب سوائے اس کے اور کوئی حل نظر نہیں آتا تھا کہ ہم اپنی جان بچا کر یہاں سے کہیں دور چلے جائیں۔ کیونکہ اب اگر نگینہ کسی طرح واپس اپنے گھر چلی بھی جاتی اور فرض کرو اسے جان سے نہ مارا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جاتا تب بھی اس کی آنے والی زندگی کی اذیت کا تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ کیسی ہوتی۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" واسع نے ایک گہری سانس بھرتے بڑی دیر بعد لب کھولے۔

"لیکن ایک خط کے متعلق بھی بتایا گیا تھا احمد۔" واسع کو کچھ یاد آیا۔

"خط؟" احمد نے چونک کر پہلے واسع پھر نگینہ کو دیکھا۔ "کیا وہ خط جو میں نے نگینہ کو لکھا تھا؟"

"نہیں، وہ تو میں نے جلا دیا تھا۔" نگینہ نے فوراً مداخلت کی۔

"وہ نہیں۔" واسع نے بھی سرنفی میں ہلایا۔ "ہمیں بتایا گیا کہ تم گھر پر ایک خط چھوڑ کر آئے تھے کہ میں نگینہ کو اس تکلیف اور بیماری میں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتا اس لیے ساتھ لے جا رہا ہوں......ایسا کچھ......"

"اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں نا۔ سچ تو وہی ہے جو میں نے تمہیں بتا دیا، اور یہ بتایا کس نے؟"

"شاید تمہارے بھائی نے۔ ٹھیک سے یاد نہیں۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے میرے قصور کو کم کرنے کی ایک کوشش کی ہو، میں نے واقعی ایسا کوئی خط نہیں لکھا تھا۔"

"ہوں یہی بات ہوگی۔" واسع نے مختصر جواب دیا۔ ماحول میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"غلط تو ہم ہی تھے واسع۔ رات کو چوری چھپے ملنے کی میں بہت زور بھی لگالوں تو کوئی مناسب توجیہہ پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کی اتنی بڑی سزا۔ اتنی طویل دربدری۔ انجام جس کا آج بھی سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔"

"کہاں ہوتے ہو؟" واسع نے تبصرہ محفوظ رکھا۔

"رحیم یار خان میں ہوں، ایک مل میں کام کرتا ہوں۔ بس کام چل رہا ہے۔"

"اپنی لائف کے متعلق سوچو، مزید بہتری کی طرف قدم بڑھاؤ، پیچھے پلٹ کر دیکھنے میں اب کچھ نہیں رکھا۔"

"زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں لگتا اب۔" احمد کے لہجے میں یاسیت تھی۔

"نگینہ!" دروازے کے پیچھے سے کسی عورت کی آواز سنائی دی تو نگینہ اُٹھ کر چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں واپس آئی تو گود میں ایک ساڑھے تین چار سال کی بچی اُٹھا رکھی تھی۔ واسع سوالیہ نظروں سے بچی کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہماری بیٹی ثمین۔" نگینہ نے خود ہی تعارف کروایا تو واسع کے لبوں پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ نظر آئی۔ آگے بڑھ کر نگینہ سے بچی کو لیا اور پیار سے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"زندگی کا مقصد تو بہت پیارا ہے میرے بھائی، مایوسی سے باہر نکل کر دیکھو تو سہی۔" واسع نے احمد کو دیکھا تو وہ بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ایک دوسرے کو بلیم کرتے ہو؟" واسع نے باری باری دونوں کو دیکھا، احمد کے خالی پن کی وجہ کیا تھی آخر۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوا۔

"نہیں واسع۔" نگینہ نے ہنس کر سرنفی میں ہلایا۔ "بلکہ جب جب میں خود کو الزام دیتی ہوں، یہ تو اُلٹا میرا دفاع کرتا ہے۔"

"تو پھر احمد۔ کیا بات تنگ کرتی ہے؟" واسع نے اُلجھ کر اسے دیکھا۔

"میں جانتی ہوں واسع۔" احمد کے بجائے نگینہ بول پڑی۔ "دنیا کے آگے ہماری غلط تصویر آنا بہت تکلیف دہ ہے، احمد تو حالات کو دیکھتے قربانی دینے جا رہا تھا، ہمیشہ کے لیے اپنی محبت سے دست بردار ہو کر گاؤں ہی چھوڑے جا رہا تھا۔ لیکن پھر ہوا کیا۔ میری ایک بھول کی وجہ سے آج ہم اپنے گاؤں اور خاندان برادری کے لیے ایک طعنہ، ایک بری مثال بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ درد شاید زندگی بھر کا روگ ہے۔"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول ہے۔"
واسع مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ دونوں حیرت سے اس کو دیکھنے لگے۔

"اگر تم اچھے ہو اور دنیا تمہیں برا سمجھتی ہے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ دراصل تم برے ہو اور دنیا تمہیں اچھا سمجھے۔" اس لیے دنیا کی نظر میں تم کیا ہو اس فکر میں گھلنے کے بجائے اللہ پاک کی نظر میں سرخرو ہونے کی کوشش کرو، دعا کیا کرو کہ وہ تمہاری بھول پر تمہیں معاف کردے ہو۔ اور پچھتا لینے کے بعد آگے کے لیے سبق لینے کی کوشش کرو، تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری اولاد بڑی ہوگی، اُن کے لیے اچھی مثال بنو گے تو ماضی کے زخم بھرنے لگیں گے۔"

"اولاد کے ذہن میں بھی کئی سوال اُٹھیں گے۔" نگینہ بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

"اہمیت پھر بھی تمہارے کردار، تمہاری اس شخصیت کی رہے گی جسے دیکھ دیکھ کر وہ بڑے ہوئے ہوں گے۔" واسع اپنے مؤقف پہ ڈٹا تھا۔

"تمہاری باتوں سے حقیقتاً بہت تسلی ہوئی ہے واسع۔" اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر احمد کو بھی اُٹھنا پڑا۔ دل پر پڑا بوجھ بھی آج پہلی بار کچھ سرکتا محسوس ہوا۔

"میرا دل بھی آج صاف ہو گیا ہے تم دونوں کی طرف سے۔ نگینہ میرے لیے بہن جیسی تھی، اور بھائیوں کے دل میں بہنوں کی بڑی شفاف تصویر ہوتی ہے جس پر ہلکی سی بدگمانی کی گرد بھی بھائیوں سے برداشت نہیں ہوتی۔ میں بھی اس احساس کے تحت بہت تکلیف محسوس کرتا تھا۔"

"ابھی مت جاؤ واسع۔" نگینہ کی پلکیں پھر برسنے کو تیار تھیں۔ واسع نے بہن کہہ کر نجانے کتنے بھولے رشتوں کی یاد تازہ کردی تھی۔

"مجھے گاؤں کی باتیں بتاؤ واسع۔ اماں، بابا، بھائیوں، بہنوں رشتہ داروں سب کا احوال تفصیل سے سناؤ، تمہاری باتوں کو ہم یاد کیا کریں گے۔ کچھ دن اچھے کٹ جائیں گے۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ دیے باقاعدہ رونے لگی۔ واسع کے لیے انکار کرنا مشکل ہو گیا لہٰذا واپس بیٹھ گیا۔ احمد ثمین کے ساتھ کھیلنے لگا اور نگینہ ایک ایک کا نام لے کر سب کے بارے میں جاننے لگی۔ کون کیا پڑھ رہا ہے، کیا بن چکا ہے، کس کی کس سے شادی ہوئی، کس کا کس سے رشتہ ہوا، کس کے کتنے بچے ہیں۔ وہ پوچھتی جارہی تھی اور واسع اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتے تفصیل سے جواب دیتا گیا۔

"اور تم کیا کرتے ہو واسع، باقیوں کا حال جانتے تم سے تو پوچھنا ہی بھول گئی۔" وہ اب ہر ایک کے متعلق جان لینے کے بعد بشاشت سے مسکرا رہی تھی۔

"وکالت پڑھی ہے، اب پریکٹس میں آ گیا ہوں۔ اپنے مسلم باغ میں آفس ہے۔"

"اچھا ماشاء اللہ۔ شکر ہے جمیلہ چاچی کی پریشانیاں بھی کچھ کم ہوئی ہوں گی۔ حبیب چاچا کی وفات کے بعد بہت مشکل وقت دیکھا ہے انہوں نے۔ باغ بھی چاچا کے پاس تھا، بچے بھی چھوٹے تھے۔"

"باغ کی آمدن اچھی ہے واسع؟" احمد نے بڑی دیر بعد گفتگو میں حصہ لیا۔ خود بھی چونکہ باغوں کی رکھوالی کرتا رہا تھا تبھی اس ذکر میں دلچسپی لی۔

"باغ تو ابھی بھی جبار چاچا کے پاس ہے۔" احمد کو جواب دیتے واسع نے مسکرا کر نگینہ کو بھی دیکھا کہ یہ اس کے سوال کا جواب بھی تھا۔

"ابھی تک...... لیکن کیوں......؟" وہ بری طرح اُلجھی۔ "اس کی مدت تو ان ہی دنوں میں پوری ہو رہی تھی جب یہ ہمارے والا قصہ ہوا۔ جمیلہ چاچی بہت خوش ہو کر بتاتی تھیں کہ تین سال کی مدت پوری ہو گئی۔ اب باغ واپس آ جائے گا۔"

"نہیں ملا تھا۔" واسع نے ایک آہ بھری۔

"آج کل کچھ اسی مسئلے میں پھنسا ہوں، حالات سے کبھی کبھار جبراً مصالحت کرنا پڑتی ہے نا، تم دونوں سے بہتر کون جان سکتا ہے۔"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"لیکن کیوں واسع۔ باغ پر تمہارا حق ہے، اور اب تو وکیل ہو خود بھی، واپس کیوں نہیں لیتے۔" احمد کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

"کیس میں کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے خاندان کا جرگہ بلا کر بات کی، لیکن جبار چاچا نے گواہ مانگ لیے اور اب گواہ تو ہیں نہیں نا۔ تو سمجھو باغ بھی گیا۔" واسع بدستور مسکرا رہا تھا۔ اپنے نئے غم پر آج کل وہ خود کو حوصلہ دینا سیکھ رہا تھا۔

"گواہ نہیں ہیں؟" احمد بغور واسع کو دیکھتے دوبارہ پوچھ رہا تھا۔

"کوئی گواہ ہوتا تو بابا ہمیں بتاتے ناں۔ بس یونہی ایک کچے کاغذ پر معاہدہ کر کے آ گئے اور اب اسی کاغذ کو بنیاد بنا کر چاچا ہم سے باغ جیت لے گئے۔"

"فیصلہ ہو چکا؟" احمد کا دل دھڑکا۔

"نہیں، آج جرگہ بلایا جانا تھا لیکن چاچی کی طبیعت کی وجہ سے مجھے یہاں آنا پڑ گیا تو فی الحال کینسل ہو گیا۔"

"مطلب فیصلہ ابھی ہونا ہے؟"

"ہاں۔ بس اسی اگلے جرگے میں، چاچا نے مجھے گواہ لانے کو کہا تھا، اور نہ لانے کی صورت میں فیصلہ اُن کے حق میں ہو جائے گا۔"

"تو سمجھو! نہیں ہوگا اُن کے حق میں فیصلہ۔" احمد مسکرایا تو نگینہ اور واسع نے بیک وقت تعجب سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب احمد؟" نگینہ بھی حیرت سے پوچھنے لگی، واسع سے تو بولا ہی نہیں گیا۔

"گواہ...... مطلب عینی شاہدین نہ صرف موجود ہیں، بلکہ میں ابھی ان کے نام بتائے دیتا ہوں۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" واسع جو ابھی ابھی دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حیرت سے منہ کھولے دھم سے پھر بیٹھ گیا۔

"مجھے تو حیرت اور افسوس ہو رہا ہے واسع کہ اتنے برسوں میں معاہدے کے ان عینی شاہدین نے تم پر یہ ظاہر ہی نہیں کیا کہ وہ وہاں موجود تھے، اور ب... بات میں تمہارے ایک بہت قریبی کے متعلق کہہ ر... ہوں، دوسرے گواہ کو تو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ تم ایسے کسی مسئلے میں پھنسے ہوئے ہو۔"

"اب بتا بھی دو احمد!" نگینہ نے بے چینی سے ٹوک دیا۔

"تمہیں یاد ہے واسع، قریب دس سال پرانی بات ہے، جب ہمارے باغوں کے پیچھے والی مسجد کی چھت شدید بارشوں میں گر گئی تھی؟"

"ہاں بالکل یاد ہے، ان ہی دنوں میں تو نازیہ اور جبین باجی کا رشتہ ہوا تھا، میں اسکول میں پڑھتا تھا۔"

"میری عمر انیس بیس برس کے آس پاس تھی۔ ہم بہت سارے لڑکوں نے مسجد کے لیے چندہ جمع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جگہ جگہ جا کر ہم نے بہت ساری رقم اکٹھی بھی کی۔ لیکن وہ مخیر حضرات جو زیادہ اچھی رقم دے سکتے تھے، اُن کے پاس ہم مولوی صاحب کو ساتھ لے کر جاتے تھے، تاکہ یونہی معمولی رقم دے کر ٹرخانہ دیا جائے، یاد ہے مولوی یعقوب خان۔" احمد نے تائید چاہی۔

"ہاں آج کل اُن کے بیٹے مولوی توفیق احمد امامت کرتے ہیں۔ مولوی یعقوب صاحب تو بیمار ہیں، گھر پر ہوتے ہیں برسوں سے۔"

"اس روز میں اور شعیب مولوی یعقوب صاحب کو لے کر جبار خان کے ڈیرے پر چندہ مانگنے گئے۔ شعیب دروازے سے ہی پلٹ گیا۔ اس کے موبائل پر کوئی ضروری کال آ رہی تھی۔ میں اور مولوی صاحب اندر آئے تو جبار خان کے ساتھ تمہارے بابا جان بیٹھے تھے۔ ڈیرے پر اس وقت سوائے چند ایک ملازموں کے اور کوئی نہیں تھا۔ ہم نے چندے کی بات کی اور تب ہی تمہارے پھوپھا خلیل بھی وہاں آ گئے۔ ان کی آمد پر تمہارے جبار چاچا نے انہیں ایک پرچا دکھایا۔ یوں لگا جیسے انہوں نے خود ہی خلیل احمد کو وہاں بلایا تھا اور ان سب کے بیچ پہلے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

سے یہ بات چل رہی تھی۔ خلیل احمد نے کاغذ دیکھ کر تائید میں سر ہلایا۔ تمہارے چاچا نے وہیں بیٹھے تمہارے باباجان کو باغ اپنے تصرف میں رکھ کر پانچ لاکھ کی رقم دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور جبار خان نے بطور خاص مولوی صاحب کو بھی یہ سارا معاملہ خود کہہ سنایا، بلکہ پیپر بھی ان کے سامنے کیا۔ جس پر معاہدے کی تحریر اور تمہارے بابا اور جبار احمد کے دستخط لگے تھے۔ مجھے تب بھی یہ خیال آیا تھا کہ اس کاغذ پر گواہان کے دستخط بھی ہونے چاہئیں لیکن چھوٹا منہ بڑی بات سمجھ کر چپ رہا۔"

"تو مطلب تم بھی......" نگینہ کی آنکھیں حیرت سے پوری پھٹی تھیں۔ احمد نے مسکرا کر سر خم کیا۔

"مولوی یعقوب، خلیل احمد، اور مابدولت۔ اس معاہدے کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"تو واسع! پھر خلیل پھوپھا نے کبھی بتایا کیوں نہیں؟" نگینہ اب حیرانی سے واسع کو دیکھتے کچھ سوچ رہی تھی۔

"سادہ سی بات ہے نگینہ۔ واسع کے والد کی وفات کے بعد تمہارے چاچا کی نیت بدلی تو خلیل احمد کو انہوں نے اپنے ساتھ شامل کرلیا، مولوی صاحب ویسے بھی خاندان کے فرد نہیں تھے۔ پھر بیماری کی وجہ سے برسوں ہوئے خانہ نشین تھے، رہ گیا میں تو مجھ سے اب گاؤں کے کسی بھی فرد کو کیا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، جس نے زندگی بھر لوٹ کر ہی نہیں آنا۔"

"یعنی خلیل پھوپھا تو اب بھی نہیں بولیں گے۔" نگینہ نے اپنے آپ میں بولتے تجزیہ کیا۔

"کیوں نہیں بولیں گے۔ واسع ان کی زبان اب جرگے میں کھلوائے۔" احمد کو غصہ آنے لگا۔ "باقی مولوی صاحب کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہارے سچ کی گواہی کے لیے تو وہ ایک ہی مرتبہ کہنے پر آجائیں گے۔ میرے لیے ممکن ہوتا تو پہلی گواہی میں خود دیتا واسع۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔"

"وعدہ کرو واسع! اپنا حق لینے کے لیے اب تم نئے سرے سے آگے آؤ گے۔" احمد نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ نجانے کیوں لیکن یہ حد درجہ بامروت سالڑکا احمد کو ابھی بھی مخمصے میں لگ رہا تھا۔

"کوشش کروں گا۔" واسع نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

"اگر مجھے پتا چلا واسع کہ باغ تم واپس نہیں لے پائے تو یاد رکھنا میں گواہی دینے خود سامنے آجاؤں گا۔" احمد اس کی سوچ پڑھتے اب ازحد سنجیدہ تھا۔

"ہاں اور احمد کو میں بھیجوں گی، یہ بھی یاد رکھنا، بغیر کسی خطرے کی پروا کیے۔" نگینہ بھی جذباتی ہوگئی تو واسع ہنس پڑا۔

"بھئی تم لوگ تو پیچھے ہی پڑ گئے۔ میں نے کہا نا میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اب مجھے اجازت دو، رئیس کی بار بار کالز آرہی ہیں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"واسع!" نگینہ کھڑے ہوتے اس کے قریب آئی تو واسع نے چونک کر دیکھا۔

"کیا میں اماں سے مل سکتی ہوں؟" نگینہ نے بڑی دیر بعد ہمت کرکے وہ بات کرہی دی جو ماں کی بیماری کا سن کر اندر ہی اندر بے چین کررہی تھی۔

"ہمارے ساتھ رئیس بھی ہے نگینہ، اس سے چھپا کر ملوا نہیں سکتا اور اس کے سامنے۔" واسع نے مدد طلب نظروں سے احمد کو دیکھا۔

"یہ ممکن نہیں ہے نگینہ! رئیس کی موجودگی میں رسک نہیں لیا جاسکتا۔ وہ جو جرگے میں ہمارے قتل کی قسم کھا چکا ہے اسے کسی امتحان میں مت ڈالو۔"

"پھر میرا ایک کام ضرور کرنا واسع۔" نگینہ نے منت بھرے لہجے میں واسع کو دیکھا۔ "یہاں سے واپس جاکر میری اماں کو ہمارا سچ ضرور بتانا، وہ ماں ہے۔ کم ازکم وہ مجھے معاف کردے، میرے لیے آئندہ بددعا نہ کرے۔ میں اس کے لیے کبھی بھی طعنہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ شاید یہ سچ سن کر اسے زندگی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کی طرف واپس آنے میں مدد ملے۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ التجا کر رہی تھی۔ واسع نے تسلی دینے کے انداز میں سر ہلایا۔

"چاچی کو بتانے کا میں خود بھی سوچ رہا تھا۔ ان کی تکلیف یقیناً اس احساس سے کم ہوگی۔ اولاد پر ماں باپ کا جو ایک مان ہوتا ہے، اس کا ٹوٹنا بذات خود والدین کو توڑ دیتا ہے۔ یہ سچ ضرور انہیں خوش کر دے گا کہ ان کی پرورش میں کوئی کھوٹ نہیں تھا...... اور میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن تم دونوں کے لیے کچھ کر سکوں اس کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"خود کو کسی مشکل میں مت ڈالنا واسع! ہمیں تو صبر آچکا، کچھ حقیقتیں لاکھ کڑوی سہی لیکن مصالحت کرنا پڑتی ہے۔"

"جانتا ہوں۔" واسع بے اختیار مسکرا دیا کہ اپنی حالت بھی ان دنوں کچھ ایسی تھی۔

☆☆☆

ذکی کی باتوں نے رباب کے دل و دماغ میں ایک جوار بھاٹا مچا دیا تھا۔ دن اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے بس اسی خیال میں گزرنے لگے کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ پریشانی اس شدت کی اعصاب پر حاوی ہوئی کہ دو دن ہوئے اسے تیز بخار نے آلیا تھا۔ نصیر کا ملنا کبھی تو بہت سہل اور ایک ہاتھ کی دوری پر لگنے لگتا اور کبھی جو حقیقت پسندی سے سوچنے بیٹھتی تو ہاتھ بھر کا یہ فاصلہ میلوں کا دکھائی دینے لگتا۔

ذکی کے انداز تو البتہ یہ بتاتے تھے کہ وہ بے وجہ ہی اتنے سیدھے معاملے کو گنجلک بنانے پر تلی ہے' ایک بس ذرا سا نازنین کو ذکی کی طرف مائل ہی تو کرنا تھا، ذکی کے پاس بھلا کس چیز کی کمی تھی مشکل حالات میں بہن کے گھر مہمان بن کر آنے والی کے تو نصیب ہی کھل جائیں گے۔ پھر وہ قسم کھا کر کہہ رہا تھا کہ وہ یہ سب واسع کی ضد میں آ کر نہیں کر رہا، اسے بھی نازنین سے محبت تھی۔۔۔ تو اگر نازنین کے دل میں ابھی کسی کا خیال نہیں ہے تو وہ کیوں بھائی پر ترس کھا رہی ہے۔ اگر وہ نازنین کو ذکی سے ملوا دے تو ذکاء اللہ اسے اپنے دل کی بات بتا کر اس کی توجہ حاصل کر لے گا اور نازنین کی مرضی جان کر وہ نغمہ بھابی سے رشتہ مانگ لے گا۔ یوں بنا کسی کی منتیں کیئے ان کی راہ کا یہ کانٹا نکل جائے گا اور واسع کے پاس زمرد سے شادی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

یعنی اب تو ذکی کا خلوص دیکھنا ہے، آیا وہ پھوپھی کے ہاں انکار بھجواتا ہے کہ نہیں اور اگر ذکی نے یہ کر دکھایا تو مطلب اسے بھی جواباً ذکی کی بات ماننا پڑے گی۔ رباب کو یہ خیال آتے ہی نئے سرے سے جھرجھری آگئی۔ پلنگ پر آڑی ترچھی لیٹی وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ بخار سے تپتے سرخ چہرے پر گرم آنسوؤں کی لکیر بہتی گردن تک اتر گئی۔ جتنا زیادہ وہ ان سب باتوں کو سوچ رہی تھی اتنا اس کی حالت مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ یہ احساس کہ اسے اپنے لیے اب خود ہی کچھ کرنا ہے ایک ذمہ داری جیسا آن پڑا تھا۔

ایک پہیلی ایک معمے جیسا یہ گھن چکر، بظاہر جس کا حل خود اسی کی مٹھی میں دبا تھا لیکن وہ مٹھی کھلنے میں نہیں آرہی تھی۔ وہ نصیر کو حاصل بھی کرنا چاہتی تھی لیکن اپنی ذات پر کوئی بوجھ اٹھانے کے قابل بھی خود کو نہیں سمجھ رہی تھی۔ اگرچہ ذکی ساتھ دینے کے لیے تیار تھا لیکن ذکی کی ذات بھلا ان کے لیے کب قابل بھروسا رہی تھی۔ آج بہن کہہ کر محبت جتانے والا کب بھائی بن کر ساتھ کھڑا ہوا تھا اور یہ وہی ذکی تھا جس کے قبضے میں ان کا باغ تھا۔ کب اس نے مرحوم تایا کے یتیم بچوں کی مجبوریوں اور محرومیوں کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھا تھا...... آج وہ ذکی...... لیکن نہیں...... سوچوں کے قدم ٹھٹک کر رکے۔

نہیں...... ذکی تو شاید آج بھی خود غرضی سے اپنا مطلب نکال رہا تھا اور وہ اپنا مدعا صاف اپنی زبان سے ظاہر بھی کر چکا تھا۔ اسے نازنین چاہیے تھی۔ وہ نازنین جس کے راہ سے ہٹتے ہی رباب کے لیے راستہ بالکل صاف تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''مجھے نصیر سے مدد مانگنی چاہیے۔'' رباب نے لب چباتے ایک بار پھر خود کو انتہا کا کم ہمت پایا۔ تان نصیر پہ آکر ٹوٹی اور اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ہاں اسی سے کھل کر ہر بات کرلینی چاہیے۔ جسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ حالات کیسے نازک موڑ پر آکھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا، دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ اور آنکھیں صاف کرتے اٹھ بیٹھی۔ آنکھوں کے آگے دھندسی چھارہی تھی، وجود ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ لیکن دل ودماغ پر تو بس ایک دھن سوار تھی۔ بجائے میسج وغیرہ لکھنے کے اس نے کال ہی ملالی۔

''ہیلو۔'' نصیر نے ایک محتاط نظر اطراف پر ڈالتے گھر سے باہر کی راہ لی۔ اس وقت وہ اپنے گھر میں موجود تھا اور یہاں رباب سے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ مغرب کی اذانیں ہوچکی تھیں۔ وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر لوٹا تھا۔ رباب کی کال اٹینڈ کرتے ویران اندھیری گلی کے آخری سرے تک چلا گیا۔

''کہو۔ خیریت ہے نا۔ واسع آگیا؟''

''واسع ابھی نہیں آیا، اماں بتارہی تھیں پہنچنے والا ہے۔''

''چاچی کی طبیعت اب کیسی ہے۔ چیک اپ ہوگیا تھا؟'' نصیر کا ذہن بس ایک ہی جانب لگا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہی ہوں گی۔ میں ان کے ساتھ تو نہیں تھی۔'' رباب اس کے سوالوں سے چڑنے لگی۔

''ایسے بات کیوں کررہی ہو، واسع رابطے میں تو ہوگا۔ بندہ پوچھتا نہیں ہے کیا؟'' نصیر کو اس کے رویے پر تعجب ہورہا تھا کیونکہ وہ تو جب سے گھر آیا تھا اسے واسع سے ملنے کی بے چینی لگی تھی۔

''ہاں اماں کی بات ہوتی رہی تھی، لیکن میں نے کسی اور کام سے کال کی ہے نصیر۔ پہلے ہی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کس کام سے؟'' نصیر نے طبیعت والی بات توجہ سے سنی ہی نہیں۔

''تم فارغ ہو۔ آرام سے بات کرلوں؟''

''ہاں کہو۔'' نصیر نے ابرو جوڑے۔

''تم نے اپنی اماں سے پوچھا تھا۔ وہ رشتے والی بات؟''

''رشتے کے بارے میں۔ کیا پوچھوں اماں سے؟'' وہ ریزرو ہوا، بات تو اس کی سمجھ میں آگئی تھی لیکن وہ کھل کر بولنے سے گریز کررہا تھا۔ پہلے ہی وہ اس معاملے میں رباب سے ایک جھوٹ بول چکا تھا کہ اماں اپنی مرضی سے نیلم کا رشتہ لے گئی تھیں، جبکہ سچ یہ تھا کہ اس نے ہی اجازت دی تھی۔ اور اس اجازت کے پیچھے اس کا مقصد کیا تھا، شاید وہ رباب کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔

''انہوں نے تم سے پوچھے بغیر رشتہ مانگ ڈالا اور تم نے آکر کچھ پوچھا ہی نہیں۔'' رباب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اپنا موقف اس پر کیسے واضح کرے۔

''نصیر! اب تو اتنا وقت گزر گیا، اور انہوں نے ابھی تک کوئی جواب بھی نہیں دیا، تو تم اس موقعے سے فائدہ اٹھاؤ نا، اس بار اپنی اماں کو سمجھا کر جاؤ۔''

''میں بات کروں گا رباب! لیکن ابھی اس جرگے کے معاملے کا تو کوئی حل نکلنے دو، دیکھتی نہیں واسع کتنی مشکل میں ہے۔ ہم کیا رشتوں کی باتیں کرتے اچھے لگیں گے۔ حالات کی نزاکت کو تو سمجھو۔''

''تمہارے دیر کرنے سے حالات اور بھی بگڑیں گے نصیر! کچھ تو ہمارے بارے میں بھی سوچو، میں دن رات جس فکر میں گھل رہی ہوں۔ تمہیں تو کوئی پروا ہی نہیں۔'' رباب کا لہجہ اپنی بے بسی پر بھیگ گیا۔

''تم عورتوں کی طرح ہم سر پہ سوار کرکے بیٹھتے بھی نہیں ہیں۔ ہر کام کے لیے اچھے وقت کا انتظار کیا جاتا ہے۔''

''تم اگر سنجیدہ ہوتے تو پھوپھی وہاں رشتہ ہی کیوں مانگتیں۔'' وہ اس پر الٹ پڑی اور نصیر کو بھی غصہ آگیا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"فضول باتیں مت کرو رباب! اماں کی مرضی سے یہاں کون واقف نہیں، وہ ہمیشہ سے یہی چاہتی تھیں اور اپنی پسند کا اظہار بھی کھل کر کرتی تھیں۔"

"ہاں، لیکن باقاعدہ رشتہ تو پہلے نہیں مانگا تھا۔"

"تو کیا کروں۔ جاب چھوڑ کر ان کی پہرے داری شروع کر دوں۔" نصیر جتنا اس موضوع سے اجتناب برت رہا تھا۔ رباب کی ضد اتنا بڑھتی جا رہی تھی۔

"کچھ مت کرو تم۔ پھنس جاؤ تم بھی بڑے لوگوں کے جال میں۔ دولت کی کشش چیز ہی ایسی ہے۔" اس نے روتے ہوئے کال کاٹ دی۔

"لیو نیئے۔ خر مغزے۔" نصیر نے بھینچے ہونٹوں کے ساتھ غصے سے موبائل کو گھورا۔ "اس سر پھری، بدتمیز لڑکی سے بحث کرنے کے بجائے۔ محبت کا ثبوت پلیٹ میں سجا کر پیش کرنا چاہیے۔ بے ادب، گستاخ۔"

وہ آخر میں مسکرا کر واسع کا نمبر ڈائل کرنے لگا لیکن نمبر آف ملا، شاید راستے میں سگنلز کی وجہ سے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر موبائل جیب میں ڈال کر گھر لوٹ گیا۔

اُسے واقعی اندازہ نہیں تھا کہ رباب اس تمام معاملے کو کتنی گہری سنجیدگی سے لے چکی ہے۔ آج کی رباب کی کال خود کو گومگو سے نکالنے کی ایک کوشش تھی، اسے اگر نصیر کا ساتھ حاصل ہو جاتا تو وہ ذکا کی کسی ایک بھی بات پر کبھی کان نہ دھرتی، لیکن نصیر کی غیر سنجیدگی اسے ایک مرتبہ پھر سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔

جمیلہ دوا اور پانی لیے کمرے میں آئیں تو رباب موبائل سائیڈ پہ رکھ کر اپنی روئی آنکھیں صاف کرنے میں لگی تھی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں۔ حالت تو دیکھو اپنی، بجائے آرام کرنے کے باتوں میں لگی ہو۔" وہ نرمی سے سرزنش کرنے لگیں۔

"رو کیوں رہی ہو۔ نصیر تھا فون پہ؟" وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں اور رباب بنا جواب دیے دانتوں سے ناخن کاٹنے لگی۔

"کیوں اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو، نصیر کا خیال چھوڑ دو رباب۔ تمہاری پھوپھی اپنا غلبہ ظاہر کر چکی۔ اس نے نصیر کی پسند کا لحاظ کرنا ہوتا تو جبار کے ہاں رشتے کی بات کیوں کرآتی؟ اور سچ کہوں نصیر سے بھی مجھے یہیں تک اُمید تھی، میرا خیال تھا وہ اپنی ماں کو روکنے میں کامیاب ہو جائے گا اور ایسا ہوتا تو میں بھی اس کے سچے جذبے پر اطمینان محسوس کرتی لیکن وہ کچھ نہیں کر پایا رباب! خدا کے لیے تم بھی خود کو دھوکا دینا چھوڑ دو۔ کب تک بٹھائے رکھوں گی تمہیں، اچھے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے، نکل آؤ اس فریب سے۔"

جمیلہ نے بھی بالآخر اپنے خدشے، اپنے وہم اس سے کہہ ہی ڈالے۔ بیٹی کی حالت کو جتنے قریب سے وہ دیکھ اور سمجھ رہی تھیں اور کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رباب کا کندھا تھپک کر اسے سوچنے کا موقع دیتے باہر چلی گئیں۔

"ان آنکھوں نے بس ایک ہی خواب دیکھا ہے اماں۔" رباب نے شیشے کے گلاس پہ ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔ "اور محبت کا یہ سہانا خواب دکھانے والے کو میں اتنی آسانی سے راستہ نہیں بدلنے دوں گی۔ نصیر اگر اپنے وعدے سے مکر رہا ہے تو رباب اپنے قدم پیچھے ہٹا کر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دے گی۔"

"تمہیں تو اب میں بتاؤں گی نصیر۔ محبت کی راہ میں کانٹوں سے کیسے نمٹا جاتا ہے۔" رباب نے غصے سے پھنکتی سانسوں، تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ ذکی کا نمبر نکالا اور ایک میسج ٹائپ کر کے بنا سوچے فوراً سینڈ بھی کر دیا۔

"میں تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں ذکی۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟" ذکی نے موبائل اوپن کر کے میسج پڑھا تو لبوں پر بڑی شرارتی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"بس ایک دن اور رباب۔ تمہارے بھائی کو

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ں دوگنی شکست سے دوچار کروں گا۔ دیکھتی جاؤ۔"

☆☆☆

ڈاکٹر نے سلطانہ کو احتیاط، پرہیز اور السر کی دوائی لکھ کر بھیج دیا تھا۔ واسع اور رئیس مغرب کے کچھ گھنٹہ بھر بعد ہی انہیں لیے گھر واپس پہنچ گئے تھے۔

"لالہ! وہ اکاجان نے پیغام بھیجا ہے آپ کے لیے۔ کہہ رہے تھے آج جو جرگہ ملتوی ہو گیا وہ کل ظہر کے بعد بلایا جا رہا ہے۔" اسفند بیچ کے دروازے سے ہوتا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کل ہی؟" واسع کے چہرے پہ رنگ سا لہرا گیا۔ ابھی ابھی تھک کر پلنگ پہ پاؤں سیدھے کیے تھے، پورے دن کی بھاگ دوڑ میں آرام کا موقع ہی کہاں ملا تھا، لیکن اسفند کی بات پر پریشانی سے فوراً ہی اُٹھ بیٹھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ آج ملتوی ہونے والا جرگہ اتنی جلدی دوبارہ بلوایا جا سکتا ہے۔ نجانے چاچا کو اتنی جلدی کس بات کی تھی۔ اور شاید اب وہ یہ بات سمجھ سکتا تھا۔ اماں کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ چپل باندھ کر دوبارہ کھڑا ہو چکا تھا۔

"کھانا؟" رباب نے حیرت سے دیکھا۔

"ابھی ٹائم نہیں ہے۔" وہ ٹوپی سر پر جماتے تیزی سے کمرا چھوڑ گیا۔ آرام، کھانا یہ سب اب کہاں ممکن تھا۔ آج ہوئے انکشافات کے بعد تو اسے اچھا خاصا وقت درکار تھا، سوچنے کے لیے، پلان کرنے کے لیے۔ ملنے ملانے کے لیے۔ لیکن......

کوئٹہ سے واپسی کا سفر بھی ان ہی الجھن بھرے خیالات کی نذر ہو گیا تھا۔ احمد اور نگینہ سے ملاقات نے سارا منظر نامہ ہی اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ یعنی مایوسی، ناکامی اور انتہا کا درد سہ لینے کے بعد اب جبکہ وہ اپنے باغ سے حقیقتاً دست بردار ہوا ہی چاہتا تھا تو قدرت کی اس مدد کو انعام جیسا سمجھنا اس کا حق تھا لیکن بے یقینی بھی ابھی اس شدت کی تھی کہ وہ اتنی بڑی خوشی کو قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ احمد سے ملنے والی معلومات نے جہاں حیران اور خوش کیا تھا وہاں بہت کچھ سوچنے پر بھی مجبور کیا تھا۔

جبار چاچا نے پچھلے جرگے میں واسع کی ناکامی کے تابوت میں گواہوں کی طلبی کو جیسے آخری کیل جیسا ٹھونکا تھا۔ جانتے تو جبار چاچا بھی تھے کہ اس معاہدے کے تین گواہ ہیں، تو پھر ان کا اعتماد؟

واسع ایک وکیل تھا، سوچنے کا انداز دھیرے دھیرے کچھ اور بھی بدلا تھا۔ چیزوں کو دیکھنے کے سیدھے سادے پیمانے اس نے بھی ترک کر دیے تھے۔ چاچا کی اعتماد کی وجہ بھی بہت سوچنے پر گرفت میں آ گئی۔ اول تو دس برس گزر جانے پر انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ حبیب الرحمٰن نے گواہوں کے متعلق گھر جا کر کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ ورنہ شوہر کے مرنے کے سال بھر بعد جب جمیلہ اپنا حق مانگنے گئیں تو گواہوں کا ذکر ضرور کرتیں۔ تبھی پچھلے جرگے میں گواہوں کی بات انہوں نے اس لیے کر دی کہ احمد تو اب یہاں تھا نہیں اور اس کے آنے کا امکان بھی نہیں تھا، اور خلیل پھوپھا بلاشک وشبہ جبار چاچا کے حمایتی تھے۔۔ انہیں چپ رہنے کو کہا گیا اور وہ آج تک چپ تھے، حتیٰ کہ ان کی اولاد تک بے خبر تھی اس حقیقت سے۔ نصیر سے واسع کی بارہا اس موضوع پر بات ہو چکی تھی، گواہ نہ ہونے کو وہ کئی بار ڈسکس کر چکے تھے، اور جتنا واسع نصیر کو جانتا تھا وہ اس سے غلط بیانی ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ رہ گئے مولوی صاحب تو وہ خاندان اور برادری میں نہ آتے تھے، پھر بزرگ آدمی تھے اور برسوں ہوئے بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے گھر پڑا رہا کرتے تھے۔ لگتا تھا کچھ ان ہی کے علم میں آنے کے خوف سے ہی جبار چاچا اتنی جلدی ڈال رہے تھے۔

تو اب؟ وہ اسفند کی اطلاع کے بعد گھر سے اسی وقت نکل آیا تھا۔ باغوں کی دیوار کے پیچھے پیچھے چلتے وہ اپنے باغ کے پچھواڑے والے ویران راستے پر آ کر رک گیا۔ اونچے پتھر سے پشت ٹکائے ہاتھ آگے سینے پر باندھے وہ پیچھے کے لکڑی کے گیٹ کو

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تک رہا تھا۔
اسے مولوی صاحب سے پہلے خلیل پھوپھا سے بات کرنی تھی۔ انہیں بتانا تھا کہ وہ ان کے گواہ ہونے والی حیثیت سے واقف تو ہے لیکن بنا ان کی مرضی کے ان کا نام سامنے نہیں آنے دے گا۔ اگر وہ کسی مصلحت یا مجبوری میں پھنسے ہیں تو اس کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اور یہ تو اسے یقین تھا کہ خلیل پھوپھا بھی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ جبار چاچا کے ساتھ ان کے زیادہ گہرے مراسم تھے۔ کچھ مفادات بھی تھے، رشتوں کی مجبوریاں بھی تھیں۔ کُل ملا کر یہ امکان صفر تھا کہ وہ اس کا ساتھ دینے کو راضی ہوں۔ لیکن انہیں اطلاع دینا واسع کی مجبوری تھی، واسع کو اس وقت مولوی صاحب کی حمایت درکار تھی اور اسے پوری امید تھی کہ وہ ایک سیدھی سچی گواہی کے لیے ضرور راضی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے جرگے میں اس روز کے معاہدے کو یاد کرتے سب ہی عینی شاہدین کے نام لے دیئے تو خلیل پھوپھا ہی مشکل میں پھنس جائیں گے۔ لامحالہ انہیں بھی سچی قسم کھانا پڑ جائے گی اور واسع ان کا برا نہیں چاہ سکتا تھا۔ اس کا کام جب ایک گواہ کی قسم سے پورا ہو سکتا تھا تو بلاوجہ وہ کیوں کسی اور کو مشکل میں ڈالتا، لیکن بات پھر وہی آجاتی تھی کہ آخر بنا خلیل پھوپھا کے علم میں لائے وہ مولوی صاحب کو کیسے ان کا نام لینے سے منع کرے۔
کل کو کسی وجہ سے وہ کہہ سکتے تھے کہ تم نے تو مجھ سے اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی، نہ فیور مانگی، نہ میرے علم میں لائے وغیرہ وغیرہ۔ تو مطلب پہلے ان ہی سے ملنا تھا۔
واسع کے پاس وقت بہت کم تھا۔ عشاء کی اذان ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہوئی تھی۔ یہاں کے ماحول میں مساجد کی رونقیں عشاء کے بعد گھنٹہ بھر ہی رہتیں، مولوی توفیق احمد بھی مسجد کو بند کر کے گھر کو روانہ ہو جاتے۔ ان کی مسجد بھی وہاں سے ذرا دور گاؤں کے آخری کنارے پر تھی۔

واسع پتھر سے ہٹ کر بائیں ہاتھ کو خلیل پھوپھا کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوا۔ ان سے جلد از جلد بات نمٹا کر اسے مولوی صاحب کے پاس جانا تھا۔ ذہن پہلے کی نسبت اب بہت حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔
اتفاق سے خلیل پھوپھا بھی اکیلے اور فارغ بیٹھے تھے، بڑے تپاک سے ملے اور سلطانہ چاچی کی طبیعت، ان کے چیک اپ کے متعلق پوچھنے لگے۔ جرگے کا موضوع البتہ واسع کو خود ہی چھیڑنا پڑا کہ ٹائم ہی بہت کم بچا تھا۔
''اکا جان بتا رہے تھے۔ کل ظہر کے بعد جرگہ دوبارہ بلایا ہے، دراصل مجھے اسی سلسلے میں آپ سے اور مولوی یعقوب صاحب سے ضروری بات کرنا تھی۔''
''مجھ سے؟'' خلیل پھوپھا جرگے کے نام پر چونکے یا نہیں پر اپنے اور مولوی صاحب کے ذکر پر رنگت یکسر متغیر ہوئی۔
''میں نے سنا ہے کہ میرے بابا اور جبار چاچا کے معاہدے کے وقت آپ وہاں موجود تھے؟''
''یہ کس نے کہا؟'' انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا۔
''جس نے بھی کہا، میں نے بہرحال آپ کے اور مولوی صاحب کے کہے پر یقین کرنا ہے۔''
''تو کیا کہا مولوی صاحب نے؟'' خلیل پھوپھا کا جواب واسع کی توقع کے عین مطابق نکلا۔
''اُن سے ابھی ملا نہیں۔'' واسع اپنی فطری سادگی کی بنا پر آرام سے بتانے لگا۔
''مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں۔'' انہوں نے بظاہر لاپروائی سے کندھے اُچکاتے محتاط رویہ اپنایا۔
''چلیں کوئی بات نہیں۔ ایک مولانا صاحب کی گواہی بھی کافی رہے گی۔ وہ ایک معتبر شہادت ہیں، یہاں کون ہے جو ان جیسے متقی پرہیزگار کی بات سے انحراف کرے۔'' واسع بنا بحث میں پڑے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں صرف آپ کے علم میں لانا چاہتا تھا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کہ گواہوں کے متعلق مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ باقی یہ تو عینی شاہدین کی مرضی پہ منحصر ہے کہ وہ گواہی کے لیے تیار ہوتے ہیں کہ نہیں۔ میں بہرحال احتیاطاً مولوی صاحب کو آپ کا نام لینے سے منع کر دوں گا۔"

"السلام علیکم۔" پیچھے سے سنائی دیتی وہ دوست دار آواز واسع کے لیے اس وقت بالکل غیر متوقع اور چونکانے کا باعث بنی تھی۔

"نصیر! آج اس وقت یہاں؟" واسع پلٹا تو نصیر آنکھوں میں حیرت لیے ابھی تک اس کے آخری جملے میں الجھا تھا۔

"تم؟" واسع ہنس کر آگے بڑھتے نصیر سے بغلگیر ہو گیا۔ "ابھی آئے ہو کیا؟"

"ارے نہیں، آج دوپہر کو آیا تھا، تمہیں کال ملاتا رہا لیکن رابطہ ہی نہیں ہو پایا۔"

"ہاں بہت مصروفیت رہی سارا دن۔ موبائل چیک کرنے کا ابھی تک موقع نہیں ملا۔"

"کھڑے کیوں ہو، آؤ بیٹھتے ہیں۔" نصیر نے ایک بازو اس کے شانے پر رکھے دوسرے سے چارپائیوں کی طرف اشارہ کیا، جس پر واسع نے بے ساختہ پریشانی سے خلیل پھوپھا کی طرف دیکھا، جن کی آنکھوں سے صاف بے بسی جھلکتی تھی۔ اور واسع کو ایسے موقع پر خوف سے جھرجھریاں آتی تھیں، جب ایسا محسوس ہو کہ اگلا آپ کے سامنے بالکل مجبور و لاچار حالت میں کھڑا آپ سے رحم کی بھیک کا طالب ہے۔ چاہے یہ مجبوری کیسی ہی خود غرضانہ کیوں نہ ہو۔

"نہیں، میں چلتا ہوں، آج سارا دن ریسٹ نہیں کیا نا۔ اب گھر جا کر آرام کروں گا۔"

"تو چلو، مل کر چلتے ہیں۔"

"جانتے بھی ہو۔ آج سارا دن تمہارا کتنا انتظار کیا ہے۔"

نصیر صلاح دے کر ساتھ چلنے کے لیے تیار بھی ہو گیا تو واسع کے لیے مزید مشکل بن گئی۔ اسے تو فوری طور پر مولوی صاحب سے ملنا تھا۔ معمولی سی دیر بھی بات کو اگلے دن پہ ٹال دیتی اور اسے ہر حال میں ان کا جواب آج ہی جاننا تھا تب ہی دل کو کچھ تسلی نصیب ہو سکتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم بھی گھر آ جاؤ، لیکن مجھے بس تھوڑا سا ٹائم دے دو، آں......" واسع نے رک کر کچھ دیر سوچا۔ "یوں کرو تم گھر ہی چلے جاؤ، میں بس پیچھے پیچھے آ جاتا ہوں۔ کسی سے بہت ضروری ملنا ہے، بس ابھی آیا۔"

"ارے یار تو اکٹھے نکلتے ہیں ناں۔" نصیر کہتا رہ گیا لیکن واسع اسے ساتھ لے جانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ بعد میں کوئی بھی بہانہ بنا دیتا، یہی سوچ کر بنا اس کی اگلی بات سنے باہر نکل گیا۔

"خیر تو ہے؟" واسع کے چلے جانے کے بعد نصیر حیرت سے باپ کی طرف پلٹا۔ "واسع کس کام سے آیا تھا؟"

"ارے نہیں، یہاں سے گزر رہا تھا تو یونہی سلطانہ بھابی کی طبیعت کا حال بتانے رک گیا۔" خلیل احمد سمجھ گئے، نصیر نے زیادہ کچھ نہیں سنا، پھر واسع کی باتوں سے بھی صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا نام بیچ میں نہیں آنے پائے گا۔

"ہوں۔" نصیر لب بھینچے پریشان سا اپنی جگہ پہ رکا۔ واسع شاید اس سے خفا تھا۔ اس لیے بنا رکے ہی رخصت ہو گیا۔ اور یہ سوچ نصیر کے لیے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ اس نے مڑ کر بابا کو دیکھا۔

"ڈیرہ بند کر کے گھر چلیں؟" اس نے دل میں ارادہ کیا کہ بابا کو گھر چھوڑ کر وہ واسع کی طرف چلا جائے گا۔

"گھر......؟" وہ سٹپٹا گئے۔ ابھی ابھی جو جھٹکا واسع نے انہیں دیا تھا۔ وہ اس سے باہر ہی کہاں نکلے تھے، بلکہ اب تو آگے کے متعلق سوچنے کا وقت تھا۔ اور نصیر انہیں گھر لے جانے کی بات کر رہا تھا۔

"تم جاؤ نصیر! مجھے تھوڑا کام ہے یہاں۔ میں بعد میں آ جاؤں گا۔ تمہیں تو کل ڈیوٹی پر بھی جانا ہو گا، گھر جا کر آرام کرو۔"

"ڈیوٹی پر نہیں جانا بابا، چھٹی لے کر آیا ہوں۔"

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پھر کل تو جرگہ بھی ہے نا۔ میں بھی شرکت......"
"بلاوجہ چھٹی کی کیا ضرورت ہے نصیر! اور جرگوں کے لیے ہم بڑے ہیں ناں۔ تم گھر جاؤ، بہت دیر ہوگئی ہے، کسی اور کے ہاں جانے کا بھی یہ مناسب ٹائم نہیں ہے۔"

خلیل احمد کا لہجہ کچھ تنبیہی اور کھردرا سا ہوا، ان کا بس نہیں چل رہا تھا جلد از جلد نصیر کو کسی طرح ژوب ہی دھکا دے دیں۔ یہاں کی صورت حال تو کافی حساس بن رہی تھی۔ ایسے میں نصیر کا یہاں ہونا قطعی ان کے حق میں نہ تھا۔

"جی۔" نصیر نے باپ کا رویہ دیکھتے بحث مناسب نہیں سمجھی اور باہر نکل آیا۔ خلیل احمد نے دروازے میں آکر اسے ڈیرے سے باہر نکلتے دیکھا اور مکمل غائب ہو جانے تک دیکھتے ہی رہے۔ اور پھر جلدی سے واپس پلٹ کر اپنا موبائل اٹھایا۔

انہیں فوراً سے پہلے جبار کو اطلاع دینی تھی کہ واسع کو گواہوں کا پتا چل گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ مولوی صاحب کے پاس گیا ہے یقیناً ان کی حمایت چاہنے۔

ادھر نصیر نے باہر نکل کر موبائل نکالا، بابا نے اس وقت کہیں بھی جانے سے منع کر دیا تھا، اس نے سوچا ، واسع کو کال کر کے بتادے کہ اب وہ اس کے گھر نہیں جا رہا، نجانے بابا نے اس سے اتنے عجیب موڈ میں بات کیوں کی تھی، نصیر کا دل کچھ نہ سمجھ آنے والی کیفیات میں گھرا تھا۔ موبائل سامنے کھولے بھی وہ غائب دماغی کی حالت میں ابھی کچھ دیر پہلے کی باتوں میں الجھا تھا۔

اسے یاد آیا کہ جب وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا تو اندر سے واسع کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جسے سن کر وہ مسکراتے ہوئے بڑے خوش گوار موڈ میں اندر داخل ہوا تھا لیکن وہ الفاظ۔ نصیر نے رُک کر دوبارہ ان پر سوچا، واسع کے آخری دو جملے بہت واضح اور صاف اس کے کانوں میں پڑے تھے لیکن اس کے اندر آنے پر۔ موبائل کو نصیر نے مٹھی میں بند کیا، لب بھینچ گئے اور ابرو ان الفاظ کو ذہن میں دُہراتے ایک نقطے پر اکٹھے ہو گئے۔

"عینی شاہدین کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ راضی ہوتے ہیں کہ نہیں، بہر حال مولوی صاب کو آپ کا نام لینے سے منع کر دوں گا۔"

لیکن بابا نے کہا کہ سلطانہ مامی کی طبیعت پر بات ہو رہی تھی۔ پھر واسع کی عجلت، اس کا گریز اور آخری بات۔ نصیر کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

"بابا نے اس سے کہا کہ کل تم ڈیوٹی پر جاؤ، جرگہ ہم سنبھال لیں گے۔"

اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ ابھی واسع سے ملے، تبھی سیدھا گھر جانے کا کہا۔ نصیر نے تیزی سے قدم واپس موڑے، ڈیرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو شریف قہوے کے خالی برتنوں کی ٹرے لیے کونے کے کچن میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ چند قدموں میں ہی صحن اور برآمدہ عبور کرتے کمرے کے دروازے تک پہنچا، بابا کسی سے فون پر بات کر رہے تھے، پہلے ہی جملے نے نصیر کے قدم جکڑ لیے۔

"اگر وہ نہیں ہیں ذکی! تو جلدی ان سے رابطہ کرو، انہیں بتاؤ کہ واسع کو میرا اور مولوی یعقوب کا پتا چل گیا ہے، کسی طرح جرگہ ملتوی کریں، مولوی صاحب کو روکیں۔

ارے بتانا کس نے ہے، ابھی واسع خود آیا تھا۔" خلیل بری طرح چڑے ہوئے لگ رہے تھے۔

"مجھ سے تو حمایت مانگی ہی نہیں، اسے پتا تھا میں نے تیار نہیں ہونا، بابا سے کہو، مولوی صاحب کو کسی طرح چپ کروا سکتے ہیں تو سوچیں۔ باغ بچانا ہے ذکی تو سمجھ لو کہ ایک یہی آج ہی کی رات ہے۔"

خلیل احمد تو جذباتی سے ہو کر ذکی کو سمجھانے میں لگے تھے اور یہاں نصیر کے لیے ہر بات سمجھنا آسان ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی شدت کا افسوس بھی ہوا اس بات پر کہ واسع تو اس کے بابا کو بچا گیا تھا لیکن وہ بجائے احسان مند ہونے کے جبار ماما سے دوستی نبھانے لگے تھے۔ نصیر نے نیم وا دروازے پر ہاتھ سے دھکا دیتے اسے پورا کھول دیا۔ موبائل خلیل احمد کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا، نصیر پہ نظر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پڑتے ہی جلدی سے کال کاٹ دی۔ وہ دکھ اور تاسف سے کچھ لمحے چپ کھڑا بس انہیں دیکھتا رہا۔

"آپ باغ کے معاہدے کے وقت موجود تھے وہاں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ان سے پوچھا بھی تو بس اتنا۔ اور خلیل احمد ہاتھ مل کر رہ گئے۔

"میں کوئی گواہ وغیرہ نہیں ہوں، نہ ہی ہمارے دستخط ہیں، نہ ہمیں کسی نے شامل کیا کسی مشورے میں۔" خلیل احمد سے جلدی جلدی میں یہی جواب بن پایا۔

"لیکن آپ ذکی کو مشورے دے رہے تھے ابھی۔" نصیر نے بمشکل لہجے کی تلخی پر قابو پایا۔ "اور آپ عینی شاہد ہیں۔ لیکن آپ نے برسوں ہمیں یہ بات بتائی ہی نہیں۔"

"کیوں نہیں بتائی، تمہاری ماں کو پتا ہے۔"

"اور ان ہی نے آپ کو چپ رہنے کی صلاح دی ہوگی، جانتا ہوں۔" نصیر کا خون ابل ابل کر خود اسی کے وجود کو جھلسا رہا تھا۔

"واسع نے آپ سے صاف کہا کہ یہ عینی شاہدین کی مرضی پر ہے، وہ گواہی دینا چاہیں یا نہیں۔ مطلب اس کی طرف سے آپ پر کوئی دباؤ نہیں تھا، تو پھر آپ شکر پڑھ کے چپ ہو رہتے۔ یہ آپ نے کیا کیا؟"

نصیر نے ہاتھ آگے کر کے ان کے موبائل فون کی طرف اشارہ کیا۔ بیک وقت کتنی ہی باتوں نے اسے صدمے سے دوچار کیا تھا۔ یہی ایک دکھ بھی کیا کم تھا کہ اس کا سگا باپ واسع کے باغ کا مضبوط گواہ تھا اور اسے آج تک یہ بات معلوم ہی نہ تھی۔

"وہ ابھی ابھی آپ پر ایک احسان کر کے گیا ہے، مولوی صاحب کو یہ کہہ کر منع کرنے کہ کل جرگے میں آپ کا نام تک نہ آئے اور آپ۔" وہ دبا دبا چیخ اٹھا۔ "اور آپ اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہیں ...... اور...... اوہ......"

نصیر پر تکلیف دہ ادراک رفتہ رفتہ اتر رہے تھے۔

"تو ہفتوں سے اس لیے آپ میری راہ میں رکاوٹ بنے کھڑے تھے، واسع کو ماما کے پاس جانے کے لیے میرا ساتھ چاہیے تھا لیکن آپ نے اس حمایت کی راہ میں رخنے ڈالے، پہلے آپ نے شکار کا بہانا بنایا پھر آپ میرے پاس ژوب چلے آئے اور اب آپ مولوی صاحب کو چپ کروانے میں لگے ہیں ناں۔ تو دیکھیے گا کل بھرے جرگے میں، میں آپ کو بلواؤں گا۔ واسع اپنی سادگی سے جتنا نقصان اٹھانا تھا اٹھا چکا۔ آپ سب یاد رکھیے، اب میں اس کے ساتھ کھڑا ہوں۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو نصیر! جبار ماما سے دشمنی مول لینے کا سوچنا بھی مت۔" خلیل بھی غصہ میں آگئے۔

"آپ نبھائیں بڑے لوگوں سے اپنی یاری۔ بچائیں اپنے مفادات، لیکن یاد رکھیں، نصیر اپنی جان پہ کھیل کر بھی سچ کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔"

"تمہارا وہاں رشتہ ہونے جا رہا ہے نصیر۔" وہ زور سے چلّائے۔ "اپنی بہن کے بارے میں سوچو...... اور دیکھو، باپ کا ساتھ چھوڑ کر تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنے لگے۔

"سب سے پہلے میں ہی آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا بابا۔" نصیر نے اس بار قدرے تحمل سے ان کی طرف دیکھا۔ چہرے پر انتہا کی سختی اور سنجیدگی چھپی تھی۔ "آپ جرگے میں گواہی نہ دیتے، آپ کا نام بھی دنیا کو معلوم نہ ہوتا، حتیٰ کہ میں بھی جاننے کے باوجود خاموش رہتا لیکن تب......" اس نے رک کر زور دیا۔ "جب آپ کی چپ واسع کو انصاف دلا دیتی، واسع نے آپ کو مجبور نہیں کیا گواہی کے لیے، اور مجھے یقین ہے واسع کے منع کرنے پر مولوی صاحب بھی آپ کا نام نہیں لیں گے، لیکن آپ کو شاید کسی کے ساتھ کی ضرورت ہی نہیں ہے، تب ہی آپ خود اپنے آپ سے دشمنی کرنے پر تُل گئے۔ باغ اگر جبار ماما سے واپس واسع کے پاس آجائے تو آپ کو اس سے مسئلہ کیا ہے۔ کیا یہ کہ ذکی اور نیلم سے ہماری شادیاں کروا کے آپ بھی ان باغوں میں حصے دار بن سکتے ہیں؟"

نصیر صرف تبصرہ ہی نہیں ساتھ ساتھ خود بھی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تجزیہ کرتا جا رہا تھا۔ موبائل فون کی تیز گھنٹی پر دونوں چونکے، خلیل احمد نے موبائل کی طرف دیکھا۔ کال جبار بھائی کی طرف سے آرہی تھی۔

''اُٹھائیں فون اور سُنیں کوئی نئی سازش۔'' اس نے ابرو سے اشارہ کیا۔ ''مولوی صاحب کو غائب کروادیں، واسع کا گلا گھونٹ دیں کیونکہ جھوٹ کے پاس جب جواب نہیں ہوتا تو وہ سچ کا خون کرنے پہ اُتر آتا ہے۔ لیکن کل کا جرگہ......'' وہ آنکھیں چھوٹی کیے بمشکل خود پہ قابو کیے کھڑا تھا۔

''کل کا جرگہ ہر جھوٹ، سچ کو بے نقاب کردے گا، چاہے وہ کسی کی زندگی کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔''

وہ ایک جذب سے بولتے کمرے سے باہر نکل گیا اور خلیل احمد منہ کھولے حیرت زدہ سے بیٹے کی پشت اور ہاتھوں میں چیختے موبائل کو دیکھتے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

☆☆☆

مولوی یعقوب صاحب گواہی دینے کو تیار ہوگئے تھے۔ اور خلیل احمد کا نام نہ لینے پر راضی بھی ہوگئے تھے، اگرچہ بعض اوقات مشران کے سوالات پر مکمل سچ بتانا ناگزیر بھی ہو جاتا ہے۔ اور گواہی کا طریقہ چونکہ انتہائی کڑا تھا تو سچ بولے بنا چارہ بھی کوئی نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ قرآن پاک پہ ہاتھ رکھ کر ماضی میں کھائی گئی چند ایک جھوٹی قسموں کا خمیازہ بھگتنے والے بھی مثال کے طور پر موجود تھے۔ اسی لیے کسی بھی مقدمے سے نمٹنے کا پہلا سیدھا حل فریقین میں مصالحت کرا کے قسموں کی راہ سے بچنا ہوتا تھا۔ یہ اور بات کہ جبار کو برسوں پرانے ایک کاغذ کی بنا پر خود ہی اس راستے سے آنے کا شوق چرایا تھا۔

نصیر کی سمجھ میں آگیا تھا کہ واسع اتنی عجلت میں مولوی صاحب سے ہی ملنے گیا تھا، بنا اسے ساتھ لیے...... اور اب وہ بھی مولوی صاحب سے مل کر ہی آرہا تھا۔ بغیر واسع کے علم میں لائے۔ اس کے بابا نے جبار ماما اور ذکی کو اطلاع دے کر جو غلطی کی تھی اس کا ازالہ بھی اب اسے خود کرنا تھا۔ نصیر نے مولوی صاحب سے کہا کہ جرگے کے وقت وہ خود انہیں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ آکر لے جائے گا۔ مولوی یعقوب نصیر کی باتوں پر مسلسل مسکرار ہے تھے۔

''جرگوں میں بیان دیتے عمر کٹ گئی نصیر بیٹا، سچ کی راہ میں ایک دن یہ جان اس کے سپرد کردینی ہے۔ جس کی یہ امانت ہے۔ اسی انتظار میں تو جی رہے ہیں۔ گھبراؤ مت۔۔۔ مرحوم حبیب الرحمٰن کے احسان آج تک اس سینے پر لکھے ہیں۔ اس کے یتیموں کا ساتھ احسان سمجھ کر نہیں حق سمجھ کر ادا کر رہا ہوں۔ کاش یہ خدمت مجھ سے برسوں پہلے لے لی گئی ہوتی، مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ باغ تین سال کی مدت پوری ہونے پر اس کے مالکوں کو واپس نہیں کیا گیا۔ تم بھی نیک کام کررہے ہو۔''

''آپ نے پوچھا نہیں مولوی صاحب کہ میرا باپ تو گواہی دینے کو تیار نہیں پھر میں۔''

''دوستی کی لاج نبھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتا نصیر! وقت پڑنے پر سب ہی دعوے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کوئی کوئی خوش نصیب ہی سرخرو ہو پاتا ہے۔ تمہارا حساس دل ان ہی گنے چنوں میں آتا ہے۔ خوش رہو، اللہ پاک اجر عطا فرمائے۔''

''مجھے بہت خوشی ہوگی مولوی صاحب، اگر واسع کو اس کا حق واپس مل جائے۔''

''ضرور مل جائے گا ان شاء اللہ۔''

انہوں نے تسلی کے انداز میں پلکیں موندیں۔

''بڑا نیک بچہ ہے ماشاءاللہ، برسوں بعد جیسے حبیب الرحمٰن سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ بھی بالکل ایسا تھا، اپنی ذات سے پہلے اگلے کا فائدہ سوچنے والا، خود کو تکلیف میں ڈال کر دوسرے کو راحت پہنچانے والا، جانتے ہو نصیر۔ جتنی دیر آج واسع میرے پاس بیٹھا رہا۔ اپنے حق میں گواہی مانگنے سے زیادہ اس کا دھیان تمہارے بابا کو بچانے پر لگا تھا۔ بہت دکھ ہوتا ہے نصیر۔'' مولوی صاحب نے ایک آہ بھری۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

”خود پر لادے دولت کے یہ ڈھیر آخر ایک دن ہم نے یہیں تو پھینک جانے ہیں، تو پھر یہ چھینا جھپٹی، کھینچا تانی کیوں ہمارے انجام کی طرف سے ہمیں اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ مظلوم کا حق غصب کر کے دنیا کے چار دن عیش میں گزار لینا بھی کیسی احمقانہ سودے بازی ہے۔ لیکن افسوس عقل کے اندھوں کو آنکھیں ملنے تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔“ اور نصیر بنا کوئی جواب دیے ایک سرد آہ کھینچتا وہاں سے اُٹھ گیا۔ جب ہم دنیا کی آنکھیں نہیں کھول سکتے تو دل میں ایک ننھا سا گڑھا بن جاتا ہے، پھر ہمارے نہ نظر آنے والے آنسو اس گڑھے میں گرنے لگتے ہیں۔ خاموش، بے آواز، درد بھری سسکیوں سے گونجتا خالی مقبرے سا دل۔

وہ جب مسجد سے نکل کر آبادی کی طرف واپس آرہا تھا تو اس نے ذکی اور اپنے بابا کو مسجد کی طرف جاتے دیکھا، یعنی اس کے باپ پر اس کے کسی جذباتی وار کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا اور اب نجانے وہ کیا طے کر کے مولوی صاحب سے ملنے نکلے تھے۔ نصیر اس رات بڑا بھاری دل لیے گھر واپس آیا۔ یہ رات جس میں نیند آنا بہت کٹھن تھا اور یہ رات جس کی صبح نجانے واسع کے لیے کیا پیغام لانے والی تھی۔

☆☆☆

اور وہ اگلی صبح آ کر گزر بھی گئی۔ سورج نے اُبھر کر پھر ڈوبنا ہی تو ہوتا ہے۔ پر یہ ایک ذرا سا دن۔ کہیں خوشیاں، کہیں درد، کہیں تھوڑا کہیں زیادہ، کہیں اچھا کہیں برا۔ مہرباں تو کبھی نامہرباں سا ایک موج اور لہر سا گزرتے پھر اگلے دن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

عبدالواسع اس سے اگلی اُس نئی طلوع ہوتی صبح میں چھت کی چار دیواری سے اپنے گاؤں پہ نظر ڈالتے دور دکھائی دیتے پہاڑوں کو تک رہا تھا۔ دور کے پہاڑوں سے نظریں دھیرے دھیرے نزدیک کا سفر کرتے اس تیسرے باغ پہ آ کر ٹک گئیں اور پچھلے دن کے واقعات ایک فلم کی طرح دماغ کی اسکرین پر روشن ہو گئے۔

”معاہدے کا گواہ؟“ اکا جان نے حیرت سے پہلے واسع اور پھر جبار کو دیکھا تو انہوں نے لاپروائی کا تاثر دیتے فوری طور پر کندھے اُچکا دیے۔ ذکی اور خلیل کی زبانی رات یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ واسع چشم دید گواہوں کے متعلق جان چکا ہے لیکن ایک تو خلیل ان کے ساتھ تھا دوسرے پچھلی رات کے بعد آج صبح سویرے بھی مولوی صاحب کی طرف ذکی اور خلیل کو بھیج کر ہر طرح سے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ حبیب الرحمٰن نے باغ اگلی مرتبہ میں بیچا تھا لہٰذا وہ ان کے آپس کے خاندانی جھگڑے میں ملوث نہ ہوں۔ اور اس وقت جرگے کے افراد میں مولوی صاحب دکھائی بھی نہیں دے رہے تھے۔ جبار کو پورا یقین تھا، خلیل انہیں قائل کر کے ہی لوٹا تھا۔

”جی اکا جان! میں نے ایسا سنا ہے کہ مولوی یعقوب صاحب اس وقت وہاں موجود تھے۔ لیکن تصدیق تو مولوی صاحب خود ہی کر سکتے ہیں، میں معافی چاہتا ہوں، میں وہ ذریعہ چھپانے پر مجبور ہوں جس سے مجھے پتا چلا کہ......“

”کمال ہے۔“ عبدالجبار نے مذاق اُڑانے والے انداز میں واسع کا جملہ کاٹا۔ ”آپ بھی کس کی بات سن رہے ہیں رحمٰن لالہ! بھلا جرگوں میں ایسے شرکت کی جاتی ہے، پہلے کوئی اس کو یہاں کے اصول قانون ہی بتا دے۔ مجھے کیا اپنے مرحوم بھائی کا حق چھین کر اپنی قبر کو دوزخ بنانا ہے کہ میں جھوٹ بولوں یا غلط بیانی کروں۔ یہاں میں ثبوت ہاتھ میں لیے قرآن پہ قسم کھانے کو تیار بیٹھا ہوں اور یہ آپ کو سنی سنائی باتوں میں الجھا رہا ہے۔ او واسع خانا۔“ عبدالجبار نے اپنی جگہ پر بیٹھے اونچی ہانک لگائی

”یہ تمہارا عدالت کا کمرا نہیں ہے جہاں تم لوگ لفظوں کی ہیرا پھیری سے روپیہ بٹورتے ہو۔“ پھر رخ بھائی عبدالرحمٰن کی طرف کرتے مزید گویا ہوئے۔ ”یہ تو جرگے کی مشران کی کھلی توہین ہے لالہ، واسع تو آپ سے یہ تک چھپانا چاہتا ہے کہ یہ بے سر پیر کی بات اسے کس نے بتائی، کیا جرگے اس لیے بلائے جاتے ہیں؟“

انہوں نے باقاعدہ تقریر ہی کر ڈالی اور اس مرتبہ اکا جان اور چند دوسرے بزرگ مشران نے بھی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

خفگی سے واسع کو دیکھا تھا۔
"جبار صحیح کہہ رہا ہے واسع! گول مول باتیں کر کے تم یہاں جمع ہوئے سب ہی افراد کی توہین کر رہے ہو۔ تمہیں بتانا ہوگا مولوی یعقوب کے متعلق کس نے کہا کہ وہ معاہدے کے وقت موجود تھے؟"
عبدالرحمٰن نے واسع کی طرف دیکھ کر سب کے خیالات کی ترجمانی کی اور واسع کو لگا اس موقع پر اسے اس مقدمے سے پیچھے ہٹنا ہوگا۔ وہ یہاں سب کی موجودگی میں کیسے بتا سکتا تھا کہ وہ احمد سے ملا ہے، وہ احمد جو گاؤں سے ان کے خاندان کی ایک لڑکی لے کر بھاگا ہوا ہے، اور جس کے قتل کی قسمیں کھائی جا چکی ہیں۔" اس نے سخت بے چینی سے لب کاٹے۔
"میں اپنے الفاظ پر تمام جرگے سے معافی چاہتا ہوں، مجھے واقعی ایسا بیان نہیں دینا چاہیے۔ میں یہ......"
"مولوی صاحب۔" باری نے ہاتھ کھول کر دور اشارہ کرتے زور سے کہا اور واسع سمیت سب ہی نے گردن گھمائی۔
نصیر کا بازو تھامے وہ مولوی یعقوب احمد ہی تھے جو آہستہ روی سے چلتے ڈیرے کے اندر تک آ گئے تھے۔ نصیر نے ایک مسکراتی نظر واسع پر ڈالتے مولوی صاحب کو اکا جان کے قریب ایک کرسی پر بٹھا دیا۔
واسع کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ کسی صفائی اور وضاحت کی ضرورت نہ رہی تھی، اب تو جو کچھ کہنا تھا، مولوی صاحب نے کہنا تھا۔ اب تو اس بات کی ضرورت بھی نہ رہی تھی کہ واسع کو ان کے متعلق کس نے بتایا۔
"مولانا صاحب! ہمارے خاندانی جرگے میں؟"
خلیل نے آہستہ آواز میں کہتے ہوئے اکا جان کو لقمہ دینے کی کوشش کی، ایک طرح سے ان کی وہاں موجودگی پر اعتراض اٹھا دیا لیکن اکا جان نے اس جملے پر خلیل کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے چپ رہنے کا اشارہ دیا۔
"مولوی صاحب یہاں ایک عینی شاہد کی حیثیت سے آئے ہیں۔ اور اس کے لیے خاندان کا فرد ہونا ضروری نہیں۔" نصیر نے اکا جان کی طرف دیکھ کر ان ڈائریکٹ باپ کی بات کا جواب دیا۔ جبار کے چہرے کا رنگ تو پہلے ہی اُڑا ہوا تھا، نصیر کی بات پر بے ساختہ ذکی اور خلیل کو دیکھا، اور وہ دونوں بھی نظریں چرا گئے۔
مولوی صاحب نے واسع کی بات کا پاس رکھتے ہوئے بنا خلیل کا نام لیے اپنی اس روز جرگے میں موجودگی کے متعلق تفصیل سے بتا دیا۔ احمد کا نام بھی آیا لیکن وہ ضمناً آ کر چلا گیا۔ کوئی اس نام پر چونکا بھی نہیں تو اسے واسع کے بیان سے جوڑنا مشکل تھا۔ اکا جان نے جبار کا دیا کاغذ انہیں دکھا کر تصدیق چاہی تو انہوں نے کٹنگ کی نشاندہی بھی کر دی کہ کاغذ وہی ہے لیکن اصل تحریر میں چند الفاظ کاٹ کر اسے تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہاں جبار سخت مشکل میں پھنس گئے کیونکہ وہ قرآن پاک پہ ہاتھ رکھ کر یہ قسم نہیں کھا سکتے تھے کہ یہ پیپر کسی اور دن لکھا گیا تھا۔
اکا جان نے مولوی صاحب کی پوری بات سن کر شکوہ بھری نظروں سے جبار کو دیکھا۔
"اور اس بات کا کیا ثبوت ہے مولوی صاحب کہ اس روز آپ وہاں موجود تھے جبکہ حبیب الرحمٰن بتانے کے لیے اس دنیا میں نہیں ہیں اور احمد اب اس گاؤں میں نہیں؟"
جبار کے سالے صاحب نے بہنوئی سے وفاداری نبھانے کے لیے اچانک ہی شوشا چھوڑا، اور مولانا صاحب جو قرآن پاک پر ہاتھ رکھے اکا جان کے سوالوں کا جواب دے رہے تھے، مسکرا کر معنی خیزی سے جبار کو دیکھا۔
"تو مطلب مجھے یہ بتانا ہوگا کہ اور وہاں کون تھا جو میری وہاں موجودگی کی گواہی دے۔"
"نہیں، اس کی کیا ضرورت ہے۔" خلیل نے پھنسے پھنسے لہجے میں بے اختیار کہا اور اس مرتبہ نصیر مسکرا دیا۔
"نصیب چاچا صحیح تو کہہ رہے ہیں۔ جبار

اور مولوی صاحب کے علاوہ اگر کوئی اور شخص بھی وہاں موجود تھا تو ہم سب کو معلوم ہونا چاہیے۔"

"اگر کوئی اور بھی وہاں موجود تھا تو مولوی صاحب آپ کو اس کا نام چھپانا نہیں چاہیے۔"

اکا جان نے ہاتھ اٹھا کر گویا اجازت دی اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں قرآن پہ ہاتھ رکھنے والا کسی بھی سوال کا جواب دینے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اب مولوی صاحب کے لیے وعدے کی لاج رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

انہوں نے خلیل احمد کا نام لے دیا۔ سب کی سب گردنیں بیک وقت بھرپور تعجب لیے خلیل احمد کی طرف مڑیں اور عبدالرحمٰن نے انہیں سامنے بلا لیا۔

واسع کے مقدمے میں اب اگرچہ ہار جیسی تو کوئی بات نہ رہی تھی، پھر بھی قدرت کا کرشمہ ہی تھا کہ واسع کی جیت پر خلیل کے الفاظ نے مہر جیسا ثبت ہونا تھا۔

عبدالجبار سے نظریں چرا کر خلیل احمد نے قرآن پاک کی گواہی دی اور عبدالرحمٰن نے اپنے دو بزرگ ساتھیوں سے باہمی صلاح مشورے کے بعد باغ کو واسع کے قبضہ میں دینے کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

☆☆☆

حبیب الرحمٰن کی جاگیر، اس کی اولاد کا حق آج اس کی اولاد کے پاس واپس لوٹ آیا تھا۔ باغ کے قد آور لہراتے درختوں پر جمی واسع کی نظر میں آج کامیابی کا خمار اور جیت کی خوشی جھلکتی تھی۔

"آپ یہاں ہیں لالہ۔" سیڑھیاں چڑھ کر باری اوپر آیا تو واسع نے چونک کے سر گھمایا پھر مسکرا دیا۔

"ہاں بس موسم اچھا دیکھا تو اوپر آ گیا۔ آؤ۔"

اس نے بازو پھیلایا اور باری چلتا ہوا چار دیواری کے نزدیک آیا۔ سیمنٹ کی چھوٹی دیوار پر ہاتھ جماتے ایک نظر سامنے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بھائی کو۔

"آج اپنے باغ کو دیکھنا کتنا اچھا لگ رہا ہے لالہ۔"

"ہوں۔" واسع نے اپنا بازو باری کے کندھے پہ رکھا۔ "خوش ہو؟"

"جی لالہ۔ بہت زیادہ...... اور یہ سب آپ کی مہربانی ہے۔"

"نہیں۔ سب اوپر والے کا کرم ہے، بس انسان کی نیک نیتی شرط ہے۔ وہ مالک پھر کبھی مایوس نہیں کرتا۔"

"جی، بے شک۔"

"کچھ کہنے آئے تھے؟"

"جی، وہ اماں نیچے بلا رہی تھیں آپ کو۔"

"آؤ، ساتھ چلتے ہیں۔" وہ اسی کے ساتھ ہی نیچے آ گیا۔ اور نیچے کا تو ماحول ہی آج کچھ الگ تھا۔ نازیہ باجی اور جبین باجی بچوں سمیت ابھی کچھ دیر پہلے یہاں پہنچی تھیں۔ پیچھے کے صحن میں اماں اور رباب آگ جلائے حلوہ اور پلاؤ بنانے میں لگی تھیں۔ دادی اپنا موٹا چشمہ سنبھالتی میوہ جات کترنے میں لگی تھیں۔ وہ آج باغ ملنے کی خوشی میں درس والے بچوں کو بلا کر قرآن پاک کا ختم دلا رہی تھیں۔ واسع نے اس تمام گہما گہمی سے نظر بچا کر درمیانی دروازے کو دیکھا۔ آج نجانے کتنے دنوں بعد دل ایک شوخ سی لے پر گنگنانے کو چاہ رہا تھا۔ کاش آج وہ بھی کہیں دکھائی دے، بس دو جملے چپکے سے بولنے کا موقع مل جائے تو خوشی دوچند ہو جائے۔ اس کے منہ سے مبارک باد وصول کرنے کی حسرت اندر جاگی۔

"کنجوس کہیں کی۔ وکیل بننے پر تو پوچھا تک نہیں۔ ہاں لیکن باغ......" واسع کے لبوں پر اس شام کے محترمہ کے قیمتی مشورے یاد کر کے مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس کے چہرے پر چھپی پریشانی جس سے دیکھی نہ گئی تھی۔

بہر حال دل بے تاب کو بڑی مشکل سے قابو میں کیا، گھر میں کام کیا کم پڑے تھے، ابھی کچھ ہی دیر میں مدرسے کے بچے آنے والے تھے۔ اس نے اماں کے حکم بجا لاتے خود کو مستعد کیا۔

دل کی سننے کے لیے بڑا وقت تھا۔

☆☆☆

"کس کے آنے کی باتیں ہو رہی ہیں؟"

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے وہ غضب ناک نگاہوں سے بیوی کو گھور رہے تھے۔ موبائل نگار کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ جبار کا چہرا غصے سے لال ہو رہا تھا اور یہ بگڑا مزاج تو پچھلے دو روز سے چہرے پہ چھپا تھا۔ نہ ذکی سیدھے منہ بات کرتا تھا، نہ جبار کے تیور درست تھے۔ جرگے میں آئے فیصلے کے بعد دونوں باپ بیٹا ایک ایک کو کھانے دوڑ رہے تھے۔ حالانکہ جرگہ بلانے کی جلدی بھی ان ہی کو تھی۔

''وہ...... گلشن کا فون تھا۔'' نگار چارپائی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''کہہ رہی تھی، شام کو آرہی ہے۔''

''کس لیے آرہی ہے؟'' جبار کے مزاج ہنوز وہی تھے۔

''شش...... شاید رشتے والی بات پر جواب۔''

''کیسا رشتہ؟ کون سا جواب؟'' وہ آدھے میں ہی زور سے دھاڑے۔ ''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا اس کا، اب کوئی رشتہ وشتہ نہیں، شوہر اس کا میرے خلاف گواہی دے جاتا ہے اور یہ۔ اب بھی رشتوں کا سوچ رہی ہے۔''

''ارے...... پر وہ کیا کرتے، مجبور ہو گئے۔''

جبار پلٹ کر باہر نکل گئے تو نگار بوکھلائی سی پیچھے لپکیں۔ اب بھلا خلیل بھائی کا کیا قصور تھا جب اچانک عین جرگے میں اُن کے سر پر مصیبت آن پڑی تھی۔

''کیا مجبوری...... ہاں کیا مجبوری؟'' جبار واپس پلٹتے ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گئے، نگار نے گھبرا کر قدم پیچھے ہٹائے۔

''ایک تو مولوی صاحب کو میرے حق میں منا نہیں سکا، اوپر سے منہ اُٹھا کر آ گیا سامنے اور اُٹھا لی قسم۔ کہہ نہیں سکتا تھا کہ میں کسی تنازعے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کسی قسم وسم کا حصہ نہیں بننا چاہتا، مرضی تھی اس کی، خود کو میرا حمایتی تو ظاہر کرتا، ایسے ہوتے ہیں ساتھ دینے والے، بیچ میدان میں پیٹھ دکھا دی۔ لعنت ہو ایسے مطلب پرستوں پر، کہہ دو فون کر کے، ہماری طرف سے انکار ہے۔ نہیں جوڑنا ایسے خود غرضوں سے رشتہ، سب کو اپنے فائدے کی پڑی ہے۔ ہونہہ۔'' وہ خوب اونچی آواز میں فیصلہ سناتے دروازے تک جھک جھک کرتے باہر نکل گئے اور نگار نے اپنا ماتھا پیٹا۔

''وش خدایا۔ بچوں کا بھی نہیں سوچ رہے۔ اے اللہ کی مار ایسے غصے پر۔ کون سا خلیل بھائی کی حمایت سے باغ بچا لیتے، وہ تو یوں بھی گیا تھا۔'' وہ جبار کے چلے جانے کے بعد بڑبڑائے جا رہی تھیں۔ اور اپنے کمرے کی چوکھٹ سے کندھا ٹکائے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ماں باپ کی جھڑپ کو بغور بڑی خاموشی سے سنتا وہ ذکی تھا جو ادھ کھلی چندھیائی آنکھیں ایک جگہ سمیٹے کچھ دیر کسی گہری سوچ میں غرق رہنے کے بعد اب کھنکارتے ہوئے اپنی جگہ سے آگے آیا تھا۔

''اب زیادہ سوگ منانے کی ضرورت نہیں، کال ملائیں اور پھوپھو کو صاف جواب دیں۔''

''ہیں...... کیا......'' نگار چونک کر مڑیں۔

''ارے تم بھی......'' انہوں نے آنکھیں پھیلائیں۔

''میں تو سوچ رہی تھی باپ کو سمجھاؤ گے۔''

''سمجھانا کیا ہے۔ بس انکار کریں، مجھے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے وہاں کسی رشتے وشتے میں۔''

ذکی قدم پیچھے ہٹاتے واپس کمرے کے میں آیا، سائیڈ میز سے موبائل اُٹھایا اور بڑے بڑے قدم بھرتا کونے کی بیٹھک میں گھس گیا۔

باغ تو چلا گیا، اپنی ایک ہار بھی یقینی ہو گئی، جبکہ دعویٰ اس نے واسع کو دوہری مات دینے کا کیا تھا۔ لیکن ہائے وہ جرگے کا ایک مختصر اور سادہ سا انعقاد آج اُن کی بہت بڑی شکست بن کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''پر نہیں واسع خانا۔ کوئی بات نہیں۔'' بیٹھک میں آ کر چٹخنی چڑھاتے اس نے چبھتی نگاہوں سے موبائل کو دیکھا۔ ''دوہری نہ سہی، تمہیں تو ایک گہری چوٹ ہی کافی ہے اور یاد رکھنا عبدالواسع! یہاں ذکی مات کھانے والا نہیں۔''

اس نے بڑی دیر بعد پہلی مرتبہ مسکرا کر کچھ سوچا اور رباب کو کال ملا دی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

شمیم رانی

شکستہ پا

میرے بابا اور چچا بس دو ہی بھائی تھے۔ بابا دادا اور دادی نے چچا خدایار کو شوق سے پڑھایا، چچا کو پڑھانا دادا، دادی اور بابا کا خواب تھا۔ بابا سادہ سے ان پڑھ آدمی تھے۔ تھوڑی سی زمین تھی کچھ مویشی پال رکھے تھے اور پرچون کی دوکان تھی۔ بس یہی کچھ تھا ہمارے پاس۔

ہم نے اپنی ضرورتوں کو روک کر چچا خدایار کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ چچا نے ایم اے کر لیا۔ اور ریلوے میں اسٹیشن ماسٹر بھرتی ہو گئے۔ دادی نے چچا کی شادی بڑے شوق سے کی۔ چچا کے انکار کے باوجود دادی اپنی بھانجی بیاہ کر لے آئیں۔ ایک سال کے بعد چچا کو اللہ تعالیٰ نے بیٹی سے نواز دیا۔ مگر چچا کو نہ بیٹی چاہیے تھی، نہ عام شکل صورت کی ان پڑھ بیوی۔ چچا کا ٹرانسفر ریلوے اسٹیشن میاں چنوں ہو گیا۔

بس پھر کیا تھا۔ چچا نے اپنی بیوی اور بیٹی کو ہمارے پاس گاؤں چھوڑا اور پھر واپس نہ آئے۔ وہاں انہوں نے اپنے دوست جو کہ بنک کلرک تھا، اس کی خوب صورت پڑھی لکھی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اور مزے سے رہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا اور بیٹی عطا کی۔ چچا کے سب خواب پورے ہوتے چلے گئے۔

ہماری کسے پرواہ تھی۔ دوسری چچی نے چچا کو ہماری طرف آنے ہی نہ دیا۔ چچا کا بیٹا مجھ سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ اچانک چچا کے دوسری چچی سے کچھ گھریلو اختلافات شروع ہو گئے۔ وہ اپنے میکے میں رہنا چاہتی تھیں۔ مگر چچا علیحدہ گھر لینا چاہتے تھے۔ چچا کو معلوم تھا کہ گھر داماد بننے سے میرا کیا حشر ہو گا۔

جب اختلافات حد سے بڑھے تو چچا نے اپنا ٹرانسفر لودھراں کروالیا۔ ہمارا گاؤں بھی ریلوے اسٹیشن لودھراں کے قریب ہی تھا۔ ان کو پریشانی میں اپنا گھر اپنا خاندان یاد آیا۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ہمارے گاؤں ''منظور آباد'' آئے۔ میری اس وقت عمر تیئس سال تھی۔ اور چچا کا بیٹا ارسلان اٹھارہ سال کا اور بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ چچا کے بچے کافی خوب صورت تھے تعلیم بھی حاصل کر رہے تھے۔ میں نے کمرے کی کھڑکی سے ارسلان کا جائزہ لیا۔ ہم تو ان کے سامنے کچھ بھی نہ تھے۔

چچا کی گاؤں واپسی نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔ چچا خدایار کے بچے بھینس بکریاں گوبر اور کچا گھر نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ ہمارے بڑے سے صحن میں دو تین درخت تھے جن کے نیچے ہم دوپہر گزارتے تھے۔

چچا کی بیٹی، ماہ نور نے نفرت سے میری طرف دیکھا اور کہا۔

''تم گھر میں جھاڑو نہیں دیتی ہو؟'' ماہ نور فرسٹ ایر کی طالبہ تھی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ چچا کے بچے ہمارے پاس آنا نہیں چاہتے تھے چچا خدایار زبردستی ان کو لائے ہیں۔

کھانا کھانے کے بعد چچا خدایار نے بابا سے معافی مانگی انہوں نے کہا۔

''میں نے جو کچھ کیا غلط کیا۔''

انہوں نے اپنے پہلی بیوی سے بھی معافی مانگی اور بیٹی سے بھی ہم حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

دوسری چچی کو یہ سب کچھ پسند نہیں آ رہا تھا۔ مگر وہ چپ تھیں۔ دوسری چچی نے چچا کے ساتھ جو چال چلی تھی وہ اس میں ناکام ہو چکی تھیں۔

نہ جانے چچا کو کیا سوجھی۔ انہوں نے میرا رشتہ ارسلان (چچا کا بیٹا) سے طے کر دیا۔ میں ان پڑھ اور سادہ سی لڑکی تھی۔ ارسلان تعلیم یافتہ ویل ڈریس اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ میں تو حیرت میں ڈوبتی چلی گئی۔

چچا اپنی بیگم کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ کیا۔ مختصر یہ کہ میں دلہن بن کر ارسلان کے گھر آ گئی۔ حجلۂ عروسی میں ارسلان (میرا شوہر) کا پہلا جملہ مجھے یاد ہے۔

''تمہارے ساتھ میں زندگی گزاروں گا۔ اتنا پھیکا چہرہ تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

اس نے میرا گھونگھٹ الٹ کر چھوڑ دیا۔ میرے کان کوئی خوب صورت جملہ سننے کے منتظر تھے بھی نہیں۔

تیسرے دن امی بابا کے ساتھ دل پر زخم لیے میں واپس میکے آ گئی۔ امی میرا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر میری دلی حالت کا اندازہ لگا چکی تھیں۔ پانچ چھ دنوں کے بعد چچا خدایار مجھے لینے آ گئے۔ میں چپ چاپ ان کے ساتھ سسرال آ گئی۔ جہاں کسی نے بھی میرا مسکرا کر استقبال نہ کیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میں اندر سے ریزہ ریزہ ہو چکی تھی۔ بابا نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا مگر یہ وہ دور تھا جب بچے والدین کے سامنے بولنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ میری نند اور ساس نے میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ بس کھانا مجھے دے جاتیں اور میں کھا لیتی۔

گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگانے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ میری شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے۔

ایک رات بیڈروم میں ارسلان نے مجھ سے کہا کہ۔

''یہ آسیب زدہ چہرہ کیا ساری زندگی میری آنکھوں کے سامنے رہے گا۔''

میں نے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ارسلان! تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتے تھے میں بھی ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مگر ہمارے والدین کا فیصلہ تھا تم نے بھی قبول کر لیا اور میں نے بھی۔ اب تم اپنے آپ کو ذرا تبدیل کرو۔ تم باپ بننے والے ہو۔''

''کیا؟'' وہ کرنٹ کھا کر پلٹا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے بچہ نہیں چاہیے۔''

''میں اپنا بچہ قتل نہیں کروں گی۔''

میں نے بہادری دکھائی۔ میری ساس رشیدہ اور نند ماہ نور بھی خاموش تھیں۔ بچہ ان کو بھی نہیں چاہیے تھا، مگر چاچا خدایار کی وجہ سے خاموش تھیں۔

ارسلان اپنے کلاس فیلو لڑکوں کو گھر لے آتا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ان سے دنیا بھر کی باتیں کرتا۔ پچھلے معاشقے دہرائے جاتے اور نئے معاشقے پر تبصرے ہوتے۔ میں قفس میں بند فاختہ کی طرح پھڑپھڑاتی رہتی۔ وہ اپنے آپ کو ایسی کھلی کتاب کی طرح رکھتا تھا۔ جسے ہر شخص آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔

سسرال میں کسی کو میری ضرورت نہ تھی۔ بس میرا خیال رکھتے تو صرف چچا خدایار۔

ایک دن ارسلان نے مجھ سے کہا۔

''کہ دیکھو تم بھی اچھے کپڑے خرید لاؤ۔ گو تمہارے پھیکے چہرے پر اس سے کوئی رنگ نہیں آئے گا لیکن ذرا سلیقے کی لگو گی۔ کچھ تو اپنی پوزیشن کا خیال رکھو یا پھر تم ایسا کرو تم کچھ دنوں کے لیے میکے چلی جاؤ میری ایک بہت اچھی دوست آ رہی ہے۔ ہم نے کتنی ہی شامیں اکٹھی گزاری ہیں، کالج میں اس سے زیادہ مجھ سے قریب کوئی نہیں۔''

میرا کڑا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ میرے اندر آگ بھڑک اٹھی تھی۔

میں نے چادر اوڑھی اور اپنا چکنا چور وجود لیے گھر سے باہر نکل آئی۔ مجھے ارسلان نے نہیں روکا۔ میں نے تانگا لیا اور میکے آ گئی۔ 1980ء میں تانگے ہوتے تھے۔ رکشے وغیرہ تو بعد میں آئے۔

مجھے پانچواں مہینہ لگا تھا۔ سسرال میں چھ سات ماہ مجھے جہنم کی طرح لگے۔ میں نے ارسلان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اور اس رشتے کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی تھی، میرا جذباتی نقصان ہوتا رہا۔ میں ان پڑھ تھی خوب صورت نہ تھی مگر عورت تو تھی۔ گھر آ کر اماں ابا کے گلے لگ کر خوب روئی۔ اور ساری کتھا سنا ڈالی۔

چھ سات دن بعد چچا خدایار مجھے لینے آ گئے۔ بابا نے چچا سے کہا کہ۔

''تم نے شادی کرتے وقت اپنی فیملی کو اعتماد میں کیوں نہ لیا۔ تم نے مجھے برباد کر دیا۔ تمہارا بیٹا میری بیٹی سے سخت نفرت کرتا ہے۔ بتاؤ میرا کیا قصور تھا؟''

بابا کے سوال کا جواب چچا کے پاس نہیں تھا۔ بھل بھل آنسو اماں کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ چچا دل کے مریض تھے۔ یہ صدمہ سہہ نہ سکے اور چند دنوں بعد ان کو دل کا دورہ پڑا اور وہ دنیا سے منہ موڑ گئے۔ ہمارا تعلق چچا خدایار کی فیملی سے ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے ہماری خبر نہ لی اور ہم نے ان کی خبر نہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے چاند سی بیٹی سے نواز دیا۔ میں سب دکھ بھول گئی۔

پھر کسی نیک بندے نے ارسلان کو سمجھایا کہ تم اپنی بیوی اور بچی کو اپنے گھر لے آؤ۔ تمہارے والد کی روح تم سے خوش ہو جائے گی۔ تم نے اپنے والد کو ناراض کیا ہے ان کی روح بے چین ہوگی۔''

تین سال بعد ارسلان مجھے اور فاطمہ (میری بیٹی) کو گھر لے جانے کے لیے میرے میکے آیا۔ مجھ سے معافی مانگی، ابا نے مجھے ارسلان کے ساتھ جانے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کی اجازت دے دی۔ ارسلان نے مجھے الگ گھر لے کر دیا۔ میں اپنا جہیز بھی اٹھالائی۔ گھر کو صاف کیا اور گھر کا سامان کمرے میں رکھ دیا۔ ارسلان نے مجھے مہینے بھر کا سودا سلف بھی لاکر دے دیا اور ایک ہزار روپیہ بھی مجھے دیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔

دو دن بعد میری نند ماہ نور اور ساس کو میری آمد کی خبر ہوگئی۔ وہ مجھ سے ملنے چلی آئیں۔ اندر سے ان کو میرا واپس گھر آنا پسند نہ تھا۔ میں نے ان کو کمرے میں بٹھایا اور میں باتھ روم میں چلی گئی۔ میری غیر موجودگی میں انہوں نے میرے پیسے چوری کرلیے۔ اور چائے پی کر چلی گئیں۔

دوسرے تیسرے دن ارسلان نے مجھ سے کچھ پیسے مانگے۔ میں الماری میں دیکھا، وہاں پیسے نہیں تھے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ پیسے ماہ نور (میری نند) نے چوری کیے ہیں کیونکہ میں نے ان کے سامنے کچھ پیسے نکالے تھے۔ ارسلان کو غصہ آگیا۔ جو بندہ اچھا نہ لگتا ہو اس پر غصہ بہت آتا ہے۔ ماہ نور اور چچی نے ارسلان کو خوب بھڑکایا کہ پیسے وزیراں بی بی نے اپنی ماں کو دیے ہیں۔ جی ہاں! میرا نام وزیراں بی بی ہے اور ارسلان کو میرا یہ نام سخت ناپسند ہے۔ اس نے صرف مجھے برا بھلا کہا بلکہ بری طرح پیٹا بھی۔

صبح میرے گال اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ میں نے اماں، بابا کو کچھ نہ بتایا۔ میں ارسلان کے پاس آٹھ ماہ رہی، میں پھر حاملہ ہوگئی۔ ساتواں مہینہ چل رہا تھا۔ ارسلان مجھے پیسے دیتا نہ میرا اور فاطمہ (میری بیٹی) کا خیال رکھتا۔ گھر آنا ہی چھوڑ چکا تھا۔ وہ پرائیویٹ اکیڈمی میں جاب کررہا تھا۔

میں شام سات بجے سے گیٹ کے آس پاس منڈلایا کرتی۔ گھڑی کی سوئیاں سات پر ٹھہر کر آگے بڑھ جاتیں اور میں حسرت ویاس کی تصویر بنی گھڑی کو تکتی رہتی۔ گھر کا سودا سلف بابا مجھے دے جاتے۔ بابا نے ارسلان سے شکایت کی مگر بے کار۔ آخر تنگ آکر میں نے خود ہی گھر چھوڑ دیا۔ بابا اور میرا بھتیجا مجھے واپس لے گئے۔ میکے آکر میں نے ایک اور بیٹی کو جنم دیا۔ ارسلان کو نیشنل بینک میں ملازمت مل گئی اور ساتھ ہی اس نے اپنی پسند کی شادی بھی کرلی۔ اور سب لاہور شفٹ ہوگئے۔

ماہ نور کی بات تو طے تھی اس کی بھی شادی ہوگئی لیکن پتا نہیں کیا ہوا اس نے طلاق لے لی۔ ماہ نور کا شوہر غریب تھا۔ اس نے اپنی مرضی سے طلاق لے لی۔ اس نے اپنی آنکھوں میں بہت سے خواب سجا رکھے تھے۔ اب اسے کوئی اور دولت مند پسند آگیا تھا۔ طلاق کے بعد اس کی شادی ہو ہی نہ سکی۔ وہ امیر آدمی جس کے لیے اس نے طلاق لی تھی۔ اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میری ساس اس غم میں بیمار رہتی ہے۔ یہ بھی سنا کہ ارسلان بیٹے اور بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔

وقت کی سوئیاں تیزی سے گھومتی رہیں۔ اب میری بیٹی فاطمہ کالج میں پڑھا رہی ہے اور ایک بیٹے کی ماں بن چکی ہے۔ میں نے اس کی شادی اپنے بھتیجے سے کردی ہے۔ میرا بھتیجا بھی یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے۔ وہ دونوں بہت خوش ہیں۔ میری دوسری بیٹی زینب بھی ایک خوشحال زندگی گزار رہی ہے۔ میں اپنی بیٹی فاطمہ کے گھر رہتی ہوں۔ ارسلان کی دوسری شادی کو بیس سال ہوچکے ہیں۔ میرے بچے ارسلان کے بچوں سے تین چار سال ہی بڑے ہیں۔ ارسلان کی بیٹی بانجھ ہے اس کو بھی طلاق ہوچکی ہے اور وہ ارسلان کے در پر پڑی ہے۔ پھوپی اور بھتیجی دونوں ہی برباد ہیں۔ ایک دن فاطمہ (میری بیٹی) نے مجھے بتایا کہ بابا مجھے کالج ملنے آئے تھے، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔

میں نے فاطمہ سے کہا کہ میں نہ تمہارے باپ سے ملنا چاہتی ہوں، نہ معاف کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے سہاگن ہوکر بھی بیواؤں کی زندگی گزاری ہے۔ ساری زندگی باپ بھائی کے در پہ پڑی رہی۔

ہم جب اپنے بچوں کے رشتے طے کریں تو ان کو بھی ساتھ شامل کریں۔ بغیر سوچے سمجھے بچوں کے رشتے طے مت کریں۔ اسلام نے یہ اجازت دے رکھی ہے۔ یاد رہے اولاد پلاسٹک کی نہیں ہوتی وہ بھی احساسات و جذبات رکھتی ہے ان کے جذبات سے مت کھیلیں۔

☆☆

انتباہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ”آفیشل پیج“ کی اصطلاح استعمال کررہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اورکہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اَپ لوڈ کرکے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کررہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کردیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

Prevention of Electronic Crimes Act 2016

اور

Copyright Ordinance 1962 / 2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

خواتین ڈائجسٹ ماہنامہ شعاع

ماہنامہ کرن عمران ڈائجسٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مکمل ناول

گل ارباب

زرمینہ

"گاڑی روکیں پلیز......پلیز اللہ کا واسطہ۔"

سسکتی ہوئی سی نسوانی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ سگنل پر گاڑی رکی ہوئی تھی اور بتی سبز ہوتے ہی میں نے گاڑی آگے بڑھانی چاہی تبھی آدھے کھلے شیشے میں سے جھانکتے اس نسوانی وجود نے جیسے فریاد کی۔

"پلیز! سر میری مدد کریں میں بہت مشکل میں ہوں اللہ کے واسطے گاڑی روک لیں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

میں نے گاڑی روکی ہوئی تھی لیکن اس نے گاڑی کے شیشے یوں پکڑے ہوئے تھے کہ جیسے میں نے گاڑی آگے کی تو وہ پورا زور لگا کر روکنے کی کوشش کرے گی شیشے کو بہت زور سے پکڑنے سے اس کے غیر معمولی سفید ہاتھوں کی نیلی رگیں واضح نظر آنے لگی تھیں۔

نقاب میں چھپے اس کے چہرے سے جھانکتی دو آنکھوں سے آنسو رواں تھے، پہلی نظر میں ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت دیر سے رو رہی ہے کیونکہ اس کے چہرے سے لپٹا نقاب جہاں آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا وہیں اس کے چہرے سے چپک گیا تھا۔

"مس! آپ جو بھی ہیں پلیز حوصلہ کریں۔ میں نے گاڑی روکی ہوئی ہے اور آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے تیار ہوں کیونکہ آپ نے مجھے اس عظیم ذات کا واسطہ دیا ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔"

میرا ازل سے موم جیسا نرم دل ان حالات کی تپش سے پگھلنے لگا تھا جبکہ والدین کی تربیت بھی مجھے اس کی مدد کے بغیر ہلنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ میری بات سن کر پل بھر کے لیے بھیگی ہوئی بے یقین نظروں سے مجھے دیکھنے لگی اور جب اسے میرے چہرے کے تاثرات سے میری بات کے سچ ہونے کا یقین ہوا تب تیزی سے پیچھے مڑی اور زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے یوں اچانک نظروں سے اوجھل ہوتے ہی میں تجسس کو دباتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلا اور جو منظر مجھے دکھائی دیا اس منظر نے میرے سینے میں جیسے کانٹا سا چبھو دیا تھا۔

سڑک کے قریب ہی فٹ پاتھ پر ایک خاتون جو اس لڑکی کی طرح ہی کالے برقعے میں ملبوس بے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

حس و حرکت پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی مٹھیاں بھینچی ہوئیں اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ نقاب والی لڑکی زمین پر بے ہوش پڑی خاتون کو اٹھانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا تو سب لوگ خود میں مگن رواں دواں تھے۔ راہ چلتے چند لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر بھی نظریں چراتے ہوئے رکنا گوارا نہیں کیا شاید انہیں اس منظر میں کوئی سنسنی نظر نہیں آرہی تھی یا اب لوگوں کے پاس تماشا دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔

ایک بورنگ سا منظر ہی تو تھا ایک زمین پر گری ادھیڑ عمر کی عورت اور دوسری برقعے میں ملبوس جوان لڑکی۔

لڑکی لوگوں کو مدد کے لیے پکار پکار کر شاید تھک چکی تھی اسی لیے اب وہ اسے خود ہی اپنے نازک وجود کے ساتھ اٹھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''آپ ہٹیں، میں اٹھاتا ہوں انہیں۔'' میں نے پہلے تو خاتون کی نبض چیک کی اور جب یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ زندہ ہیں تو اطمینان کا سانس لیا..... لیکن ڈوبتی ہوئی نبض بتا رہی تھی کہ زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے بغور ان کے پیلے زرد چہرے کی طرف دیکھا۔ حالات کے ستم ان کے چہرے کی ہر جھری سے جھانک رہے تھے کبھی وہ یقیناً کافی خوش شکل خاتون رہی ہوں گی لیکن اس وقت ان کی بند آنکھوں تلے پڑے گہرے حلقے انہیں بہت بدصورت بنا رہے تھے۔

میں نے لوگوں کی بے حسی پر دل ہی دل میں ایک بار پھر افسوس کرتے ہوئے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا کہا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔ باوجود اس کے کہ ان خاتون کی ڈوبتی نبض میں نے چیک کر لی تھی پھر بھی ایک پل کے لیے تو میرے دل میں شکوک و شبہات نے جنم لیا اور میں نے مڑ کر نقاب والی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''کہ یہ لڑکی کہیں کسی اغوا کرنے والے گروپ کی ساتھی نہ ہو اور یوں بہانے سے ساتھ بیٹھ کر مجھے گاڑی سے نیچے اتارے اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر کہیں یہ سب میری قیمتی گاڑی چھیننے کا پروگرام نہ ہو۔

لیکن میں نے سر جھٹک کر اس سوچ سے چھٹکارا حاصل کیا۔

شاید اس میں بابا کے انسانی ہمدردی کے عملی نمونے بھی وجہ بنے ہوں۔ کبھی وہ کسی بیمار کے ساتھ اسپتال میں نظر آتے تو کبھی کسی بیوہ یتیم کی کفالت کے سلسلے میں چپکے چپکے نوکروں کو احکامات دیتے ہوئے میری سماعتوں میں ایک نصیحت کی مٹھاس ضرور گھولتے دیکھو ہم انسان صرف اپنے لیے دنیا میں نہیں بھیجے گئے، اپنے دائرے سے باہر نکل کر دوسروں کی تکالیف کا احساس ضرور کیا کرو۔'' یہ ہی مزاج میری ماں کا بھی تھا میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

''اسی ڈر سے کہ دھوکہ نہ ہو لوگ نیکی کرنا بالکل چھوڑ دیں گے اور لوگوں کے پیارے یونہی سڑکوں پر بے یار و مددگار سسک سسک مرتے رہیں گے۔

''اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ لیکن نبض بھی تو ٹھیک نہیں چل رہی۔''

میں نے بڑبڑاتے ہوئے اس خاتون کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ سامنے شیشے سے میں بار بار ان دونوں کو دیکھتا بھی جا رہا تھا۔ ہر پل مجھے یوں لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی ابھی ٹی ٹی کی ٹھنڈی نالی میری گردن پر رکھ کر مجھ سے کہے گی کہ......

''مسٹر جو کچھ جیب میں ہے وہ میرے حوالے کرو اور گاڑی سے دھکا دے کر مجھے نیچے اتار دے گی۔ ان ہی سوچوں کی وجہ سے اسپتال تک کا رستہ طے کرتے ہوئے میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ میں خدانخواستہ کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں لیکن اتنا بہادر بھی نہیں کہ ایسے حالات کا مقابلہ بلا خوف و خطر کر سکتا۔

''اماں...... اماں...... پلیز۔ آنکھیں کھولیں نا...... آپ جانتی بھی ہیں کہ میں کتنی بزدل۔ کتنی کمزور ہوں۔ پھر بھی میرا ضبط آزما رہی ہیں۔ آپ...... آپ...... آنکھیں کیوں نہیں کھول رہیں؟'' وہ تسلسل بے ہوش خاتون کے اپنی گود میں رکھے سر کو ہلا کر بولتی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہی جارہی تھی۔ میرے اندر اداسی کی لہر دوڑ گئی

"فکر نہ کریں بی بی! ہم اسپتال کے قریب ہیں وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" میں گاڑی کو بہت تیزی سے اسپتال تک لایا تھا۔ اس کے باوجود وہ بار بار مجھ سے ایک ہی درخواست کر رہی تھی

"پلیز گاڑی تیز چلائیں ورنہ میری دنیا اجڑ جائے گی۔"

وہاں پہنچ کر تقریباً بھاگتے ہوئے میں نے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اس خاتون کو اسٹریچر پر لٹایا اور آدھے گھنٹے میں انہیں ایمرجنسی سے آئی سی یو شفٹ کر دیا گیا۔ بقول ڈاکٹرز کے دل کا دورہ پڑنے سے یہ بے ہوش ہیں اور ان کی حالت ابھی خطرے میں ہے۔ اس لیے انتہائی نگہداشت میں رکھا جائے گا۔

وہ باہر ہی دیوار سے ٹیک لگائے اس دروازے پر نظریں جمائے ساکت سی کھڑی تھی جس سے اس کی ماں کو اندر لے جایا گیا تھا۔

"آپ کے ساتھ کسی مرد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پلیز فون کر کے کسی مرد کو بلالیں تاکہ میں بے فکر ہو کر واپس جا سکوں۔"

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ٹائم دیکھتے ہی مجھ پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ زرینہ کے جہاز کے لینڈ کا وقت ہو چکا ہے اور مجھے یہاں سے ایئرپورٹ تک مزید آدھا گھنٹہ لگ سکتا تھا۔

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا مس۔" میں نے گم صم سی نقاب والی لڑکی سے ذرا تیز لہجے میں پوچھا لیکن وہ چپ چاپ اپنی بڑی بڑی یاسیت بھری آنکھیں کھولے مجھے تکے جارہی تھی۔ مجھے اپنے حسن پر اتنا غرور کبھی نہ ہوا تھا جو اسے اپنی جانب ٹکر ٹکر دیکھے جانے سے ہو رہا تھا۔ چپکے سے دل میں اک خوش کن خیال کی کونپل نے سر اٹھایا۔

"یقیناً یہ لڑکی میری شخصیت کے چارم سے اتنی متاثر ہوئی ہے کہ سدھ بدھ کھو بیٹھی ہے۔"

"دیکھیے مس! کچھ ہی دیر میں میری چچا زاد بہن باہر سے آرہی ہے اور میں نے اسے لینے ایئرپورٹ جانا ہے۔ میرے پاس وقت کم رہ گیا ہے اور ماشاءاللہ سے میرے بھرے پرے گھر والے کسی بھی قسم کی کوتاہی کی معافی بڑی مشکل سے دیتے ہیں اگر میں ایئرپورٹ دیر سے پہنچا تو مجھے کہ پورا ایک ہفتہ مجھے ہر پل غیر ذمہ داری کے نقصانات پر لیکچر سننا ہوگا۔" میری بات سن کر اس نے آنسوؤں میں بھیگی آواز سے کہا۔

"مرد کوئی نہیں ہے گھر میں بلکہ گھر ہی نہیں اب تو......"

"کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

میں نے اس کی ایک دوسرے سے الجھی ہوئی انگلیوں کی نزاکت اور خوب صورتی کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کوئی ہے ہی نہیں۔ نہ باپ نہ بھائی نہ ماموں نہ چچا تایا۔" میں نے اس کی بات سن کر دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے اک بار پھر اس کی الجھی ہوئی انگلیوں کی طرف دزدیدہ نظر دوڑائی۔

"اوہ...... میں معافی چاہتا ہوں محترمہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں ضرور یہاں آپ کی مدد کے لیے ٹھہر جاتا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی والدہ کے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں واپس جانے لگا۔

"پلیز دل سے دعا کیجیے گا اگر ماں کو کچھ ہوا تو میں اس خود غرضی کی غلاظت میں لتھڑی ہوئی دنیا میں بالکل اکیلی رہ جاؤں گی۔"

اس کی آواز کی لرزش اور لہجے کی تلخی نے مجھے اس کی بے بسی کی ساری کہانی سنا دی تھی لیکن میرے اندر کے نرم دل انسان کو زرینہ بیگم کی فکر نے پتھر کا کر دیا تھا۔ میں بنا کوئی جواب دیے واپس چل پڑا۔ ابھی چار قدم ہی چلا تھا کہ دل میں اک کمینی سی خواہش ابھری کہ مڑ کر اک دوسرے سے الجھی مخروطی انگلیوں کی نزاکت پر اک آخری نظر ڈالتا جاؤں اور جیسے خدا نے میری سن لی اور پیچھے سے اس کی پکار نے مڑنے کا بہانہ بخش دیا۔

میری سوالیہ نظر کے جواب میں اس نے میرے ہاتھ میں پکڑی دوا کی پرچی کی طرف اشارہ کیا اور میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نے پرچی اسے پکڑاتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھا۔ بہت سادہ سے نفاست سے کٹے ناخنوں پر سرخ مہندی کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں دو قدرے اڑے ہوئے رنگ کی آرٹیفیشل چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں اور دوسرے ہاتھ کی تیسری انگلی میں سرخ نگوں والی انگوٹھی نظر آ رہی تھی۔ میں نے اتنا غور کیا کہ اس چھوٹی سی انگوٹھی میں سے نکلے ہوئے دو نگوں کی خالی جگہ بھی مجھے نظر آ گئی تھی۔

وہ میری بے اختیار نظروں سے بے خبر دوا کی پرچی پڑھ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے ہیں۔ تب ہی زرینہ کا خیال آتے ہی میں با دل ناخواستہ واپس مڑا۔

''سنیے! ایک آخری احسان کرتے جایئے گا۔''

سچ کہوں تو میں بخوشی جلدی سے واپس مڑ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

اس نے جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے بالکل غیر متوقع طور پر اپنی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''میں معافی چاہتی ہوں، آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے؟ لیکن انتہائی مجبوری میں آپ سے یہ التجا کر رہی ہوں کہ...... آپ یہ انگوٹھی لے کر مجھے کچھ پیسے دے دیں تاکہ میں یہ دوائی خرید کر لے آؤں۔ میرے پاس صرف یہ ہی پیسے ہیں۔'' اس نے برقعے کی سائیڈ جیب سے چند مڑے تڑے نوٹ نکال کر بند مٹھی قدرے جھجکتے ہوئے میرے سامنے کھول دی۔ میں نے افسوس بھری نظروں سے دیکھا تو دو پچاس کے اور ایک بیس کا نوٹ تھا۔ مجھے خود پر غصہ آیا کہ میں اتنا لاپروا کیسے ہو گیا کہ ان ماں بیٹی کی مالی مدد کے لیے عملی قدم نہ اٹھایا۔

میں نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے دوائی کا پرچا لیا اور سارے رستے مجھے اس کی آنکھوں میں تیرتا بے بسی اور لاچارگی کا احساس شرمندہ کرتا رہا۔

میں دواؤں کا لفافہ ہاتھ میں پکڑے واپس آیا تو وہ اسی جگہ پر ساکت سی کھڑی صاف ستھرے فرش کو گھورے جا رہی تھی۔

''یہ میں ساری دوائیں لے آیا ہوں اور اس شاپر میں آپ کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں ہیں۔ یہ پانی پی لیں۔ بہت دیر سے آپ پیاسی ہیں۔ آس پاس پانی کا کوئی کولر نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تصور میں اس کے خشک ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ غربت اکیلا پن بے بسی اور لاچارگی کی تصویر بنی یہ لڑکی میرے ظرف کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نیکی قبول فرمائے۔ میں نے جیب سے وہ پیسے نکالے جو اپنے نئے موبائل کے لیے بابا سے لیے تھے...... اور بڑا حوصلہ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھا دیے۔ میرے پسندیدہ اور مہنگے موبائل کا نیا ماڈل مارکیٹ میں آ گیا تھا جس کا میں بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ اس گھڑی یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ موبائل مجھ سے دور ہوتا جا رہا ہے، دل کو سمجھانے کے لیے خود کو اک تصوراتی تھپکی دی اور چپکے سے کہا۔

''اک زندگی بچانے سے زیادہ اہم نہیں تیرا آدھے کٹے ہوئے سیب والا موبائل فون...... گزارا کر فی الحال...... نیو ماڈل کے بغیر......'' یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ کسی چوک پر دو موٹر سائیکل سوار اچانک سامنے آ کر گاڑی رکواتے اور ٹی ٹی میری کنپٹی پر رکھ کر موبائل چھین لیتے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ جاتے جاتے ایک آدھ گولی بھی مار دیتے۔

اس نے چپ چاپ پیسے لے لیے، اگر پیسے لینے سے انکار کرتی تو ماں کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔ پیسے پکڑاتے ہوئے۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یوں ہاتھ پھیلا کر کسی سے پیسے لیتے ہوئے اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ لڑکی خوددار لگ رہی تھی۔

''میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی کیونکہ آپ نے جو نیکی میرے ساتھ کی ہے اس کے لیے لفظ شکریہ بہت چھوٹا لگتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیے گا کہ آج کے بعد میری ہر دعا میں آپ ضرور شامل رہیں گے۔ کیونکہ میرے پاس فقط دعا ہی ہے۔'' اس کے منہ سے بمشکل روتے ہوئے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

تو میں چپ چاپ باہر نکل آیا میرے لبوں پر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس کی ماں کی زندگی کی دعائیں تھیں اور من میں کہیں اسے بے نقاب دیکھنے کی خواہش بھی۔

☆☆☆

اس قدر ٹینشن والے ماحول میں کچھ وقت گزار کر دل و دماغ پر طاری یاسیت کو میں نے شعوری کوشش سے ہاسپٹل کے دروازے پر چھوڑا اور تیز آواز میں میوزک لگا کر سر دھنتے ہوئے سننے لگا۔

جے میں ہوندی ڈھولنا سونے دی تعویتڑی

میں میڈم نور جہاں کی آواز کے سحر میں کھویا ہوا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ گانے کے بول میرے لبوں پر مچل رہے تھے اور بے سری آواز خود میری سماعتوں پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ اس خیال نے میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیلا دی کہ کہیں میڈم کے کسی فین نے مجھے اس گانے کا حشر خراب کرتے سن لیا تو چھوڑے گا نہیں۔

"ویسے بیٹا ایمل خان تم بھی یہ خالص زنانہ گانا گنگناتے ہوئے بالکل ویسے لگ رہے ہو جیسا آج کل شادی بیاہ کے فنکشنز میں لڑکے میں لونگ تے تو لاچی پر ڈانس کرتے ہوئے لگتے ہیں۔"

یہ جملہ میں نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

آج میری چچازاد آ رہی تھی۔ وہ جسے بہن کہنے پر گھر کا ہر فرد یوں گھوریاں ڈال کر مجھے ڈراتا جیسے شریر بچے کو مہمانوں کے سامنے سے کباب اٹھا کر ثابت ہی منہ میں ڈال کر پلیٹ میں پڑے دیگر کبابوں کو ندیدی نظروں سے تاڑنے پر گھورا جاتا ہے حالانکہ یہ وہی کباب ہوتے ہیں جو عام حالات میں اماں منتیں کر کے کھلانے کی کوشش کر چکی ہوتی ہیں۔

تو میں بتا رہا تھا کہ میری کزن آج امریکہ سے پاکستان آ رہی تھی اور گھر کے سارے سمجھ دار لوگوں نے مل کر پروگرام بنایا تھا کہ مجھے ہی زرینہ کو ایئر پورٹ سے لانے کے لیے بھیجا جائے۔ یہ منصوبہ مجھے بتا کر نہیں بنایا گیا تھا بلکہ مجھے اندازہ ہوا تھا کہ کوئی کھچڑی ان سب کے درمیان پک رہی ہے۔

میں نے کہا بابا آپ جا کر زرینہ کو لے آئیں تو وہ اپنا سر دباتے ہوئے نقاہت بھری آواز میں بولے۔

"ایمل خان بچے! میرے سر میں شدید درد ہے میں اس حالت میں ڈرائیونگ کیسے کروں؟" میں نے اپنے بہادر بابا کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بابا جان! پچھلے مہینے گردے میں پتھری کا کتنا شدید درد تھا آپ کو اور اس سے پہلے جو اپینڈکس کا درد اور پھر آپریشن ہوا تھا لیکن آپ کی آواز میں ایسی کمزوری اور نقاہت اس وقت بھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ آج کیا بات ہے؟"

میری سوالیہ نظروں سے گھبرا کر انہوں نے شاید یہ سوچ لیا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی اوور ایکٹنگ کر رہے ہیں سو آواز کے شدید درد پر قابو پا کر بولے۔

"نہیں بیٹا کوئی بڑی بات نہیں بس سر درد ہی ہے۔ ذرا سا آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

میں باہر نکلا تو زرولی کو آواز دی کہ گاڑی نکالے۔ لمبی ڈرائیو میں اکیلے نہیں کرتا تھا بلکہ ڈرائیور کو ساتھ لے جاتا تھا۔

"صاحب! میرے دانت میں بہت درد ہے۔ مجھ سے ڈرائیونگ نہیں ہوگی۔" اس نے ایک گال پر ہاتھ رکھ کر تکلیف کا اظہار کیا۔

"زرولی خان! پہلا سوال تو یہ کہ ڈرائیونگ تم نے ہاتھوں کے بجائے دانتوں سے شروع کر دی اور مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"مجھے لگتا ہے کہ تم نے نسوار چھوڑ دی ہے کیونکہ جب بھی میں نے نسوار چھوڑنے کی درخواست کی۔ تم نے یہ کہا کہ نسوار کی وجہ سے دانتوں میں درد نہیں ہوتا اس لیے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اس کا مطلب تو صاف یہ ہی ہے کہ جو بندہ نسوار استعمال کرتا ہے۔ اسے دانت مین درد ہرگز نہیں ہوگا؟"

میں نے اس کے گال کے ابھار پر نظر ڈال کر طنزیہ انداز میں پوچھا تو وہ بڑی بے مروتی اور رکھائی سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"صاحب آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ آپ اور بڑے صاحب مجھے کس قدر عزیز ہو۔" مجھے توقع تھی کہ اگلا ڈائیلاگ بھی وہ اسی طرح محبتوں میں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ڈوبا ہوا ہی بولے گا لیکن جب اس نے کہا کہ......
"صاحب! یاد رکھنا محبت اور نسوار میں جب جب مقابلہ ہوا ہے۔ محبت نسوار پر قربان ہوتی آئی ہے باقی سب کچھ اپنی جگہ اور عادت اپنی جگہ۔"
"زرینہ بی بی پہلی بار وطن آ رہی ہیں، آپ کو خود جا کر انہیں لانا چاہیے۔" زرولی کے چہرے کے تاثرات اور ہونٹوں سے لپٹی اک فسادی قسم کی مسکراہٹ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے لیکن میں اپنا شک سمجھ کر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

☆☆☆

"ارے تم کتنی بڑی ہوگئی ہو؟"
میں نے بلو جینز پر سفید شرٹ میں ملبوس کھلے بالوں کی لٹیں سر کے ایک اسٹائلش جھٹکے سے گال سے ہٹاتی زرینہ کو دیکھ کر کہا تو وہ بجائے مسکرانے کے مجھے کچھ اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر سپاٹ انداز میں بولی۔
"ایمل خان لالہ! یہ ڈائیلاگ غلط جگہ بول دیا آپ نے۔ ہفتے میں دو بار تو آن لائن آکر ہماری ویڈیو کال پر بات ہوتی ہے۔ بابا جان اسی وقت فون کرواتے ہیں جس وقت ساری فیملی اکٹھی ہو۔
اور ابھی چار دن پہلے بھی آپ مجھے دیکھ چکے ہیں۔ اب جہاز میں بیٹھے بیٹھے تو میں مزید بڑی ہونے سے رہی۔"
اس بے مروت کا سیدھا سیدھا جواب سن کر میں سر نہ کھجاتا تو اور کیا کرتا؟ اب بندہ رسمی جملے بھی نہ بولے؟
میں نے نوٹ کیا کہ ایرپورٹ سے نکل کر گاڑی تک جاتے جاتے وہ کم سے کم دو سو جھٹکے اپنے ریشمی بالوں کو دے چکی تھی۔
"تم لوگ جب کٹنگ کے لیے پارلر جاتی ہو تو اس اسٹائل کو جھٹکا سٹائل کہہ کر بال کٹواتی ہو۔ ہے نا؟" وہ زرولی کی غیر موجودگی کا نقصان مجھے پہنچانے کے لیے اگلی سیٹ پر بیٹھ چکی تب میں نے ان جھٹکوں سے تنگ ہو کر سرسری سے انداز میں پوچھا تو اس نے صرف مجھے گھورنے پر اکتفا کیا۔

"نہ جانے کیوں مجھے خاندان کی لڑکیاں اگلی سیٹ پر اچھی نہیں لگتیں۔ لوگوں کی نظروں کا مرکز بن جاتی ہیں اگلی سیٹ پر بیٹھی خواتین۔"
میری سیدھی سچی بات اسے شاید بہت زیادہ ناگوار گزری تھی۔
"مجھے ہمیشہ سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کی عادت ہے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے والی لڑکی کسی صورت بھی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔ جب میں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہوں تو آپ کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔" اس کے دوٹوک جواب پر میں اپنا منہ سامنے لگے شیشے میں دیکھ کر رہ گیا۔ چندیل کی خاموشی سے مجھے یوں لگا کہ او نگھنے لگوں گا اسی لیے گاڑی کو جھٹکوں والے راستے کی طرف موڑ دیا۔
"اف کتنا خراب رستہ ہے، جھٹکے ہی لگے جا رہے ہیں۔"
"کل زرولی گاڑی لے کر بڑی دیر تک غائب رہا ہے۔ شاید کسی پارلر لے گیا تھا اسی لیے جھٹکے پر جھٹکا لگ رہا ہے۔"
اس کے یوں کہنے پر میری رگ ظرافت پھڑکی اور میں نے کن اکھیوں سے اس کے بالوں کی طرف دیکھ کر شوخ انداز میں کہا تو وہ پہلی بار مسکرائی اور داد دینے والے انداز میں بولی۔
"بڑے اوور اسمارٹ ہوگئے ہیں ایمل لالہ!"
"کبھی غرور نہیں کیا یار۔"
میں نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا تو وہ ہنس دی۔
"تم بڑے ہونے کے بعد پہلی بار پاکستان آئی ہو لیکن رستوں کو دیکھ کر کوئی ایکسائیٹمنٹ یا مایوسی تمہارے چہرے پر نظر نہیں آ رہی؟"
مجھے اس کے انداز پر حیرت ہو رہی تھی کیونکہ وہ بالکل بھی سڑکوں اور عمارات وغیرہ کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی جیسے کہ معمول کے مطابق روز ان ہی راستوں سے ہو کر آتی جاتی ہو۔
"آج کل کسی بھی ملک کے بارے میں جاننا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

صرف ایک کلک کی دوری پر ہے۔ کہیں بھی جانے سے پہلے وہاں کے بارے میں ساری معلومات آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں

اور پھر پاکستان کے بارے میں ہر چیز بتانے والا ایک انسائیکلوپیڈیا بھی تو ہمارے گھر میں موجود ہے جسے ہم بابا جان کہتے ہیں۔ پشاور سے لے کر کراچی تک کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو۔ آپ یقین کریں کہ تارو جبہ کے چپلی کباب سے لے کر کابلی پلاؤ اور نمک منڈی کے چرسی تکہ کا ذائقہ تک مجھے معلوم ہے۔ جب بابا جان بولنے پر آتے ہیں تو کھانے کی ایک ایک چیز کا فلیور بھی بیان کرتے ہیں۔"

اس کی بات سن کر میں مسکرا دیا یہ سوچ کر کہ ان ہی کی طرح کی ایک عظیم شخصیت ہمارے گھر میں بھی موجود تھی۔

ہاں فرق صرف یہ تھا کہ وہ بات بات پر اپنی خاندانی روایات کا ذکر شروع کر دیتے اور ذکر تک تو چلو برداشت ہو بھی جاتا لیکن ان کے آباؤ اجداد کے بارے میں ہر تفصیل سننا اور پھر یاد رکھنا بھی اشد ضروری تھا۔ درمیان میں رک کر یک دم کوئی ایسا سوال پوچھ لیتے کہ جس کا جواب دینے کے لیے سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگتے۔

"میں گھنٹہ بھر سے جو واقعات سنا رہا ہوں وہ سب توجہ سے سن رہے ہو نا؟ اچھا یہ بتاؤ کہ میرے پردادا کے باپ کو کس قسم کی کتابیں پسند تھیں؟" میں اور زرسانگہ سٹپٹا جاتے۔

"انہیں مزاحیہ ادب پسند تھا جیسے...... جیسے...... قدرت اللہ شہاب کا شہاب نامہ، ڈاکٹر انور سجاد اور اشفاق احمد کی مزاح پر مبنی کتابیں۔"

میں زرسانگہ سے پہلے ہی بول پڑتا تب ہی تو...... زرسانگہ مجھے گھورتے ہوئے کہتی۔

"لالہ! آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ نے جن کا نام لیا ہے سارے سنجیدہ ادیب ہیں۔

بابا جان کے پردادا کے باپ اردو ادب کا مزاحیہ کلاسک پڑھتے تھے ابن انشاء کے سفر نامے کی دنیا گول ہے اور چلتے ہو تو چین کو چلیے۔ مشتاق احمد یوسفی کی کتابیں اور......" اور وہ بڑے جوش سے بولتے ہوئے بابا جان کے گھورنے پر چپ ہو جاتی۔

"تم دونوں سراسر پاگل ہو جن ادیبوں کے نام تم لوگوں نے لیے ہیں یہ سارے میرے عہد کے لکھاری ہیں۔ میں جن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں وہ میرے پردادا کے باپ تھے۔ اس زمانے میں ان لکھاریوں کے باپ دادا بھی پیدا نہیں ہوئے ہوں گے تو وہ لکھاری وہ ادیب اپنے باپ دادا سے پہلے تو پیدا نہیں ہو سکتے نا؟"

بابا جان کا ملامتی انداز دونوں کو چپ کرا دیتا۔ حالانکہ میں کہنا چاہتا تھا کہ بابا آپ کے آباؤ اجداد کچھ بھی کر سکتے تھے اپنے بزرگوں سے پہلے پیدا بھی ہو جاتے تو ہم نے کون سا کچھ کر لینا تھا ان کا۔

"اچھا چلیں، ایسا کریں کہ آپ ہی ہمیں بتا دیں کہ وہ کون سی کتابیں پڑھا کرتے تھے؟"

بابا جان میرا سوال سن کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بات ٹال جاتے۔ انہیں کون سا پتا تھا جو ہمیں بتاتے۔

"تمہیں کیا پڑی تھی پاکستان آنے کی۔ سارا پاکستان ملک سے باہر جانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے اور ایک ہماری زرمینہ بی بی ہیں جو اس موسم میں پاکستان آ گئی ہیں۔" وہ یہ بات سن کر قدرے حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ کو نہیں پتا کہ بڑوں کے درمیان کیا چل رہا ہے؟"

زرمینہ کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"مجھے کچھ شک تو ہو رہا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ لیکن ٹھیک سے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

وہ لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے اپنے موبائل فون میں سر گھسا چکی تھی۔

"اچھا بھلا ایڈمیشن ہو رہا تھا وہاں کی سب سے اچھی یونیورسٹی میں، لیکن......"

میں نے ایک حسرت بھری نظر اس کے فون کی پشت پر کٹے ہوئے سیب کی تصویر پر ڈالی۔ یہ وہی ماڈل تھا جس کے لیے بابا جان سے پیسے لے کر گیا تھا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

زرمینہ نے بھی اپنے موبائل فون میں میری دلچسپی نوٹ کرلی تھی۔

''ایسا ہی فون بابا نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ ابھی نکال دوں یا گھر پہنچ کر؟''

وہ میرے اندر پڑتے خوشی کے دھمال سے بے خبر نارمل سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

میں نے اپنی خوشی سے بھرپور چیخ بمشکل اندر ہی دبا کر لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں مجھے تم پر پورا اعتبار ہے۔ گھر پہنچ کر ہی لے لوں گا۔'' حالانکہ جی چاہ رہا تھا بیچ سڑک پر گاڑی روک کر ڈگی کھولوں اور اس کا سارا سامان کپڑے لتے وغیرہ سڑک پر پھینک کر بیگ کے نیچے سے فون اٹھالوں اور جب تک وہ سڑک سے کپڑے سمیٹے تب تک جی بھر کے فون کھول کر دیکھتا رہوں دو چار سیلفیاں بھی لے لوں۔ لیکن یہ خواہش دل میں چھپائے میں نے ایسے ایکسپریشن دیے جیسے یہ فون میرے لیے معمولی سی چیز ہو اور ایسے قیمتی تحفے وصول کرنا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

☆☆☆

زرمینہ کو پاکستان آئے تیسرا دن تھا۔ زرسانگہ اور بابا جان اس کی آؤ بھگت میں مگن تھے۔ ان تین دنوں میں کئی بار مجھے اس لڑکی کا خیال آیا۔ اس کی نیر بہاتی آنکھیں، بھیگا ہوا نقاب، نازک ہاتھوں کی لرزش اور بار بار روتے ہوئے ماں کو پکارنا...... نہ جانے اس کی ماں کی حالت کیسی ہوگئی؟ ہوسکتا ہے ٹھیک ہوگئی ہو اور وہ لوگ گھر چلے گئے ہوں۔ لیکن ان خاتون کی حالت ایسی نہیں لگ رہی تھی کہ ٹھیک ہونے کی امید کی جاسکتی۔

''ایمل خان! تم نے اس بے یارو مددگار لڑکی کو اکیلا چھوڑ کر اچھا نہیں کیا، جانے کس حال میں ہوگی؟''

اس صبح جانے کیوں کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ضمیر پر بوجھ بھی تھا کہ ایک جوان جہان بے آسرا لڑکی کو اس کی نیم مردہ ماں کے ساتھ ہسپتال میں چھوڑ آیا ہوں اور پھر اس کی خبر بھی نہیں لی۔ ۔ ۔ ضمیر کی مسلسل ملامت سے تنگ آکر میں نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور بلا سوچے سمجھے ہسپتال کی طرف روانہ ہوگیا۔

''مسز شہاب شاہ نام کی ایک مریضہ آئی سی یو میں تین دن پہلے آئی تھیں۔ ان کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔''

میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ ان خاتون کا انتقال آج ہی ہو چکا ہے اور کچھ ہی دیر پہلے ان کی میت ایمبولینس میں ان کے گھر بھیج دی گئی ہے۔ درد کی ایک تیز لہر مجھے اپنے سارے جسم میں سرایت کرتی محسوس ہوئی۔ مرنے والی کی موت سے زیادہ افسوس مجھے اس کی بیٹی کے لیے ہو رہا تھا۔

میں تھکے ہوئے بوجھل قدموں کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ ہاسپٹل کے اندرونی حصے میں بنی پارکنگ میں، میں نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ میں ابھی گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ میری سماعتوں میں قریب ہی کھڑی ایمبولینس کے ڈرائیور کی آواز آئی۔ وہ ایمبولینس کی ڈیوٹی کر کے نیچے اترتے ہوئے شاید فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''یار کیا بتاؤں آج میں نے جو مناظر دیکھے ہیں اس کے بعد سے تو میرا انسانیت پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ آج ایک اکیلی لڑکی کے ساتھ اس کی ماں کی لاش لے کر گیا تھا۔ اس نے جس گھر کا دروازہ روتے ہوئے بجایا، اس کے اندر سے ایک خاتون برآمد ہوئی جس نے اس کے استفسار پر بتایا کہ وہ آج ہی اس گھر میں شفٹ ہوئے ہیں۔ لڑکی نے روتے ہوئے التجا کی کہ...... اسی گھر میں ہم ماں بیٹیاں رہتے تھے۔ میری ماں کی میت ایمبولنس میں پڑی ہوئی ہے۔ خدا کے لیے کفن اور تدفین تو کرنے دیں نا۔''

اس خاتون نے ہمدردی سے اسے دیکھا اور شاید وہ دروازہ کھول بھی دیتی لیکن اتنے میں ایک شخص سامنے والے گھر سے نکل کر آیا جو شاید مالک مکان تھا۔

''میں تم جیسے بھوکے ننگوں کو یہ گھر کرائے پر دے کر پہلے ہی بہت پچھتایا ہوں۔ اب مزید میرا دماغ خراب مت کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

وہ لڑکی منتیں کرتی رہی لیکن اس کمینے آدمی نے ان ماں بیٹیوں کا جو تھوڑا سا سامان تھا، وہ باہر سڑک پر پھینک دیا اور خود گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اس لڑکی نے روتے ہوئے تین گھروں کے دروازے کھٹکھٹائے مگر کوئی بھی باہر نہیں آیا۔

بالآخر اس کے کہنے پر میں نے اس کی ماں کی لاش...... نیچے چادر ڈال کر زمین پر رکھ دی۔ میں کیا کرتا میری جیب میں اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں اس لڑکی کی کوئی مدد کر سکتا اور یہاں بار بار مجھے ڈیوٹی پر واپس بلایا جا رہا تھا۔ ایدھی فاؤنڈیشن کا خیال ہی نہ آیا مجھے بھی اور اس لڑکی کو بھی۔ بار بار کے فون سنتے ہوئے میں اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ کر آ گیا اس کی ماں کی لاش کے ساتھ، وہ شاید اب بھی وہیں پر بیٹھی بین کر رہی ہوگی اور آس پاس کے لوگ کانوں میں روئی ٹھونسے بہرے بنے ہوں گے لعنت ہے ایسے لوگوں پر۔''

اس کی ساری بات سن کر مجھ میں صبر کا یارا نہ رہا اور میں اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا وہ جیسے ہی بات ختم کر کے واپس پلٹا۔

اس کے عین مقابل میں کھڑا تھا۔

''اگر اس لڑکی کے ساتھ کوئی نیکی کرنا چاہتے ہو تو براہ کرم مجھے اس کا ایڈریس بتا دو۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ مشکوک نظروں سے مجھے دیکھ کر بولا۔

''میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں؟''

''میں ہی اس لڑکی کو اس کی بیمار ماں کے ساتھ اسپتال لے کر آیا تھا۔''

میں نے پر اعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو......

اس نے بھی پل بھر کے لیے میری آنکھوں میں دیکھا شاید زبان سے زیادہ آنکھوں کی سچائی کو مستند ماننا اس جھوٹی دنیا میں ضروری تھا اس نے میری سچائی پر یقین کرتے ہوئے مجھے اس کا ایڈریس دے دیا۔

''صاحب جی! آپ شکل صورت اور لباس سے کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے نظر آ رہے ہیں۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس مظلوم لڑکی کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا۔ یہاں اسپتال میں ایسے ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جیسا آج میرا دل کانپا ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ پورا محلہ ایک ہی شخص کا ہے۔ باقی سارے کرائے دار ہیں جو مالک مکان کے ڈر کی وجہ سے اس لڑکی کی مدد کرنے کے لیے باہر نہیں نکل رہے تھے۔ وہ مالک مکان انسان کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ جانے اس چھوٹی سی لڑکی سے ایسی کون سی دشمنی ہے اس ظالم کی جو اسے اتنی بڑی سزا دے رہا ہے؟''

میں نے اس کی بات کا جواب دے کر وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے کے لیے تیزی سے گاڑی باہر نکال لی شاید اس کے ساتھ ظلم کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا یہ احساس مجھے ستا رہا تھا۔

☆☆☆

تپتی دوپہر، گرم موسم، بے سرو سامان سی۔ وہ لڑکی ماں کی لاش کے ساتھ سر جھکائے۔ چھوٹی سی گلی کی باہر والی سڑک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی اکا دکا پیدل چلنے والے کن اکھیوں سے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے تیز قدموں سے وہاں سے نکل رہے تھے۔ کون اعتبار کرتا ہے ایسے مناظر کی سچائی پر شکوک و شبہات نے سچ کو جھوٹ بنا دیا تھا۔ ایک ہی انداز کے بنے گھروں پر مشتمل اس گلی میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہوں گے۔ ظالموں تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ ایک فون کر کے ایدھی والوں کو بلا لیتے؟

اس مالک مکان نے انہیں خرید تو نہیں رکھا؟''

میں اس کے قریب پہنچ کر ابھی کچھ کہنے کے لیے ہمت مجتمع کر ہی رہا تھا کہ اس نے میرے قدموں کی آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا اور مجھے اپنی اس خواہش کی تکمیل پر بھی کوئی خوشی نہ ہوئی جو اس کا نقاب میں چھپا چہرہ بے نقاب دیکھنے کی تھی۔ وہ خود سے بے خبر ننگے سر بیٹھی تھی۔ الجھے بالوں کی لٹیں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

گردن کو چھو رہی تھیں۔ سرخ ناک دوپٹے سے پونچھتے ہوئے اس کی متورم آنکھیں میرے چہرے پر جم سی گئیں۔ جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو میرے وہاں ہونے کا، تیزی سے اٹھی اور اگلے ہی لمحے بے اختیار میرے کندھے پر سر رکھے سسکنے لگی۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے، مجھے اکیلا چھوڑ کر؟ کہا تھا میرا کوئی نہیں۔ میری ماں بھی ساتھ نہ نبھا سکی۔ مالک مکان میری اماں کو اندر نہیں جانے دے رہا۔ اب آپ آگئے ہیں تو مجھے اطمینان ہوگیا ہے کہ اماں کو ان کے آخری گھر تک پہنچا دیں گے۔ انہیں بہت جلدی تھی اپنی چھت اپنے گھر تک پہنچنے کی۔ وہ بے مکانی سے تھک چکی تھیں۔'' وہ سسکتے ہوئے کانپتے لہجے میں بول رہی تھی۔ میری آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں، اس بے سروسامان لڑکی کے دکھ اور ماں جیسی عظیم ہستی کی لاش کی بے حرمتی پر۔

''آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ وہ بے ہوش ہوگئی۔

اب اسے بیچ سڑک پر تو نہیں پھینک سکتا تھا۔ اس لیے اسے گاڑی میں لے آیا اور پچھلی سیٹ پر لٹا کر ایدھی فاؤنڈیشن والوں کا نمبر ملانے لگا۔

اسے کیسے ہاسپٹل تک پہنچایا؟

کیسے اس بے سہارا عورت کی تدفین کروائی؟

کیسے مالک مکان کی غصہ بھری نظروں کے باوجود اس کا سامان سمیٹا جو فقط چند کپڑوں، ایک سوٹ کیس اور ٹوٹے پھوٹے کچھ برتنوں پر مشتمل تھا۔

''دیکھ لو لوگو! یہ ہے وہ وجہ جو اسے مجھ سے نکاح نہیں کرنے دے رہی تھی۔ بے غیرت تھیں دونوں ماں بیٹیاں۔ ماں تو عزت کی زندگی کے بجائے ذلت کی موت مرگئی۔ اب بیٹی کسی دن ادھڑی ہوئی لاش کی صورت کسی ویران سڑک پر پڑی ہوئی ملے گی۔'' بڑی بڑی لال آنکھوں والا ساٹھ پینسٹھ سالہ آدمی جس کی مونچھیں اور بال کالے رنگ میں رنگے ہوئے تھے مسلسل زہر اگل رہا تھا۔

میں سامان گاڑی میں رکھوا کر اس کے قریب چلا آیا۔

''بابا جی! کچھ اللہ کا خوف کریں، پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں پھر بھی بجائے اللہ اللہ کرنے کے اس پورے محلے کو زہریلا کر رہے ہیں۔''

''نکاح کا پیغام بھیجا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا پھر میں اسے گھر سے نہ نکالتا تو اور کیا کرتا؟''

میں نے ملامتی انداز میں کہا۔

''بابا جی! وہ جوان بیٹی کی ماں تھیں، کیسے نکاح کا پیغام قبول کرتیں؟''

اس کا رنگ میری بات سن کر فق ہوگیا۔

''نہیں جی۔ بابا جی نے ماں کا رشتہ نہیں مانگا تھا بلکہ بیٹی کا مانگا تھا۔'' یہ انکشاف قریبی مکان سے نکلنے والے ایک درمیانی عمر کے آدمی نے کیا تو میں ہکا بکا سا مالک مکان کو دیکھنے لگا۔

''اس محلے کا نام بے حسوں، بے ضمیروں کا محلہ رکھ دینا چاہیے۔ ہٹایئے یہاں سے میرے آقا محترم کے مبارک نام کی تختی۔'' میں نے احمد کالونی کے بورڈ کی طرف اشارہ کیا تو سب ہی بغلیں جھانکنے لگے۔

میں اداس دل لیے وہاں سے گاڑی کی طرف آگیا۔

☆☆☆

''یہ...... یہ کون ہے؟'' سب سے پہلے زرولی نے اس کے بارے میں پوچھا۔

''زیادہ دانت نکالنے کی ضرورت نہیں، اپنے کام سے کام رکھو۔'' میرے گھورنے پر بات بدل کر سر کھجاتے ہوئے باہر نکل گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ مرجھائی ہوئی زرد رنگت کے ساتھ سرخ ناک اور سوجے ہوئے پپوٹوں والی بے یارو مددگار لڑکی لرزتے ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے شدید الجھن کا شکار لگ رہی تھی۔ جیسے یہ فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ آگے جائے یا واپس پلٹ جائے؟ لیکن میری طرح وہ بھی جانتی تھی کہ واپس پلٹنا ناممکن ہے۔ میں نے اس کا تعارف کرانا چاہا۔

''بابا...... یہ......؟'' مجھے اس لمحے احساس ہوا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

...ہ میں اس کا نام تک نہیں جانتا۔

”چل ایمل خان، تمہیں نام رکھنے کا اختیار ہو تو ...ون سا نام دو گے اسے؟“

میں نے خود سے سوال کیا۔

”شاہ بانو۔“ اس نے میری سوالیہ اور بابا کی ...ران نظروں کو دیکھ کر دھیرے سے کہا تو میں نے ...مینان کا سانس لیا یہ سوچ کر کہ حسین نام ہے۔

”تم اس گھر کی روایات سے اچھی طرح واقف ...تے ہوئے بھی ایک لڑکی کو گھر لے آئے؟“ ان کی ...نکھوں میں لکھا متوقع سوال مجھے پریشان کر گیا۔

”یہ لڑکی بالکل بے آسرا ہے بابا اور ابھی کچھ ...ر پہلے اس کا واحد سہارا یعنی کہ ماں اسے چھوڑ گئی اور ...بھی ہمیشہ کے لیے۔“ میں نے بات ختم کر کے ان ...کے چہرے کے تاثرات دیکھے جس پر ہمدردی کے ...نگ صاف نظر آرہے تھے۔

”تو کسی ادارے دار الامان وغیرہ میں چھوڑ ...تے؟“ ان کے سوال نے میرے اندر تلخی بھر دی۔

”آپ جانتے ہیں کہ اس لڑکی کے لیے ...ارے گھر سے بڑھ کر محفوظ جگہ کوئی بھی نہیں پھر بھی ...سوال کر رہے ہیں؟ ان اداروں کے حالات سے ...م سب واقف ہیں۔“

میری بات سن کر وہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے ...لگے۔

”بیٹی! کیا دنیا میں کوئی بھی نہیں تمہارا؟“ بابا کا ...سوال اس کے سینے پر خنجر بن کر لگا۔ وہ سسکنے لگی۔ ...ں ڈر کر ذرا دور ہٹ گیا کہ سڑک والا سین کہیں ...بارہ نہ دہرانے لگے اور بابا اس بے تکلفی پر کہیں ...دوق لا کر مرنے مارنے پر ہی نہ اتر آئیں۔

”خیر راغلے بچے۔“ ماں، زرسانگہ اور ...رینہ اس کے پاس جا کر تسلی دینے لگیں۔ میں اپنے ...لدین کے نرم مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اور ...ھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ بلا تردد اس بے آسرا لڑکی کو ...ہ ضرور دیں گے۔

”تم دونوں اس بچی کو اندر لے جاؤ۔ یہ زرینہ اور زرسانگہ کے کمرے میں رہے گی اور اسے کچھ کھلا پلا دو۔ بہت کمزور لگ رہی ہے۔ یوں لگ رہا ہے کئی دن سے کچھ کھایا نہیں اس نے۔“ ان کی بات سن کر میں نے اک اطمینان بھری اٹکی ہوئی سانس باہر نکالی اور خود کو صوفے پر گرا دیا۔

بابا اب پرسوچ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

”آپ کا بیٹا ہوں بابا۔ بچپن سے میری فطرت اور تربیت میں یہ بات شامل ہے کہ میں مصیبت میں کسی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔“ بابا کو شروع سے اس کی روداد سناتے ہوئے اس لڑکی کے لیے میرا دل دکھ سے بھر گیا۔

وہ اٹھ کر میرے قریب آئے اور مجھے گلے سے لگا کر کندھے پر تھپکی دی۔

”اگر تم اسے بے یار و مددگار کسی سڑک یا ہسپتال میں چھوڑ آتے تو میں کبھی تمہیں معاف نہ کرتا۔“ ان کی بات سن کر میں نے اپنے کندھے پر رکھا ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور بے اختیار چوم لیا۔

”مجھے اپنے باپ پر فخر ہے۔“ میرا لہجہ ان کی محبت سے معمور تھا وہ مسکرا دیے۔

”یار ایمل خان! ایک بات میں نے محسوس کی ہے کہ جیسے اس لڑکی کو میں نے پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے، اس کے نقوش بہت آشنا سے لگ رہے ہیں۔ شاید کسی سے؟ بہت ملتی جلتی شکل ہے اس کی لیکن کس سے یہ سوچنا پڑے گا؟“

ان کی پرسوچ آنکھیں اور متجسس آواز مجھے یقین دلا رہی تھی کہ بابا نے شاید اسے پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے۔

”زرولی بہت بھوک لگی ہے، جلدی سے میرے لیے بھی کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔“

میں زرولی کو آواز دے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا جبکہ بابا اب بھی سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

وہ میرے گھر والوں کی محبت پا کر بہت حد تک سنبھلنے لگی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں زرسانگہ اور زرینہ سے اس کی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ وہ دونوں بھی تو اس کے ارد گرد ہی نظر آتیں شاید زرینہ بحیثیت ایک

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نفسیاتی معالج کے اس کی کونسلنگ بھی کر رہی تھی تب ہی تو وہ سنبھل چکی تھی۔

"بیٹا! عادل خان کے لیے زرسانگہ کا رشتہ مانگ رہے ہیں لالہ۔" بابا نے سنجیدگی سے کہا تو میں کھل گیا۔

"واہ بابا اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ زرسانگہ سے مرضی پوچھیے اور بسم اللہ کیجیے۔ عادل ہمارا خون ہے اور اعلا تعلیم نے اس میں غرور نہیں بلکہ عجز پیدا کیا ہے اور میری بہن کی سادگی و کردار کا انعام ایسا لڑکا ہی ہونا چاہیے، لیکن چاچا جان سے کہیں کہ عادل خان سے پوچھ کر رشتہ طے کریں۔"

عادل خان زرینہ کا بڑا بھائی تھا۔ انتہائی سنجیدہ اور سمجھ دار لڑکا تھا۔ بابا نے سنجیدگی سے مجھے دیکھا۔

"ایک بات اور بھی کرنی تھی تم سے، یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی کے فیصلوں کا اختیار میرے پاس ہے یا نہیں؟" مجھے حیرانی ہوئی اس سوال پر۔

"بابا! سارے حقوق آپ لوگوں کے پاس ہیں۔ میرے بابا کا ہر فیصلہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔" تب ہی ان کے فون پر کال آنے لگی۔

"تیرے چاچا کا فون ہے، میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے؟" بابا فون ریسیو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے، میرے اثبات میں سر ہلاتے ہی وہ باہر نکل گئے۔

"پلیز اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو واپسی پر یہ کتابیں لے آئیے گا۔" میں سوچوں میں گم وہیں بیٹھا تھا جب وہ میرے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے جھجکتے ہوئے مجھے ایک پرچی پکڑائی تو میں نے اس کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ حزن و ملال اس کے چہرے کا لازمی حصہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اب اداسی کے رنگ کچھ ہلکے ہونے لگے تھے۔

"یہ کتابیں کس لیے؟" میرا سوال احمقانہ تھا۔ اس کا ادراک سوال کے بعد ہوا تھا۔

"کس لیے؟" یہ زرینہ تھی۔

"آپ کو نہیں پتا کہ کتابیں پکائی نہیں جاتیں نہ ہی کھائی جاتی ہیں۔ یہ بندہ پڑھنے کے لیے ہی منگواتا ہے۔" میں نے مڑ کر دیکھا، جینز اور شرٹ پر بڑی سی چادر لیے خود کو مکمل ڈھانپے ہوئے تھی لیکن پھر بھی اس کے ماڈرن اسٹائل اور لاپروا انداز سے لگتا تھا کہ وہ کہیں باہر سے آئی ہے جبکہ جھکی جھکی آنکھیں اور احساسات سے عاری چہرہ لیے دوپٹے کو سر پر اسکارف کی طرح لپیٹے، وہ لڑکی اداسی اور معصومیت کی تصویر بنی سامنے کھڑی تھی۔ میں نے نظروں کا زاویہ نہ چاہتے ہوئے بھی بدلا اور زرینہ کو چھیڑا۔

"باہر سے آنے والے مینڈک، چھپکلیاں اور کاکروچ کھاتے ہیں تو کچھ بھی کھا سکتے ہیں۔ کتابیں تو ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ زود ہضم ہوتی ہیں۔" وہ مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں جیسے یہاں تو گدھوں اور کتوں کے ساتھ مردہ مرغیوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا نا؟"

میں اس کی بات کے جواب میں لاجواب ہوگیا۔

"شاہ بانو بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے اس سے ہمدردی ہے۔" اس کے جانے کے بعد زرینہ نے کہا تو میں نے اک آہ بھری۔

"مجھے اس پر بہت رحم آتا ہے۔ بہت قابل ہے۔ انگلش لیٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی، مالی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے پرائیویٹ امتحان دیا ہے۔ پریویس کر چکی ہے، بہت اچھے نمبرز سے، اب اس کا فائنل کا ایڈمشن لیٹ فیس کے ساتھ میں کرا چکی ہوں۔ آپ یہ کتابیں لے آئیں تو وہ پڑھائی شروع کرے، امتحانات قریب ہیں۔" اس کے ذمہ دارانہ رویے نے مجھے حیرتوں کے جہان میں الجھا دیا تھا۔

"بہت شکریہ زرینہ!" وہ مجھے گھور کر بولی۔

"کس بات کا شکریہ؟ جیسے آپ اس کی مدد کر رہے ہیں، میں بھی کرنا چاہتی ہوں۔" میں کھسیانا ہوگیا۔

"چاچی اور خان بابا دونوں بھی بہت خیال رکھتے ہیں شاہ بانو کا۔"

میں نے فخریہ انداز میں سر ہلایا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''واقعی میرے والدین سب سے الگ اور اچھے انسان ہیں۔''

☆☆☆

اس دن کے بعد بابا کے ساتھ تفصیلی بات نہ ہو پائی تھی۔ اس دن انہوں نے بلا کر کہا۔

''تم جانتے ہو ایمل خان کہ زرینہ کیوں آئی ہے پاکستان؟'' میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ سوال داغ دیا گیا۔

''جی نہیں، مجھے نہیں معلوم۔''

''ہم اور تمہارے چچا زرسانگہ بیٹی اور عادل کے رشتے کے ساتھ ساتھ زرینہ سے تمہارے رشتے کے لیے بھی سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ تم تو اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ہماری روایات میں سے ایک ادلے بدلے کی شادی بھی ہے۔ چاہے اچھی ہیں یا بری لیکن اپنی روایات اور اپنی اقدار ہمیں بہت عزیز ہیں۔ مجھے اور تمہاری ماں کو اس رشتے پر بہت خوشی ہے کیونکہ اس طرح سے بیٹا اور بیٹی دونوں کے رشتے اپنوں میں ہو جائیں گے۔ یہ تو تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ خاندان میں کوئی بھی لڑکا زرسانگہ کے ساتھ کا نہیں ہے۔ اس سے بڑے سب شادی شدہ ہیں اور کچھ بہت چھوٹے ہیں۔ مجبوراً پھر ہمیں اس سے آٹھ دس سال چھوٹی عمر کے لڑکے کے ساتھ بیاہنا پڑتا۔'' یہ انکشاف میری رنگت متغیر کر گیا جو بابا کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''میں نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی جو تمہیں چپ لگ گئی ہے جبکہ تم ہمیں یہ حق دے چکے ہو تو پھر یہ خاموشی کیوں؟'' ان کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

''میں اپنے الفاظ کی لاج نبھانا اچھی طرح جانتا ہوں لیکن فقط یہ پوچھنا تھا کہ اس معاملے میں میری رائے کو بھی کوئی اہمیت دی جائے گی یا نہیں؟'' میں نے سر جھکاتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔ کیوں کہ میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ہمارے خاندان میں ان معاملات میں چاہے بیٹا ہو یا بیٹی سر جھکانے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔

''یہ کیسا سوال ہے ایمل خان؟'' وہ ناراضی سے اٹھ کر جانے لگے تو میں تیزی سے اٹھا اور ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں نے پہلے کبھی آپ کے کسی حکم سے روگردانی کی ہے۔ جواب کروں گا؟''

میری بات سن کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ جلدی سے کہا۔

''تو میں بھائی، بھابھی اور عادل بیٹے تینوں کو جلد از جلد بلاتا ہوں تاکہ دونوں منگنیوں یا پھر نکاح کا فنکشن رکھ لیں۔''

''آپ لوگوں نے زرینہ سے پوچھا ہے؟ چلیں زرسانگہ سے تو پوچھنا ہی فضول ہے کہ اسے اپنے سے دس بارہ سال چھوٹے بچے سے شادی تو نہیں کرنا پڑے گی؟'' میرا ان سے یہ سوال ہی فضول تھا اس لیے کہ جس معاشرے میں بیٹے کو ان معاملات میں بولنے کا حق نہ ہو وہاں پر بیٹی سے کون پوچھتا ہے؟

''یقیناً وہ اس رشتہ پر راضی اور خوش ہے۔ اسی لیے تو اتنی دور سے پاکستان آئی ہے۔''

انہوں نے میرے کندھے پر تھپکی دی اور مجھے سینے سے لگا لیا حالانکہ مجھے تو کوئی خوشی اس کے چہرے پر نظر نہ آئی تھی۔ وہ تو نارمل سے انداز میں مجھ سے بات کرتی تھی۔ میں نے کندھے اچکاتے ہوئے خیالات کے شکنجے سے نکلنے کی سعی کی لیکن یہ شکنجہ با آسانی چھوڑتا نہیں۔

ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور وہاں ایک بے نام سی اداسی کے سوا کچھ نہ پایا۔

''ایمل خان! تمہارے اندر یہ اداسی کیوں ہے جبکہ زرینہ خوب صورت، پڑھی لکھی اور اچھی فطرت والی ایک آئیڈیل لڑکی ہے؟'' میں نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ تب ہی بند آنکھوں کے سامنے شاہ بانو کا اداس سراپا آ گیا۔

''تو اداسی کی وجہ یہ لڑکی ہے؟'' میں نے حیرانی سے سوچتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

ابھی میں اس انکشاف کے جھٹکے سے سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس کی آواز نے چونکا دیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" میں نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو مروڑتے ہوئے سر جھکائے کھڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔

"جی جی۔ بلا تکلف کہیں، کیا بات ہے۔"

"مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں بار بار آپ کو تنگ کر رہی ہوں۔ آپ کے بہت احسانات ہیں مجھ پر، جن کا بدلہ میں جان دے کر بھی نہیں چکا سکتی۔ میرا دل بہت اداس ہے اور بار بار یہی خیال آرہا ہے کہ ماں کی قبر پر جا کر آنسو بہالوں شاید اس طرح یہ اداسی کے بادل چھٹ جائیں۔ اگر آپ ڈرائیور کو کہہ دیں کہ وہ مجھے قبرستان لے جائے تو بہت مہربانی ہوگی، دراصل مجھے راستوں کا پتا نہیں اور...... اور...... میرے پاس کرائے کے لیے پیسے بھی نہیں۔"

وہ نظریں زمین پر گاڑے لرزتی ہوئی آواز میں بولی تو مجھے افسوس ہوا کہ ابھی تک میں اسے ماں کی قبر پر کیوں نہیں لے گیا تھا اور گھر میں مجھ سمیت کسی کو بھی یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اسے کچھ پیسے بھی دے دیتے۔ اس کی تمہید اور احسان مند نظریں مجھے شرمساری کا احساس دلانے لگیں۔

"میں لے جاتا ہوں آپ کو۔"

میں نے ڈرائیور کی جگہ خود کو پیش کرنا چاہا لیکن وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"اچھا نہیں لگتا کہ آپ میرے ساتھ جائیں اور زرینہ جی کے دل میں کوئی غلط خیال پیدا ہو۔"

اس کی بات سن کر میں اچھل ہی تو پڑا تھا۔

"کیا مطلب...... زرینہ جی کے دل میں کون سا خیال؟" میں حیرت کی زیادتی سے اٹھ کھڑا ہوا تو اسے بھی سب خبر ہے۔

"مطلب آپ کی ان سے منگنی کی باتیں ہو رہی ہیں...... تو......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"یہ سب آپ سے کس نے کہا ہے۔ زرینہ نے یا پھر میرے گھر والوں میں سے کسی نے؟"

میرے اس سوال پر وہ سٹپٹا گئی۔

"مجھ سے تو کسی نے نہیں کہا۔ میری حیثیت ہی کیا ہے کہ کوئی مجھ سے ایسی باتیں کرے؟ سب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو میری سماعتوں میں بھی ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ پڑ جاتا ہے۔" وہ اپنی صفائی دینے لگی۔

"میرے خیال میں یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ زرینہ ایک ایسے معاشرے سے آئی ہے، جہاں ایسی باتوں کو برا نہیں سمجھا جاتا۔"

میں اسے باہر کا اشارہ کرتے ہوئے اس سے پہلے باہر نکل گیا۔

"مجھ سے پہلے ساری دنیا کو میرے رشتے کی خبر مل چکی ہے۔ اچھا ہے کہ آج بابا نے مجھے بھی بتا ہی دیا، نہ بھی بتاتے تو میں ان کو کیا کہہ سکتا تھا۔"

☆☆☆

"مرنے والوں کو دعاؤں کا تحفہ بھیجنا چاہیے۔ ان کے لیے بہائے گئے آنسوؤں سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

قبرستان سے واپسی پر وہ میرے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ آنسوؤں کی نمی دوپٹے کے پلو میں جذب کرتے ہوئے وہ انتہائی بے بس اور لاچار نظر آرہی تھی۔ ماں کی قبر نے ماضی کے سارے دکھوں کی یاد دلا دی تھی۔

میں نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

"آپ نے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ مطلب کہاں سے ہیں، والد کیا کرتے ہیں۔ بہن بھائی فیملی وغیرہ کہاں ہیں؟"

وہ آنسو چھپانے کے لیے گاڑی کے شیشے میں سے باہر جھانک رہی تھی۔

"آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں تھا۔ میری اماں اور بابا نے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود محبت کی شادی کی تھی۔ والدہ بتاتی تھیں کہ میرے بابا علاقے کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ جب کہ اماں غریب مگر بہت شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ بتاتی تھیں کہ میرے مرحوم نانا نے وصیت کی تھی کہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اماں کو بھی بابا کی محبت پر بہت زعم تھا...... لیکن جس محبت کے سہارے انہوں نے اپنے پیاروں کو دکھ دے کر اپنے لیے خوشیوں کا سودا کیا تھا۔ وہی محبت انہیں ایک دن بے سہارا چھوڑ گئی۔ میرے بابا نے محبت اور دولت میں سے دولت کو چن کر محبت کو بدنام کر دیا۔'' شاید آنسو سوکھ چکے تھے تب ہی دوپٹے کا پلو انگلی پر کھولتی باندھتی وہ بولے جا رہی تھی۔

''میں شاید اس وقت تین ساڑھے تین سال کی تھی، جب بابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اور اماں کی دوستی سلائی مشین کے ساتھ ہو گئی۔

ظاہر ہے بابا نے ضرور اپنے گھر والوں سے کمٹمنٹ کی ہوگی کہ وہ ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اسی لیے تو ایک دن جب میں بیمار تھی۔ وہ ماں سے یہ کہہ کر کہ آج وہ باپ سے بات کر کے انہیں گاؤں لے جانے کی راہیں ہموار کریں گے، گھر سے نکلے تھے اور پھر ماں کی آنکھیں بند دروازے پر جمی رہیں نہ کوئی خیر کی خبر نہ کوئی پیغام نہ ہی کوئی اطلاع...... بس انتظار انتظار اور انتظار...... ہلکی سی آہٹ پر تڑپ کر اٹھتیں، ماں کے سارے درد بہت بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ بڑے مشکل وقت دیکھے ہم ماں بیٹی نے مگر......'' وہ چپ ہو گئی

''آپ کی والدہ تو عمر بھر پشیمان ہی رہی ہوں گی اپنے اس غلط فیصلے پر؟'' میں نے اس کی دکھ بھری داستان سن کر سوال کیا تو ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''غم دوراں نے انہیں غم جاناں سے بچائے رکھا تھا۔ انہیں فرصت ہی نہ ملتی کہ وہ بیٹھ کر بابا کی جدائی یا بے وفائی کا سوگ منا پاتیں۔''

''کیا آپ کبھی بھی اپنے والد سے نہیں ملیں؟''

''ملنا نہ ملنا میرے اختیار میں کب تھا؟ وہ اگر کسی دن پلٹ کر آتے اور معافی نہ بھی مانگتے تو میری عظیم مگر مجبور ماں انہیں کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتی لیکن انہوں نے تو کبھی مڑ کر دیکھا ہی نہیں۔''

وہ پرسوچ انداز میں جواب دے رہی تھی۔

''کیا آپ کے پاس ان کا کوئی پتا ہے؟''

میرے پوچھنے پر وہ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر پھیلا کر بولی۔

''لگتا ہے آپ لوگ بھی میری ذمہ داری سے تنگ آ گئے ہیں۔''

میں سٹپٹا گیا۔

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں، میں تو یوں ہی پوچھ رہا تھا۔'' میں نے صفائی دی۔

''اگر میرے پاس ان کا کوئی اتا پتا ہوتا تو میں اس دن یوں بیچ راستے میں اپنی ماں کی لاش پر بین نہ کرتی بلکہ اپنے بے وفا باپ کے سینے سے لپٹ کر اپنی ماں کی ناتمام آرزوؤں اور تمام محرومیوں کا سارا رونا رو لیتی۔ یوں میری خوددار ماں مر کر تماشا تو نہ بنتی۔ ماں نے بتایا تھا کہ وہ صرف شہاب شاہ کو جانتی تھیں شادی کے ساڑھے چار سال اور اس سے پہلے ان کی محبت کا ڈیڑھ سال پر محیط عرصہ، بابا اس ضد پر اڑے رہے کہ جب تک وہ گھر والوں کو منا کر انہیں وہ عزت اور وہ مقام نہ دلا سکیں جو اس خاندان کی بہوؤں کو ملتا ہے تب تک وہ ان کا ذکر بھی نہیں کریں گے۔ اسی لیے صرف ان کی ذات سے محبت کرنے والی میری ماں یہ جان ہی نہ پائی کہ وہ کہاں رہتے تھے۔ ان کی فیملی گھر بار وغیرہ کہاں تھے۔ ماں کو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر چپ کرا دیتے تھے کہ تم نے محبت اور شادی شہاب شاہ سے کی ہے، اس کی فیملی سے نہیں؟'' وہ چپ ہوئی تو میں نے سوال کیا۔

''جہاں وہ کام کرتے تھے وہاں سے تو ان کی معلومات مل سکتی تھیں۔''

''میری ماں سادہ سی عورت تھیں۔ ایک کتابوں کی دکان پر ان کی ملاقات ہوئی۔ ماں کا حسن اور معصومیت بے مثال تھی جبکہ بابا بھی چونکا دینے والی شخصیت کے مالک تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے میں کشش محسوس ہوئی۔ رسمی بات ہوئی، نانا کے گھر کا نمبر انہوں نے اس وقت نوٹ کر لیا جب امی بک شاپ کے سیلز مین کو کتاب کے سلسلے میں نمبر دے رہی تھیں کہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کتاب آتے ہی انہیں اطلاع دی جائے بس یہیں سے یہ برے انجام والی کہانی شروع ہوگئی۔ اپنی مرضی کی زندگی چن لینے والی میری ماں کو میرے باپ کے رشتوں، حیثیت اور پہچان سے کچھ غرض، کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ وہ تو بابا کی محبت میں پاگل پن کی حد تک جا کر گھر بار والدین، بہن بھائی سب چھوڑ چھاڑ کر آگئیں۔

مڈل کلاس میں اپنی عزت کے ساتھ جیتے ہوئے میرے نانا نے شرط رکھی تھی کہ گھر والوں کے ساتھ رشتہ لے کر آؤ جبکہ ان کے گھر والے کسی مڈل کلاس لڑکی کو بہو نہیں بنانا چاہتے تھے۔ شاید وہ گھر والوں سے لڑے ہوں گے لیکن محبوب سے ملن کی خواہش نے ماں کو باغی بنا دیا تھا۔ مڈل کلاس کی لڑکی جب باغی ہو جائے تو والدین کو اپنی عزت بچانی مشکل ہو جاتی ہے، ایسا ہی ہوا۔ ماں نے محبوب کو پالیا۔ والدین کو کھو دیا میرے باپ کو سر کا تاج سمجھنے والی روایتی بیوی جو شوہر کی مرضی کے بغیر سانس لینا بھی گناہ سمجھتی ہے میرے پوچھنے پر ماں نے بتایا تھا کہ بابا کچھ نہیں کرتے تھے بس جب ضرورت ہوتی پیسے ان کے پاس آجاتے تھے۔ امی کے استفسار پر وہ کہتے۔ ''میں آس پاس کے سارے گھر خرید سکتا ہوں اپنی بیٹی کو شہزادی اور تمہیں ملکہ بنا کر رکھ سکتا ہوں۔ بس کچھ دن اور انتظار کرو۔ وہ وقت قریب ہے جب میں تمہیں تمہاری راجدھانی میں لے جاؤں گا......اور......

اور ایک دن وہ ملکہ اور شہزادی فقیرنیاں بن گئیں اور بادشاہ سلامت خود گم ہوگئے۔'' وہ رونے لگی۔

میں تسلی کے دو بول کہنا چاہتا تھا لیکن وہ مجھ سے پہلے ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بول پڑی۔

''آپ کی والدہ، بہن اور زرینہ جی کو میں یہ ساری کہانی سنا چکی ہوں۔ آپ سے ہی اس موضوع پر بات نہ ہوسکی۔''

''اگر آپ کے بابا معافی مانگنے کے ساتھ آپ کو لے جانے کے لیے آئیں تو آپ انہیں معاف کر دیں گی؟''

میں نے یونہی پوچھ لیا۔ وہ پل بھر کے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''میں سمجھتی ہوں کہ پہلی بار جس احساس تحفظ نے میرے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ رکھا ہے وہ احساس تحفظ میرے باپ کی بانہوں میں بھی میرے لیے نہیں ہوگا۔ یہ گھر میرے لیے اک چھت ہی نہیں بلکہ گوشہ عافیت ہے۔ برسوں سے ہم ماں بیٹی نیند کے لیے ترس رہے تھے وہ مٹی کی بانہوں میں سکھ کی نیند سو گئیں اور میں اب تحفظ کی گود میں سر رکھ کر سوتی ہوں۔ میری بے خوابی صدیوں پر محیط ہے۔ ڈر اور درد کی ایک ڈراؤنی رات کا ایک ایک پل صدیوں پر پھیلا ہوتا ہے جوان لمحات میں جاگے ہیں انہیں ہی اس اذیت کا اندازہ ہوتا ہے۔''

''میں کبھی آپ جیسے محسن کا شکریہ اس طرح نہیں ادا کرسکوں گی جیسا مجھے کرنا چاہیے۔''

میں یہ سب سن کر شرمندگی سے سر کھجانے لگا۔

''میری تربیت میں والدین نے انسانی ہمدردی کے سبق اتنے شامل کیے ہیں کہ کئی بار دھوکے بھی کھا چکا ہوں لیکن کبھی کسی کی مدد سے بھاگا نہیں ہوں۔ مزے کا قصہ سناتا ہوں۔

''ایک بار ایک فقیر ملا اور اس طرح بھوک کی فریاد کی کہ میں نے اپنا والٹ خالی کر دیا۔ گروسری شاپ سے دو تین ماہ کا سودا سلف خرید کر ٹیکسی میں رکھا اور دلی خوشی محسوس کرتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ اسے بیٹھا کر ہاتھ ہلاتے ہوئے رخصت کیا۔ اچانک یاد آنے پر کہ والٹ بھی کاؤنٹر پر بھول آیا ہوں، گاڑی واپس موڑی تب حیرانی سے دیکھا کہ وہی ٹیکسی ڈرائیور اور فقیر وہیں کھڑے ہیں۔ اتنی جلدی تو واپسی ناممکن تھی، میں نے صورت حال جاننے کے لیے تحقیقات شروع کی۔ تب چپکے سے ایک سیلز مین نے پوری کتھا سنائی کہ وہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں کسی ہمدرد انسان کو گھیر گھار کر سودا کم داموں پر واپس ہمیں دے کر جوئے کے لیے نقد پیسے لے لیتے ہیں۔''

وہ میری بات سن کر بے ساختہ ہنس دی۔ میں نے دھوپ چھاؤں کے اس منظر کو دلچسپی سے دیکھ کر سوچا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"کس قدر دکھی ہے یہ لڑکی اللہ کرے کہ اسے کوئی اور مخلص ساتھی مل جائے۔" جو اس کے زخموں کے ے مرہم بن جائے۔ کہیں اندر سے آواز آئی۔

"تم بھی تو سچے اور مخلص ہو۔"

"پھر تم کیوں نہیں؟" خود کو ڈانٹ کر میں نے جھٹکتے ہوئے زرینہ کے بارے میں سوچنے کی وری کوشش شروع کردی۔

☆☆☆

"سچ بتاؤں تو میں بے حد خوش ہوں نازو!" ں زرسانگہ کے کمرے میں کسی کام سے آ رہا تھا وازے پر ابھی دستک کے لیے ہاتھ بڑھا ہی تھا کہ ں کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔ وہ اپنی سہیلی ے بات کر رہی تھی۔

"تم تو جانتی ہو کہ خاندان میں رشتوں کی ریلی روایات نے کتنی ہی زندگیوں کو چاٹ رکھا ہے۔ اگر ایمل خان لالہ زرینہ سے رشتے کے لیے ضی نہ ہوتے تو میں عمر بھر اپنی محبت کا سوگ مناتی تی کیونکہ میں بچپن سے عادل خان سے محبت کرتی ئی ہوں۔" میں ساکت سا سن رہا تھا۔

"چچی جان نے صاف کہا تھا کہ ہم عادل خان ا رشتہ خاندان میں وہیں کریں گے جہاں زرینہ کے ساتھ ادلا بدلا ہوگا۔" دوسری طرف سے کچھ کہا جا ہا تھا۔

"یقین کرو ایمل لالہ جب شاہ بانو کے ساتھ ھر میں داخل ہوئے تو میں مرنے والی ہوگئی تھی کہ ہیں یہ لڑکی ان کی محبت نہ ہو اور میری پوری زندگی باد نہ ہو جائے۔ بے شک شاہ بانو بھی بہت اچھی کی ہے لیکن زرینہ سے شادی میری محبت کے ملنے کے لیے بہت ضروری تھی، اس لیے جب انہوں نے لہا کہ یہ فقط ہمدردی ہے تب میری جان میں جان ئی۔"

میں وہاں سے ہٹ گیا اور عجیب سی کیفیت کا کار گم صم سا، گھبراہٹ کے شکار وجود دل کو بہلانے کے لیے باہر نکلا ہی تھا کہ لاؤنج سے آتی آوازوں نے قدم روک لیے۔ آج ہی سارے انکشافات ہونے ضروری تھے، کیا ڈرامائی قسم کی سچویشنز بن رہی تھیں۔ خدایا مزید کوئی جان لیوا انکشاف نہ ہو میں نے دعا کے ساتھ ساتھ اندر سے آتی آوازوں پر بھی کان رکھے۔

"شاہ بانو! سچ سچ بتاؤ تم نے کسی سے محبت کی ہے؟" وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھی تھیں کہ میں دروازے پر رک گیا۔ زرینہ کی بات کا جواب سننے کے لیے، وہ دونوں اکٹھی نظر آتی تھیں۔ کبھی وہ زرینہ کے بالوں میں تیل لگا رہی ہوتی، کبھی دونوں دھوپ میں بیٹھی کینو کھا رہی ہوتیں اور اکثر لاؤنج میں بیٹھ کر بحث و مباحثہ کر رہی ہوتیں۔ کبھی کبھی زرسانگہ بھی ساتھ ہوتی۔ میں نے سننے کی کوشش کی وہ کچھ کہہ رہی تھی

"ہاں۔ محبت اگر عقیدت کی مٹی سے اگتی ہے تو میں نے محبت کی ہے ورنہ وہ عشق و عاشقی میرا مزاج کبھی نہیں رہا جو فلموں ڈراموں میں دیکھتی ہوں۔" وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔

"کون ہے وہ جس سے عقیدت بھی ہے اور محبت بھی؟" میرا سارا وجود سماعتوں میں ڈھل گیا تھا۔ دھڑکنیں ڈوبنے لگی تھیں۔ مجھے خود پر حیرانی ہونے لگی، ایسا کیوں ہے کہ میں ٹین ایجرز کی طرح جذباتی ہو رہا ہوں۔

"بولو نا یار کون ہے وہ؟" زرینہ نے اصرار کیا۔

"اس کا نام بتادوں گی لیکن وعدہ کریں آپ برا نہیں مانیں گی...... کہیں آپ بلا وجہ مجھ سے بدگمان نہ ہو جائیں۔" وہ کیا کہہ رہی تھی میری طرح شاید زرینہ بھی الجھ گئی تھی۔

"میں کیوں برا مانوں گی۔ اس سب میں میرا ذکر کہاں سے آگیا؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کے اور ان کی رشتے کی بات چیت چل رہی ہے اور یقیناً آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ سچے بھی ہیں، اللہ یہ جوڑی سلامت رکھے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہمیشہ۔"

میری تمام حسیات جاگ چکی تھیں، اگلے الفاظ سننے کے لیے سمجھنے کے لیے۔

"بے فکر ہو جاؤ مجھے کوئی شوق نہیں ابھی کسی بھی بندھن میں بندھنے کا...... حال دل بتا دو تو مجھے بھی سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔" زرینہ کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی جسے فقط میں ہی محسوس کر سکا۔ وہ بھی سمجھ چکی تھی جو میں سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا۔

"ایمل خان ہے وہ شخص۔" وہ لرزتے لہجے میں کہہ کر چپ ہو گئی۔ میں، وہ اور زرینہ ہم تینوں ساکت تھے، کئی پل اس خاموشی کی نذر ہو گئے۔ مجھے ان دونوں کی اندرونی کیفیات کی خبر نہ تھی لیکن میرا دل تو اتنا شور کر رہا تھا کہ مجھے اس کی شوریدہ سری سے ڈر لگنے لگا۔

"یہ محبت ہے یا عقیدت؟" زرینہ تصدیق کر رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا...... لیکن جب جب مجھے وہ لمحہ یاد آتا ہے جس لمحے وہ میری ماں کو اسپتال لے گئے تھے تو میری روح بھی ان کی شکر گزاری کے احساس سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ آپ نہیں جان پائیں گی بلکہ کوئی بھی نہیں جان پائے گا کہ جب میری کل کائنات مجھے ہمیشہ کے لیے یہ احساس پشیمانی دے کر جانے والی تھی کہ میں انہیں ڈاکٹر تک بھی نہیں پہنچا سکی تب وہ فرشتہ بن کر آئے تھے تو میرا جی چاہتا ہے اپنی چمڑی کے جوتے بنا کر ان کے پاؤں میں پہنا دوں۔ میرے دامن میں خوشیوں کے پھول نہیں لیکن کاتب تقدیر نے اگر ایک پل بھی خوشی کا میرے مقدر میں لکھ رکھا ہے تو میں وہ انہیں دینا چاہوں گی۔"

میں نے اپنے ساکت وجود میں موجود دھک دھک کرتے دل پر ایک ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کو تھام لیا۔

کوئی ایسی محبت بھی کر سکتا ہے کسی سے؟ کوئی ایسی عقیدت بھی رکھ سکتا ہے کسی انسان کے لیے؟

میں نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔ زرینہ نے اسے گلے سے لگا لیا تھا اور اس کی کمر کو تھپکتے ہوئے خاموش تسلی دے رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ پرسوچ انداز میں خلا میں گھورے بھی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اور اس دن وہ ہو گیا جو ہم میں سے کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔ ڈاکیہ لفافہ دے گیا جو زرولی نے بابا کو پکڑا یا اور بابا بغور کبھی لفافے کو اور کبھی سامنے بیٹھی شاہ بانو کو دیکھے جا رہے تھے۔

"شاہ بانو شہاب احمد! بیٹا آپ کے بابا کا مکمل نام کیا؟" بابا نے زیر لب دہرایا تو وہ چونک گئی۔ "یہ کچھ کاغذات آئے ہیں یونیورسٹی کی طرف سے، شاید رول نمبر ہے۔" لفافہ بابا کے ہاتھ میں تھا اور وہ پرسوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بتا رہے تھے۔

"جی۔ انکل ان کا نام سید شہاب احمد شاہ ہے۔" وہ حیران تھی بلکہ ہال میں بیٹھے سبھی لوگ اس سوال کی وجہ جاننا چاہتے تھے۔

بابا شاہ بانو کی بات سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"اوہ تو میرا شک ٹھیک ہی نکلا؟" ان کی بات نے سب کو چونکا دیا۔

"پہیلیاں نہ بجھوائیں خان جی...... مجھے تو تجسس ہو رہا ہے۔" بیوی کی بات سن کر وہ دھیمے لہجے میں کچھ کہنے لگے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" وہ سر ہلانے لگیں۔

"ادھر آؤ شاہ بانو بیٹی۔"

وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی میں نے تخت پر بیٹھی زرینہ کی طرف دیکھا جو خود بھی الجھی ہوئی تھی۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے ایک سوال مجھے اکثر الجھن میں ڈالے رکھتا تھا کہ میں نے تمہیں پہلے کہاں دیکھ رکھا ہے؟ مجھے پہلے تو شک تھا لیکن اب یقین آگیا ہے۔ تمہاری شکل بالکل ان جیسی ہے۔ وہی آنکھیں، وہی بال اور وہی تیکھے نقوش۔ تم یقین

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کر و بیٹا بولنے کا انداز اور لہجہ بھی ان جیسا ہے۔'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''میں سمجھی نہیں انکل! کس جیسا؟ کون ہیں وہ۔ پلیز بتائیں نا؟'' وہ پریشان تھی۔

''بتاتا ہوں بیٹی!'' بابا کے پوچھنے پر وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

سب دم سادھے بیٹھے تھے کسی انکشاف کے منتظر ''اب کون سا انکشاف ہونا ہے۔''

میری نظروں کا مرکز اس کا اجلا چہرہ تھا۔ وہ بے خیالی میں ہونٹ کاٹتی ہوئی معصوم لڑکی سیدھی دل میں اترے جا رہی تھی۔ اس دن کے اعتراف کے بعد تو میں ہواؤں میں اڑنے لگا تھا خواہ مخواہ ہی ہنسنے بولنے کو دل کرتا تھا۔ بیٹھے بیٹھائے آپ کو خزانہ مل جائے، وہ خزانہ جس کی تلاش ہی کئی لوگوں کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے وہ خزانہ جس کا ہر موتی نایاب ہوتا ہے جسے کوئی خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ابھی میں بس اس کیفیت کا لطف لے رہا تھا۔ کچھ بھی اور سوچ کر میں اس خوشی میں دکھ کی آمیزش نہیں کرسکتا تھا، بابا بول رہے تھے۔

''سید عنایت علی شاہ علاقے کی بہت بڑی اور با اثر شخصیت کا نام...... ان کے دو بیٹے تھے جو بہت اچھے کردار کے مالک خوب صورت اور پڑھے لکھے بھی تھے۔

گاؤں کے لوگ ان کے گدی نشین باپ کی وجہ سے ان کی بہت عزت کرتے۔

ان دونوں میں سے سید شہاب احمد شاہ بڑے تھے اور گدی کے متوقع وارث بھی وہی تھے۔

مشہور ہے کہ ایک دن وہ شہر سے واپس حویلی آرہے تھے کہ راستے میں ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ ٹرک نے ٹیکسی کے ساتھ انہیں بھی کچل دیا۔ ان کے گھر اطلاع آئی اور باپ جن کے ان کے ساتھ اختلافات چل رہے تھے، وہ جوان بیٹے کی حالت دیکھ کر ہارٹ اٹیک سے نہ سنبھل سکے۔ اڑتی ہوئی سی خبریں تو گاؤں میں عرصہ دراز سے پھیلی ہوئی تھیں کہ شہاب شاہ اور ان کے والد کے درمیان جنگ جاری ہے کیونکہ انہوں نے باپ اور بھائی کی مرضی کے خلاف جا کر اپنی پسند سے کسی غیر سید اور غریب لڑکی سے شادی کی ہوئی تھی۔ ایک ہی دن میں شاہ صاحب اور ان کے بیٹے کے جنازے اکٹھے گاؤں سے اٹھے تو سارا گاؤں رو رہا تھا۔

کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ شہاب شاہ کی بیوی کا کیا بنا؟ بہت عرصے تک لوگ ان کی موت کا افسوس کرتے رہے تھے۔ میرے بابا اور شاہ صاحب کے درمیان عقیدت کا رشتہ تھا۔ وہ شاہ صاحب کے مرید تھے اور ہمارا گھرانہ ان کی بہت عزت کرتا تھا اور ان کے بڑے بیٹے شہاب شاہ سے میری اچھی خاصی دوستی تھی۔ وہ عموماً گاؤں کے لوگوں کی شادی غمی میں ضرور شریک ہوتے تھے اور جب بھی کہیں ملتے تو بحیثیت ایک دوست مجھ سے اپنی بیوی اور بچی کا ذکر کرتے تھے اور افسوس بھی کہ جانے کب وہ اپنی بیوی اور بچی کو لے کر گھر آسکیں گے؟

میں انہیں تسلی دیتا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... لیکن''

وہ چپ ہوگئے تو شاہ بانو تیزی سے اٹھی اور ان کے قدموں میں فرش پر بیٹھ کر بے قراری سے بولی۔

''جو میں سمجھ رہی ہوں وہ ہی سچ ہے نا۔ یہ کہانی میرے باپ کی ہے؟'' وہ تصدیق چاہ رہی تھی بابا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بیٹی! آپ کی شکل ہو بہو اپنے باپ پر گئی ہے۔

یہاں تک کہ یہ ٹھوڑی کا تل بھی ان کے جیسا ہے۔'' بابا کے لہجے میں احترام در آیا تھا۔

وہ سسکنے لگی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں...... میں یتیم ہوں؟ اور میرے باپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سارا قصور قسمت کا تھا۔ کاش کہ میری ماں کو یہ سب پتا لگ جاتا وہ خود کو ان سے چھپا کر نہ رکھتے اور ان کے دل میں بابا کی بے وفائی اور اپنے غلط فیصلے کی جو کسک تھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وہ نہ ہوتی۔ یہی کسک تو ان کے دل کو کھا گئی۔ یہی غم تو ہمہ وقت ان کی روح کو چاٹتا رہا دیمک کی طرح وہ کبھی کھل کر ہنستی نہ تھیں۔ قسمت جوان پر ہنس رہی تھی۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''پلیز انکل مجھے مزید بتائیں نا...... کہاں ہیں فیملی کے باقی لوگ؟ اور میرے چچا کہاں ہیں؟ کیا کوئی اور بھی ہے اس فیملی میں؟'' وہ شدید اضطراب بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''اوہ تو آپ شاہ صاحب کی پوتی اور شہاب شاہ کی بیٹی ہیں؟'' ماں اپنی جگہ سے اٹھ کر شاہ بانو کے قریب آ گئیں اور دونوں شانوں سے پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔ بابا نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

''بیٹا زریاب احمد شاہ آپ کے چچا ان کا انتقال بھی کچھ عرصہ پہلے ہو چکا ہے۔ وہ بھی اچھے انسان تھے۔ باپ اور بھائی کی موت کے بعد عین جوانی میں ہی گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ دولت جائداد سب کچھ تھا لیکن وہ اپنے دکھ سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ مریدین ان کی ایک جھلک کے لیے پورا پورا دن در پر بیٹھے رہتے لیکن وہ باہر نہیں نکلتے تھے۔ ان کی شادی اپنی خالہ زاد سے ہوئی اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے۔''

''وہ کب فوت ہوئے اور کیسے؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''ان کی موت کا سبب بھی ہارٹ اٹیک ہی بتایا جاتا ہے۔ ہمیں ایک دن خبر ملی اور جنازے میں شرکت کی تو ان کے بیٹے کو بھی دیکھا۔ وہ اب تو ماشاء اللہ جوان ہے اور سنا ہے اپنی آبائی حویلی میں وہ ماں اور بیٹا رہتے ہیں باقی۔۔ بہت دنوں بعد گاؤں جانا ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی خبر مل جاتی ہے ان کی۔''

وہ رو رہی تھی۔

''ان رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی میں اور میری ماں کیسے کیسے حالات سے لڑتی رہیں اب خبر ملی بھی تو نہ باپ نہ چچا نہ دادا رہے۔'' سب اسے ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔

زرمینہ قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے خاموش تسلی دے رہی تھی۔

''انکل! میں وہاں جانا چاہتی ہوں، ان سے ملنا چاہتی ہوں جو باقی رہ گئے ہیں اور در و دیوار سے لپٹی ان کی یادوں سے بھی ملنا ہے کہ شاید وہ میرے لیے کوئی پیغام چھوڑ گئے ہوں۔ کوئی حرف تسلی کوئی پیغام محبت و شفقت۔'' اس کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔

ماں نے چائے کا کپ اسے پکڑایا۔

''کل گاؤں چلتے ہیں ہم سب بھی۔ ٹھیک ہے نا؟'' بابا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

ایک طویل کہانی کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ شاہ بانو کی چچی اور اس کے چچا زاد بھائی ادریس احمد شاہ نے اسے روک لیا

''یہ حویلی اس بچی کی بھی ہے بھائی صاحب۔ ہمیں جیٹھ جی نے یہ تو بتا رکھا تھا کہ ان کی بیٹی شاہ بانو شہاب شاہ انہیں بہت عزیز ہے...... لیکن وہ ماں بیٹی کا پتا نہیں بتاتے تھے۔

ان کی اچانک موت کے بعد ہم نے اور شاہ صاحب نے آپ دونوں کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں ہماری کھوئی ہوئی بیٹی سے ملا دیا ہے۔''

الماس شاہ بہت نرم خو اور شفیق شخصیت کی مالک تھیں، اس لیے میرے علاوہ سب ہی بہت مطمئن ہو کر اسے اس کی چچی کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

ادریس احمد شاہ بھی بہت سلجھا ہوا انسان لگ رہا تھا اور شاہ بانو تو جیسے کھل سی گئی تھی۔ وہ انسانوں کے ساتھ ساتھ در و دیوار کو بھی محبت اور عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

''شاہ بانو! بہت ساری دعائیں آپ کے

لیے۔ میرا نمبر ہے آپ کے پاس ہے جب بھی کوئی ضرورت پڑے بلا تکلف مجھے آواز دے سکتی ہیں۔"
میں نے رخصت کے وقت کہا تو وہ مسکرادی

"دعا کیجیے گا کہ مجھے کسی کو بھی آواز نہ دینی پڑے۔" اس کی اداس آنکھوں میں پہلی بار خوشی کی چمک دیکھی تو حیرانی ہوئی کہ ہر رنگ، ہر روپ اس پر سجتا ہے خوشی ہو یا اداسی۔

زرمینہ نے شوخ لہجے میں کہا۔ "ارے آپ تو سید زادی ہیں۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہم گناہ گاروں کی بخشش ہو جائے۔" زرمینہ کے اس طرز تخاطب پر وہ شرمندہ ہوئی۔

"آپ تو مجھے تم کہہ کر مخاطب کرتی تھیں، اب ایک دم سے اجنبیت والا انداز؟"

سب ہنس دیے۔

"آپ ہمارے بابا کے مرشد کی اولاد ہیں۔ ہم پر آپ کا احترام فرض ہے سمجھیں؟"

وہ زرمینہ کا ہاتھ تھام کر شکر گزار لہجے میں بولی۔

"زرمینہ جی! جب میں اک بے سہارا اور ناقابل اعتبار لڑکی آپ لوگوں کے در پر پناہ کے لیے گئی تھی...... تو آپ لوگوں نے اس وقت بھی مجھے وہ احترام دیا ہے جو مرشد کی بیٹی کو دیا جاتا ہے...... ورنہ میں خود کو کبھی بھی نہ پہچان پاتی۔ آپ لوگوں نے مجھے میری پہچان دی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کرسکتا ہے کوئی کسی کے لیے؟"

"الماس شاہ بی بی! ہماری بیٹی کا خیال رکھیے گا۔ یہ ہمیں بہت عزیز ہے اور سچ کہیں تو ہمارے گھر کا حصہ بن گئی تھی یہ بچی۔ ہم کس دل سے اسے یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں یہ ہمیں ہی خبر ہے۔" میری ماں نے اپنے احساسات بیان کردیے تھے، مجھے ان پر رشک آرہا تھا کہ وہ جو محسوس کرتی ہیں وہ بیان بھی کر سکتی ہیں ایک میں تھا جسے واپسی کے سفر میں اک بے نام اداسی سے پیچھا چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگ رہا تھا اپنا کوئی حصہ یہاں چھوڑ کر جارہا ہوں۔

"یہ ہماری بیٹی ہے اور ہم اسے بیٹیوں والے مان سے ہی یہاں رکھیں گے۔ یہ گھر جتنا ہمارا ہے اتنا ہی شاہ بانو بی بی کا بھی ہے اور ہم حق دار کا حق دے کر ہی سرخرو ہوسکتے ہیں۔" الماس شاہ نے انہیں جواباً کہا تو وہ بھی مسکرادیں۔

"کتنی خوش تھی نا شاہ بانو۔" میں سوچوں میں گم تھا کہ مجھے زرمینہ کی آواز نے چونکا دیا۔

"ہاں خوش تو بہت تھی۔" میرا انداز بجھا ہوا تھا۔

"بہت بڑی جائیداد ہے شاہ صاحبان کی جس کے دو ہی وارث رہ گئے ہیں۔ ایک ادریس شاہ اور دوسری ہماری شاہ بانو بی بی۔" بابا نے بتایا تو میں سوچنے لگا۔

"کیسے پل بھر میں بندہ ککھ سے لکھ ہوجاتا ہے جیسے شاہ بانو بی بی جبکہ...... ابھی کبھی لکھ سے ککھ بھی ہوجاتا ہے بندہ۔ جیسے میں یعنی کہ ایمل خان۔" میں نے اپنے خالی ہاتھ اور خالی دل کو دیکھا اور اک ٹھنڈی آہ بھر کر ڈرائیونگ کی طرف توجہ مرکوز کردی۔

☆☆☆

میرا قرار ختم ہوچکا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے میری سماعتوں میں اس کا اعتراف محبت و عقیدت رس گھولتا رہتا تھا جبکہ آنکھیں اس کی ایک جھلک کے لیے بے چین رہتیں۔

کبھی وہ کچن سے چائے کی پیالی پکڑے نکلتی نظر آتی اور کبھی وہ لاؤنج میں رکھے چنیوٹی جھولے پر بیٹھی کتاب کے مطالعے میں کھوئی نظر آتی۔۔۔ کبھی ماں کے تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے انہیں اخبار سناتی نظر آتی اور کبھی کبھی باہر لان میں واک کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں گنگناتی۔ میں پوری کوشش کے بعد بھی نہ سن پایا تھا کہ وہ کون سا گیت گنگنایا کرتی تھی۔

"اس قدر بے چین کیوں ہیں؟"

زرمینہ سامنے کھڑی تھی۔

"اچھا بے چین ہوں؟ مجھے تو نہیں لگ رہا کہ ایسا بھی کچھ ہے۔" میں نے سرسری سے انداز میں کہا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تو وہ ہنسنے لگی۔
"چلیں چھوڑیں یہ کہانی پھر سہی؟" وہ اپنے ناخنوں پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔
"سب کہہ رہے ہیں کہ منگنی کی تقریب کو چاروں کے نکاح میں بدل دیتے ہیں۔ اس طرح آپ کا اور زرسانگہ کا بھی باہر جانا آسان ہو جائے گا۔ کاغذات آسانی سے اور جلدی بن جائیں گے۔"
وہ عام سے انداز میں بولی۔
"کیا مطلب؟" میں پوچھا۔ وہ میری طرف چند پل سپاٹ سے انداز میں دیکھتی رہی۔
"بزرگوں کے کسی فیصلے سے میں کبھی انکار نہیں کرتی، اس لیے اس بار بھی سر تسلیم خم کر رہی ہوں۔"
"مجھے نہیں لگتا کہ میں بھی کبھی ان کے کسی فیصلے سے انحراف کر سکوں گا۔" وہ میرے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی، موسم ہلکا سا خنک تھا اور ہم دونوں لان میں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔
"مطلب یہ ہوا کہ یہ آپ کے لیے سر پر مسلط ایک ایسا فیصلہ ہے جس سے اختلاف کی آپ میں ہمت ہی نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورا۔
"یہ سب کہہ کر آپ اپنی بھی توہین کر رہی ہیں۔"
میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ حیرانی سے بولی۔
"اپنی توہین...... کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ کیا تم خود کو اتنا کمتر سمجھتی ہو کہ میں تم سے شادی مجبوری میں کر رہا ہوں؟"
میں نے وضاحت کی۔
"نہیں۔ بعض اوقات پرانی چیزوں سے وہ محبت ہوتی ہے انسان کو کہ اس سے قیمتی سامان کے لیے بھی جگہ خالی نہیں کر سکتا۔
مجھے لگتا ہے کہ میرے لیے بھی جگہ خالی نہیں ہے۔" پل بھر کے لیے میری رنگت متغیر ہوئی تھی لیکن اگلے ہی پل میں نے خود پر قابو پالیا تھا۔
"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے شاید۔"
میرے کہنے پر وہ کھڑی ہوگئی۔
"خدا کرے غلط فہمی ہی ہو۔" میں بھی کھڑا ہوگیا۔
"سب کہتے ہیں کہ ہمیں نکاح کی شاپنگ ساتھ کرنی چاہیے...... تو کب چلیں پھر؟"
میں نے اس سوال پر ماتھے پر آئے پسینے کو چپکے سے صاف کیا۔
"تم جب کہو، چلتے ہیں؟" وہ مسکرا کر سر ہلاتی اندر کی طرف بڑھی۔
"سنو!" میں نے اسے روکا۔ وہ میری طرف پشت کیے کھڑی تھی۔
"تم خوش تو ہونا اس رشتے پر۔" وہ پلٹی اور سیدھا میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔
"بہت جلدی خیال آگیا۔ میرے جذبات جاننے کا؟ جانے کیا تجسس ہوتا ہے، کون سی حس کی تسکین کے لیے عورت کے منہ سے اعتراف سننا چاہتے ہیں۔ ایک لڑکی کا اعتراف سننے کے بعد بھی آپ کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوا تو...... مجھے کیا پڑی ہے آپ کے سامنے اعتراف کرنے کی؟" اس نے شاید اس دن مجھے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ لیا تھا اور اسی لیے وہ شاہ بانو کو کریدتی رہی تھی تاکہ میں اس کے دلی جذبات سے آگاہ ہو جاؤں۔
"وہ محض احسان مندی کے جذبات تھے۔"
میں نے جانے کس کو مطمئن کرنا چاہا خود کو یا زرمینہ کو۔
"آپ کو بہت سمجھ ہے نا جذبات کی اقسام کی؟" وہ جانے کیا چاہ رہی تھی۔
"میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ہوگا وہی جو ہمارے بڑے چاہیں گے۔ ایسے آزاد ملک میں رہ کر جب تم بڑوں کے ہر فیصلے پر سر تسلیم خم کر سکتی ہو تو میں کیونکر ایک لڑکی کے احسان مندی کے جذبات سے متاثر ہو کر بڑوں کے فیصلوں کی دیواروں سے سر ٹکرا کر خود کو زخمی کرتا؟"
"صرف لڑکی کے جذبات؟ میں جو دیکھ رہی

ہوں وہ آپ کی نظر سے کیوں پوشیدہ ہے، یہاں بات صرف شاہ بانو کی ہوتی تو میں نظر انداز کر دیتی لیکن یہاں بات اس مرد کی ہے جسے میری زندگی کا ساتھی بننا ہے۔"

وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور سنیں ایمل خان صاحب! زخموں سے ڈرنے والے لڑتے نہیں بلکہ ہتھیار ڈال دیتے ہیں بعض اوقات تو کمزور دشمن کے سامنے بھی۔"

میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"مقابل دشمن نہ ہوں بلکہ اپنے ہوں تو ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔"

وہ میری اڑی ہوئی رنگت کا جائزہ گہری نظروں سے لیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"یہ آخری فیصلہ ہے آپ کا؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم فیصلے نہیں کرتے فیصلوں پر سر جھکاتے ہیں۔"

وہ دونوں بازو سینے پر لپیٹے مجھے دیکھتی رہی۔

"چلیں فیصلے کا مکمل اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اب بتائیں انتخاب کون ہوگا۔ احسان مند لڑکی یا گھر والوں کی پسند لڑکی؟" میں اسے دیکھنے لگا۔ دل کو ٹٹولا اور پھر آہستہ سے کہا۔

"یقیناً تم ہی میری پسند اور انتخاب ہوگی۔"

وہ واپس چل دی اب بھی اس اعتراف کے بعد بھی اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"مجھے یقین کیوں نہیں آتا؟ جب وہ اس قدر شدت سے آپ کو چاہتی ہے تو یہ سب یک طرفہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ شدت کسی اور کے جذبات میں ہو۔" وہ جاتے جاتے پل بھر کے لیے قدموں کو رکنے سے روک نہ پائی۔ واپسی کے رستے پر قدموں کی آہٹ بتا رہی تھی کہ ان میں تیزی نہیں شاید واپسی کے سفر میں ہمیشہ یہ ہی ہوتا ہے کہ منزل ساری انرجی چھین لیتی ہے اس لیے واپسی کا سفر اداسی سے طے کیا جاتا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ مڑ کر دیکھنے پر پابندی ہو کیونکہ مڑ کر دیکھنا پتھر کا کر دیتا ہے۔

☆☆☆

وہ جب سے گئی تھی میں زرسانگہ اور زرینہ سے اس کے متعلق پوچھنا چاہ رہا تھا کہ وہ کیسی ہے۔ ہمیں یاد بھی کرتی ہے یا نہیں۔ اسے وہاں کا ماحول کیسا لگ رہا ہے یا اسی طرح کی کوئی بھی خبر جو اس کے متعلق ہو لیکن کوئی اس کا ذکر ہی نہیں کر رہا تھا۔

"زرینہ اور تم دونوں جا کر شاہ بانو بی بی کو لے آؤ...... اب تو نکاح میں چند دن رہ گئے ہیں۔" بالآخر بابا کو خیال آیا۔

زرسانگہ نے ساتھ چلنے کی ضد کی مگر اس کے پیپرز چل رہے تھے، اس لیے اسے گھر میں رکنا پڑا ساری تیاریاں مکمل تھیں سب بہت خوش تھے...... سوائے میرے...... لیکن میری ناخوشی سب سے چھپی ہوئی تھی خود مجھ سے بھی۔ مجھے اپنی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں خوش کیوں نہیں ہوں؟ یا خوش ہوں تو وہ انبساط کا احساس رگ و پے میں کیوں نہیں دوڑ رہا؟ شاید اس لیے کہ وہاں اداسی دوڑ رہی تھی۔

"اگر ان لوگوں نے اسے اجازت نہ دی تو پھر؟" میرے سوال پر بابا نے مجھے گھورا۔

"وہ خاندانی خاتون ہیں بڑی وسیع القلب اور نرم خو بھی۔ ان کا بیٹا بھی بہت نیک اور ایمان دار لڑکا لگ رہا تھا۔ وہ بخوشی ہماری بیٹی کو اجازت دیں گے فنکشن میں شمولیت کی۔" بابا کی بات پر میں نے سر ہلایا۔

"زرینہ! تم سے تو فون پر بات ہوتی ہوگی؟"

"میں دوسرے دن سے ہی ٹرائی کر رہی ہوں فون بند جا رہا ہے مسلسل۔" وہ کچھ توقف کے بعد بولی تو مجھے تشویش ہوئی۔

"تم نے بتایا بھی نہیں؟"

"کیا کہتی ایک احسان مند لڑکی کے بند فون

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سے آپ کو کیا فرق پڑنا تھا؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

میں چپ رہا۔

''وہ یقیناً پچھلی تلخ یادیں بھلانا چاہتی ہو گی۔'' اس کی بات پر میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مطلب ہم اس کے لیے تلخ یاد ہیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' میں نے بات بدلی۔

'' کارڈ پسند آئے تمہیں؟'' میں نے بات بدلی۔

'' جی بہت حسین ہیں۔ زرسانگہ اور عادل بھائی کا نام تو ٹھیک ہے لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اگر نکاح کے کارڈز پر میرا نام نہ بھی لکھا ہوتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔'' وہ کارڈ پر نظریں گاڑے بولی تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں فرق نہ پڑتا؟''

'' کیونکہ نکاح تو آپ کا نہیں بڑوں کا فیصلہ ہے لڑکی کا نام کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ نکاح انتخاب نہیں امتحان کہہ سکتے ہیں آپ کی سعادت مندی اور تابع داری کا۔''

اس کے انداز میں کچھ تھا جو مجھے مزید اداس کر گیا۔

''ہمارے ہاں یہی ہوتا آیا ہے ہمیشہ سے۔''

'' میرے بابا نے مما سے پسند کی شادی کی تھی اور سننے میں آیا ہے کہ کئی سال پہلے آپ کے والدین کی شادی بھی باہمی پسند سے ہوئی تھی۔''

میں لاجواب ہو گیا۔

''اک مخصوص دائرے میں رہ کر ہی پسند ناپسند کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔'' میری وضاحت پر وہ طنزیہ انداز میں ہنس دی۔

''تو دائرے سے نکلے بغیر اسے بڑا بھی تو کر سکتے ہیں۔'' وہ شروع سے عجیب تھی لیکن اب تو اور ہی طرح کی باتیں کر رہی تھی۔

'' کچھ پھول اور مٹھائی خرید لیں شاہ بانو کے لیے...... بندہ خالی ہاتھ ہو بھی تو لگنا نہیں چاہیے۔'' وہ بات بدل کر بولی۔

'' میں خالی ہاتھ نہیں ہوں زرینہ! بڑوں کا بھروسا اعتبار اور مان ہے میرے پاس۔''

وہ مسکرائی۔

''لیکن محبت تو نہیں جو زندگی کے سفر میں زادراہ ہوتی ہے۔''

''ہو ہی جائے گی کبھی محبت بھی۔''

''وہ جو ہو جاتی ہے، وہ عادت ہوتی ہے محبت نہیں۔ چلیں آپ نے یہ تو مان لیا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

میں نے گاڑی روکی، بکے اور مٹھائی لے کر واپس آیا تو وہ ابھی تک کارڈ کھولے بے خیالی سے دیکھ رہی تھی۔

''جاتے ہی اسے کارڈ نہیں دینا کچھ وقت چاہیے ہوتا ہے بندے کو سنبھلنے میں۔ لڑکیاں مردوں کی طرح مضبوط نہیں ہوتیں۔''

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''یہ تمہاری خام خیالی ہے زرینہ کہ ہم دونوں کے درمیان ایسا کچھ ہے، اس نے بھی جو کہا وہ اندھی عقیدت تھی محبت نہیں۔''

وہ چپ رہی۔

''میں تھوڑے پر گزارا کر لیتی ہوں لیکن یہ یقین کہ جو بھی ہے صرف میرا ہے۔ بہت ضروری ہوتا ہے میرے لیے۔''

''مجھ پر یقین رکھو۔'' میں نے نظریں چرا کر کہا۔

''پہلے خود پر تو یقین کریں پھر کسی کو یقین دلائیں۔ یقین ان کا آتا ہے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں۔''

شاہ بانو کا گھر آ گیا تھا۔ میں نے زرینہ کے ہاتھ میں بکے پکڑا دیا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

چوکیدار نے دروازہ کھولا وہ شاید نیا تھا یا مجھے پہچان نہ پایا۔

''آپ مرید ہو شاہ جی کے؟'' اس کے پوچھنے پر جانے کیوں میرا سر اثبات میں ہل گیا۔

زرینہ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

''وہاں بیٹھیں۔ شاہ صاحب ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد نکلیں گے۔'' اس نے برآمدے میں رکھی چارپائیوں کی طرف اشارہ کیا جہاں پہلے ہی کچھ لوگ براجمان تھے۔

''یہ کیوں؟'' وہ سوال کر رہی تھی۔

میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا زرینہ کے سوال کا، سرخ اینٹوں کے فرش پر کئی لوگ بیٹھے تھے کچھ چارپائیوں پر بھی تھے لیکن عقیدت اور احترام کا یہ عالم تھا کہ لوگ فرش پر بیٹھنا بھی سعادت سمجھ رہے تھے۔

''خدا کے لیے چھوڑ دو...... مجھ پر رحم کرو...... ہائے...... اللہ...... اف نہ مارو۔'' قریبی کمرے سے آتی یہ نسوانی چیخیں سننا میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ میرے ساتھ زرینہ بھی تڑپ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی ساتھ بیٹھے ایک باریش شخص نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''توبہ توبہ سید زادی ہیں لیکن جنات کا سایہ ہے ان پر...... ہم تو پھر گلہ ہی کیا کریں۔'' اس بزرگ کے ساتھ بھی ایک نازک سی لڑکی بیٹھی تھی جس کی آنکھ کے نیچے نیلا نشان تھا اور باقی چہرہ بھی اپنے ساتھ ہوئے تشدد کا گواہ تھا۔

''آپ کو کس نے کہا کہ سید زادی ہے اور جنات کا معاملہ ہے؟'' میں الجھتے ہوئے پوچھ رہا تھا تبھی چیخوں کی آواز تیز ہوگئی۔

''ایمل خان......! کہاں ہو...... مجھے یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے...... ایمل خان۔''

میں اچھل پڑا...... آواز کمزور ہوتے ہوتے بند ہوگئی۔ میرا نام بہت واضح سنائی دے رہا تھا۔ میرا وجود پتھر کا بت بن چکا تھا۔

زرینہ نے خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ اور جو کچھ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں وہ سمجھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

''پندرہ دن سے میں روز اپنی بچی کو لاتا ہوں ادریس شاہ جی کے پاس...... کہ ان کے سر سے جنات کا سایہ اتر جائے اور روز یہ بی بی اسی طرح ایمل خان کو آوازیں دیتی ہیں۔ گھر کے نوکر نے بتایا ہے کہ یہ بڑے شاہ صاحب کی پوتی اور شہاب شاہ صاحب کی بیٹی ہیں...... جو جن شاہ صاحب اتارتے ہیں۔ انہیں اس بڑے کمرے میں قید کر لیتے ہیں ان کی قید میں سے بھاگے ہوئے کسی جن نے بی بی صاحبہ کے وجود پر قبضہ کر لیا ہے جن بہت طاقت ور ہے۔ اس لیے تو روز تشدد ہوتا ہے ان پر مگر وہ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوا ابھی تک...... اور یہ روز یونہی آوازیں دیتی ہیں یہ ایمل خان بھی شاید ان پر بیٹھے جن کے کسی دوسرے ساتھی کا نام ہے۔'' وہ کیا کہہ رہے تھے میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے جسم سے جیسے جان نکل چکی تھی باوجود کوشش کے میرے پاؤں حرکت نہیں کر رہے تھے۔ میں پتھر کا ہو چکا تھا بنا پیچھے مڑ کر دیکھے ہی۔

''وہ...... وہ...... آپ کو ہی پکار رہی ہے۔ اب بھی اسے یہ امید ہے کہ آپ اسے درندوں سے بچانے کے لیے ضرور آئیں گے۔''

میرے مردہ وجود میں جیسے جان پڑ گئی میں مضبوط قدموں سے اٹھ کر گیٹ کے قریب آگیا۔

''جناب شاہ صاحب کس وقت تک آئیں گے؟'' میں نے چوکیدار سے پوچھا۔

''ان کا پتا نہیں چلتا کہ کس وقت تک نکلیں مرضی کے مالک ہیں جی۔''

میں نے جیب سے ہزار کا نوٹ نکال کر اسے پکڑایا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور چہرہ کھل سا گیا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''آو جی آؤ۔ ادھر بیٹھ جاؤ۔ میں ٹھنڈا پانی پلاتا ہوں آپ کو۔'' اس نے نارنجی کولر سے پانی کا گلاس بھر کر مجھے پکڑایا۔

''مجھے لگتا ہے، آپ کی بیوی پر بھی جنات کا سایہ ہے۔ وہ شوہدی کب سے گم صم بیٹھی ہوئی ہے۔'' اس نے زرمینہ کی طرف ہمدردی سے دیکھا۔

''یہ ابھی چیخیں کس کی تھیں؟'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا تو وہ جواباً رازدارانہ انداز میں بولا۔

''یہ شاہ صاحب کے چچا کی بیٹی ہیں، ان کے چچا نے چھپ کر شادی کرلی تھی اب برسوں بعد جائداد کی وارث بن کر آگئی ہیں۔ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ادریس شاہ صاحب ان سے نکاح کرلیں اس طرح دولت جائداد وغیرہ گھر میں ہی رہ جائے گی لیکن وہ شاہ بانو بی بی نہ مانیں۔ کہتی ہیں کہ شاہ صاحب کی پہلے ہی دو بیویاں موجود ہیں میں کسی عورت پر سوکن نہیں بنوں گی۔'' وہ سرگوشیوں میں ساری صورت حال بتا رہا تھا۔

''لیکن یہ جنات کی کیا کہانی ہے؟'' میرے استفسار پر وہ مزید دھیمی آواز میں بولا۔

''جنات شنات کا تو پتا نہیں، وہ لوگ کہتے ہیں یا نکاح نامے پر دستخط کرو یا پھر مختار نامے پر تاکہ ساری جائداد اپنے نام کرالیں لیکن یہ بی بی بھی ان کی ہی نسل سے ہیں۔ بڑی ضدی ہیں، تشدد ہوتا ہے ان پر، گھر کے اندر قید ہیں لیکن پھر بھی ہار نہیں مانتیں۔ میرا بڑا دل دکھتا ہے لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔''

وہ جو بتا رہا تھا وہ انسانیت پر سے میرا باقی کا اعتبار بھی اٹھا رہا تھا۔

''یہ جو بی بی صاحبہ نام لے رہی ہیں نا، ادریس شاہ صاحب کہتے ہیں استغفراللہ ان کا کوئی یار ہے۔'' وہ کانوں کو چھو کر بولا تو میرے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔

''واقعی یار! یہ تو بہت ظلم ہو رہا ہے ایک بے سہارا لڑکی کے ساتھ۔'' میں نے افسوس سے کہا۔

''اک اندر کی بات بتاؤں؟ یہ جو ادریس شاہ صاحب کی دوسری بیوی ہیں نا، یہ بہت کوشش کر رہی ہیں کہ شاہ بانو بی بی اس قید سے نکل جائیں۔ میں ان ہی کے مزارعوں میں سے ہوں۔ وہ مجھے ساتھ لائی ہیں۔'' وہ شاید کسی سامع کا شدت سے منتظر تھا اس لیے دل کھول کر بول رہا تھا۔

''تم اپنی بی بی صاحبہ کا فون نمبر مجھے دے دو۔ میں کسی طرح شاہ بانو بی بی کو یہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔'' میرے یہ کہنے پر وہ چونک گیا۔

''لیکن کیوں؟ کہیں تم کوئی رشتے دار تو نہیں ہو ان کے؟'' میں گڑبڑا گیا۔

''انسانی ہمدردی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ دیکھو نا اس طرح دونوں بیبیوں کا بھلا ہو جائے گا۔ تیسرا نکاح ہو گیا تو تمہاری بی بی کا ہی نقصان ہوگا نا؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا تو میں نے جیب سے دوسرا نوٹ نکال کر چپکے سے اس کی مٹھی میں دبا دیا۔ وہ بوکھلا سا گیا اتنے پیسے پہلی بار ملے تھے شاید...... کیونکہ یہاں آنے والے شاہوں کے مرید غریب مسکین لوگ ہی ہوتے ہوں گے۔

''اب یہاں سے جاؤ، کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے ہم پر یہاں سب شاہ صاحب کے وفادار ہیں۔ میں بی بی کو فون کر کے کہتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے نمبر لیا ہے۔'' اس نے نمبر دیتے ہوئے کہا۔

میں نے زرمینہ کو نکلنے کا اشارہ کیا اور وہ حیران سی میرے پیچھے نکل آئی۔

''مجھے آپ سے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ آپ اس مظلوم لڑکی کو یوں اکیلا چھوڑ آئیں گے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ وہ تکلیف کی شدت میں بار بار آپ کو ہی پکار رہی تھی۔ میں نے اس کی چیخیں سنی ہیں وہ سو فیصد شاہ بانو شہاب شاہ ہی ہے۔'' میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وہ شاہ بانو ہی ہے......اور اسے ظلم و تشدد کا نشانہ صرف اس جائداد کے لیے بنایا جا رہا ہے جو اس کے باپ کی میراث ہے۔ لیکن وہ بڑی بہادر لڑکی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہے کبھی ہار نہیں مانے گی۔''

میری بات سن کر وہ مجھے انتہائی حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اور آپ اسے اس طرح ظالموں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں، مجھے انتہائی افسوس ہو رہا ہے کہ اس بہادر لڑکی نے ایک بزدل انسان سے محبت کی ہے۔'' اس کی بات پر میں نے بغور اسے دیکھا۔

''محبت نہیں ہمدردی ہے مجھے اس سے...... یا اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس سے یونہی ہمدردی ہوتی۔'' وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''تم خود ہی دیکھ لو کہ وہ کتنے با اثر لوگوں کی قید میں ہے۔''

میں نے ادریس شاہ کا نمبر ملایا اور رسمی سلام دعا کے بعد کہا۔

''شاہ صاحب! ہمارا نکاح ہو رہا ہے اور اس تقریب میں شرکت کے لیے شاہ بانو بی بی کو لینے میں اور زرینہ دونوں آپ کی حویلی آ رہے ہیں۔ اصل میں ان کا فون بند جا رہا ہے اس لیے آپ کو زحمت دی۔'' دوسری طرف وہ بدبخت بڑے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''شاہ بانو بی بی تو والدہ محترمہ کے ساتھ عمرے کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئی ہیں اور ایک ماہ وہیں گزاریں گی۔'' زرینہ ناقابل یقین انداز میں سن رہی تھی۔

''اوہ تو مطلب یہ ہوا کہ وہ ہماری خوشی میں شامل نہیں ہو پائیں گی؟'' دوسری طرف خاموشی تھی جیسے مزید گفتگو ان کے لیے غیر ضروری ہو۔

''اب کیا کریں، کیا پولیس کو اطلاع دی جائے وہی شاہ بانو کو بازیاب کر سکیں گے؟''

وہ انتہائی دکھ اور مایوسی سے مجھے دیکھ رہی تھی میں نے گاڑی ایک سائیڈ پر کھڑی کی اور الماس بی بی کا نمبر ملانے لگا تقریباً چالیس منٹ میری ان سے بات ہوئی اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ میں شاہ بانو کا خیر خواہ ہوں تو سارے معاملات طے پا گئے۔

گاؤں میں کوئی ہوٹل نہیں تھا اور میں رشتے داروں کے گھر میں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس طرح معاملات کو ہم اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتے تھے۔ رشتے داروں کی مرضی سے ہی ہم گھر سے نکل سکتے تھے جبکہ یہاں الرٹ رہنا تھا کہ کسی بھی وقت موقع مل سکتا تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ ہم دونوں گاڑی میں ساکت بیٹھے گھڑی اور موبائل فون کی اسکرین کو گھورے جا رہے تھے کہ الماس بی بی کا میسج ملتے ہی ہمیں حویلی کے پچھلے دروازے تک پہنچنا تھا۔

''میں اب ایک مزید رات بھی اسے وہاں نہیں رہنے دوں گی، اگر کچھ اور نہ ہوا تو میں سیدھی حویلی میں گھس جاؤں گی اور شور مچا مچا کر سب کو جمع کروں گی۔ اس وقت تک شور مچاتی رہوں گی جب تک وہ اسے میرے حوالے نہیں کر دیتے۔'' زرینہ اس کی اذیت بھری چیخیں یاد کرتے ہوئے رونے لگی تھی میں نے اسے تسلی دی۔

''دعا کرو، وہ زندہ سلامت مل جائے۔ اس کی زندگی کو شدید خطرہ ہے۔ اس کو بچانے کی کوشش میں ہم اسے ہمیشہ کے لیے کھو بھی سکتے ہیں۔ وہ انتہائی ظالم اور وحشی لوگ ہیں تم نے اس بوڑھے آدمی کے ساتھ آئی بچی کے جسم اور چہرے کے نیل نہیں دیکھے تھے؟'' وہ خوف زدہ سی مجھے دیکھنے لگی۔

گاڑی میں موجود پانی کی ایک بوتل پی کر ہم نے بھوک اور پیاس کا مقابلہ کیا۔ میں تو مرد تھا، مجھ میں دس پندرہ گھنٹے بھوکا رہنے کی ہمت تھی لیکن زرینہ کی زرد رنگت اس کی بھوک پیاس کی شدت کی گواہی دے رہی تھی۔ صبح ایک ٹوسٹ اور چائے پی کر ہم گھر سے نکلے تھے اور اب رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ہم گاڑی لے کر کچھ کھانے کے لیے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ طے شدہ پروگرام کے تحت جیسے ہی موقع ملتا ہم نے اگلے منٹ ہی وہاں پہنچنا تھا۔ یہ سب منٹوں کا کھیل تھا جس کا انتظار ہم پچھلے کئی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گھنٹوں سے کر رہے تھے۔ اسی لمحے فون کی اسکرین چمکی اور الماس بی بی کا میسج ملا۔

"جلدی سے پچھلے دروازے پر آؤ۔ وہ زمین پر پڑی ہے، اسے جتنی جلدی ہو سکے گاڑی میں ڈالو اور یہاں سے نکلو۔" ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

میں اندھیرے میں پچھلے دروازے کی طرف بڑھا رات کے سناٹے میں گاڑی کی آواز انہیں ہوشیار کر سکتی تھی اسی لیے میں گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر نکلا اور پوری رفتار سے بھاگتا ہوا عقبی دروازے کے پاس رک گیا۔

گھپ اندھیرے کا سینہ چیرتی ہلکی سی روشنی کی ایک جھلک نے مجھے راہ دکھائی موبائل فون کی ٹارچ نہیں لگا سکتا تھا کہ کہیں کوئی فائر روشنی کے تعاقب میں میرے سینے میں نہ اتر جائے، اس لیے یہ روشنی کی ہلکی سی لکیر مجھے غنیمت لگی۔

"جناب! بی بی صاحبہ کو اٹھا لیں۔" اندھیرے میں کی گئی سرگوشی اسی چوکیدار کی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور اس کے پھولوں جیسے ہلکے وجود کو اٹھا کر تیزی سے گاڑی کی طرف بھاگا۔

"زرینہ! چیک کرو کہ زندہ ہے یا نہیں؟"

گاڑی میں موجود اس کے لرزتے کانپتے وجود کو تسلی کی ضرورت تھی لیکن وقت نہیں تھا ہمارے پاس اس لیے میں نے فقط ایک جملہ کہتے ہوئے گاڑی بھگا دی، وہ جملہ سن کر زرینہ رونے لگی۔

"سانس لے رہی ہے لیکن بہت تیز بخار ہے۔ جسم تپ رہا ہے اور...... اور......" وہ پھر سے رونے لگی۔ "کب ختم ہوں گی اس لڑکی کی آزمائشیں؟" وہ سسکتے ہوئے مجھ سے پوچھ رہی تھی میں جو بے بس تھا ہر طرف سے بے بس۔

"دعا کرو اس کے لیے اگر اسے کچھ ہوا تو...... میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔"

میری بات سن کر وہ غصے سے بولی۔

"مسٹر ایمل خان! اب دعا کے ساتھ دوا کی بھی ضرورت ہے اسے۔ کوئی دوا کریں۔" میں نے گاڑی کی رفتار مزید بڑھا دی کیونکہ ابھی ہم گاؤں کی حدود سے نکلے نہیں تھے اور خطرہ بدستور باقی تھا۔

"ہاں اب دوا کی بھی ضرورت ہے۔ اسپتال پہنچتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمیں یونہی نہیں چھوڑنا چاہیے تھا اسے...... وہ جس کی ماں کو بہو کی حیثیت سے قبول نہ کر سکے اس کی بیٹی کو کیا عزت دیتے؟"

"شاہ بانو......! شاہ بانو بی بی......! پلیز آنکھیں کھولو۔ دیکھو، اب تم بالکل ٹھیک ہو۔ ہم تمہارے پاس ہیں۔" وہ اندھیرے میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی، گاڑی کی لائٹ نہیں آن کر سکتے تھے کہ کہیں کوئی پہچان نہ لے۔

"ایمل ل ل...... ایمل خان آئے گا...... وہ تم سب کو دیکھ لے گا...... وہ...... وہ ہ ہ......" اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سیدھے چھری بن کر میرے دل کو چیر رہے تھے۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی اور آنسوؤں کے قطرے میرے گالوں سے پھسل کر گود میں گرنے لگے۔ زرینہ کی سسکیاں بھی مجھے سنائی دے رہی تھیں۔

"مرد ہو کر روتے ہیں؟ اتنے کمزور لگتے تو نہیں آپ؟"

وہ میرے گالوں پر بہتے آنسو دیکھ چکی تھی۔

خدا خدا کر کے ہم اسپتال پہنچے، رستہ بہت لمبا ہو گیا تھا مجھے لگ رہا تھا جیسے میں صدیوں کی مسافت کے بعد منزل تک پہنچ پایا ہوں۔

جیسے ہی اسے اسٹریچر پر لٹایا گیا میں نے اور زرینہ نے ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ دیکھا اس کے مرمریں بدن پر لباس کے نام پر پھٹے پرانے چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ سفید چادر سے میں نے اسے ڈھانپا تو میری نظر اس کی نازک کلائیوں پر پڑی، سگریٹ سے جلائے جانے کے نشان جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر بھی نیل واضح دکھائی دے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

رہے تھے اور لاغر بدن گواہی دے رہا تھا کہ تشدد کے ساتھ اسے خوراک سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔

غم اور غصے کی تیز آندھیوں میں کیسے میں اپنے پاؤں پر کھڑا رہا، یہ میرا دل جانتا تھا یا میرا رب۔ جی چاہ رہا تھا۔ ابھی جا کر ان کے گریبان پکڑوں اور شاہ بانو کے ایک ایک زخم کا حساب لوں۔ لیکن سب سے پہلے اس کی زندگی اہم تھی۔

☆☆☆

"اب کیسی طبیعت ہے؟" میں دو دن بعد اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بے اختیار سسکنے لگی۔ میرا دل پھٹ رہا تھا لیکن اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے سوالیہ انداز میں اسے دیکھے گیا وہ خود پر قابو پا چکی تو میں نے کہا۔

"اب تو بہتر لگ رہی ہیں الحمدللہ۔"

"بس زندہ ہوں...... اور اس پر حیران بھی ہوں کہ کیسے زندہ ہوں۔ شاید ڈھیٹ ہوں اس لیے یا شاید دعاؤں کے حصار میں ہوں اس لیے۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میں نے تکیے اوپر کیے اور جی چاہا کہ دونوں شانوں سے پکڑ کر اسے بٹھا دوں۔ لیکن اپنی خواہش کو دل میں چھپائے میں اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"قصور ہمارا تھا، ہمیں نہیں چاہیے تھا کہ آپ کو وہاں یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر آ جاتے۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ ہم نے آپ کو وہاں کیوں رہنے دیا؟" میں نے تاسف سے کہا۔

"ایمل صاحب قصور کسی کا نہیں تھا۔ قسمت کے لکھے سے بھاگ کر میں کہاں جا سکتی تھی؟ مجھے لگا تھا جیسے اب قسمت مہربان ہو گئی ہے۔ زخم دینے والے مرہم کہاں ہوتے ہیں؟"

وہ اپنی بھیگی آنکھیں چھت پر جمائے آہستگی سے بول رہی تھی۔ میں ہاتھ ملنے کے سوا کیا کہتا؟

"ان لوگوں نے اسی دن اپنی اصلیت دکھا دی تھی سب سے پہلے تو انہوں نے میرا فون چھین لیا اور باہر کی دنیا جو صرف آپ لوگوں پر مشتمل تھی سے میرا رابطہ بالکل کاٹ دیا۔ میری چچی سیدہ ہو کر اور ایک عورت ہو کر اور سب سے بڑھ کر ایک ماں ہو کر بھی اس حد تک گر سکتی ہیں، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ خود سر پر کھڑی ہو کر نوکروں سے کہتی تھیں کہ اس لڑکی کی چادر اتار کر دونوں ہاتھوں کو رسی سے باندھو اور اس کو مارو۔ جب وہ لوگ میرے سر پر سے چادر اتارتے تھے تو جانے کیوں مجھے...... مجھے...... آپ یاد آ جاتے تھے، میں روتی چیختی چلاتی اور جب بس میں کچھ بھی نہ رہتا تو آپ کو آوازیں دیتی۔ آپ کو پکار پکار کر میرا گلا بند ہو جاتا لیکن پھر بھی آپ نے میری آواز نہ سنی۔" وہ روتے ہوئے بچوں کی طرح شکوہ کناں تھی۔

میں بے قصور ہو کر بھی اس کے سامنے شرمندہ سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"یہ دیکھیں، یہاں وہ ظالم مجھے سگریٹ سے جلاتا تھا۔ ایک بار تو اس نے میری اس انگلی میں کیل بھی......" میرا دل جیسے بند ہونے لگا تھا۔

کتنے ستم سہہ چکی تھی یہ نازک سی لڑکی۔

"آپ سائن کر دیتیں ان کی ڈیمانڈ مان کر۔ اس اذیت سے خود کو بچا لیتیں۔"

"کہاں کرتی سائن! نکاح نامے پر یا مختار نامے پر؟" وہ متورم آنکھیں مجھ پر جما کر پوچھ رہی تھی میں اس سوال پر چپ رہا۔

"میرے بابا کی وراثت ہے، میں کیسے وہ سب انہیں دے دیتی۔ مجھے لگتا تھا یہ سب میرے بابا کی شفقت بھری آغوش جیسا ہے۔ جس پیار بھرے لمس کے لیے میں ترستی رہی میں کیسے اس سے دست بردار ہو جاتی؟" وہ رونے لگی۔

"حوصلہ رکھیں۔ ان شاءاللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ تو بہت بہادر لڑکی ہیں کہ اتنے عرصے تک ان سب کے خلاف ڈٹی رہیں۔"

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں نے دیکھا آنکھوں کے کونے سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"جانے ابھی آگے کتنے آنسو بہانے ہوں گے تمہیں بدقسمت لڑکی۔" میں نے دکھ سے سوچا۔

"میں ان سب کو ان کے کیے کی سزا دلا کر رہوں گا۔ آپ کے ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گا اور ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آئندہ وہ کسی مظلوم کے ساتھ زیادتی کا سوچ بھی نہ سکیں گے۔" غصے میں جانے میں کیا کیا کہہ رہا تھا لیکن دواؤں کے زیر اثر وہ بے خبر سو چکی تھی۔

میں نے آہستگی سے اٹھ کر چادر ٹھیک کرتے ہوئے اس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالی تو بے اختیار دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ لمبی لمبی پلکوں کا سایہ اس کے گالوں کی زرد دھوپ کو روکے ہوئے تھا اب اس کے سوکھے لبوں پر اک ہلکی سی مسکان سجی تھی شاید یہ مسکان اس ٹارچر سیل سے نکل کر محفوظ ہاتھوں میں پہنچنے کے اطمینان کی مظہر تھی۔

☆☆☆

"وہ ڈرتی ہے تو ڈرتی رہے لیکن میں کسی سے ڈرنے والا نہیں۔ آپ کیوں مجھے بار بار روک رہے ہیں کہ میں ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں؟ میرا جی تو چاہتا ہے کہ میں خود جا کر ان کے گریبان پکڑوں اور ان کا مکروہ چہرہ زمانے کے سامنے بے نقاب کر کے عقیدت کے سارے بت توڑ دوں۔ جانے کتنے لوگوں کے ساتھ روز اس ٹارچر سیل میں ظلم ہو رہا ہے؟" ناشتے کی میز پر ہم سب بیٹھے تھے۔ شاہ بانو اسپتال سے آ گئی تھی اور اب بہت بہتر لگ رہی تھی۔

"بیٹا کچھ دنوں میں تمہارے نکاح کی تقریب منعقد ہونے والی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ایسے میں تم کوئی بھی رسک لو۔ فی الحال ان باتوں کو بھول جاؤ، اللہ تعالیٰ ان کو سزا ضرور دے گا۔ ظالم کی رسی دراز ہوتی ہے لیکن وہ اللہ کی پکڑ سے کہیں بھاگ نہیں سکتا۔" وہ چائے کا گھونٹ لے کر اخبار پڑھنے لگے۔

زرینہ شاہ بانو کو زبردستی ایک ٹوسٹ مزید کھلانے پر تلی ہوئی تھی اور میں دزدیدہ نظروں سے دونوں کی محبت کے مظاہرے دیکھ رہا تھا۔

"ارے یہ کیا؟" بابا جان کے چہرے پر پھیلے تاثرات مسرت بھرے تھے۔

"ادریس شاہ کے ڈیرے پر چھاپہ ایک لڑکی اس کے تشدد سے مر گئی ہے جس کی ویڈیو بنا کر کسی نے پولیس کو دے دی اور اب انسانی حقوق کی مختلف تنظیموں نے اس ایشو کو اٹھایا ہوا ہے جس کی وجہ سے پولیس پر دباؤ بڑھ گیا اور چونکہ ماں بیٹے دونوں ملوث ہیں ایسے معاملات میں تو پولیس انہیں نامعلوم مقام پر منتقل کر چکی ہے۔ اخبار کے مطابق دیگر کیسز بھی رجسٹر ہو رہے ہیں اور ایک دن میں مزید چار ایف آئی آرز درج کی جا چکی ہیں۔"

میں نے اطمینان بھرا سانس لے کر شاہ بانو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی لیکن آج آنسوؤں کا رنگ بتا رہا تھا کہ وہ خوشی کے ہیں۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" زرینہ نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آج آپ دونوں جا کر شاہ بانو کے لیے شاپنگ کر لو۔ نکاح کی تقریب میں ہماری بیٹی کو ہماری بیٹی لگنا بھی چاہیے۔ تم ان کے ساتھ جاؤ ایمل خان۔" وہ مجھے حکم دے کر اٹھ گئے اور زرینہ مسکرانے لگی جبکہ شاہ بانو نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں بھی جاؤں گی۔ میں نے اور زرینہ آپی نے اپنی شاپنگ تو کر لی، اب شاہ بانو کے ساتھ بھی جانا ہے کہ کچھ رہ گیا ہو تو وہ بھی لے لوں۔" زرسانگہ نے کہا تو سب مسکرا دیئے۔ اسے کپڑوں جیولری وغیرہ کا بہت شوق تھا اسی لیے تو ابھی تک غم کا ہلکا سا احساس بھی اس کے نازک سے دل کو چھو نہ پایا تھا کہ جدائی اور وہ بھی گھر والوں کے ساتھ وطن سے بھی، درپیش ہو گی۔

"دیکھو، تمہاری طبیعت کی خرابی نے یہ سب نہیں کرنے دیا ورنہ تقریب کے لیے پہلے تمہارا لباس بنتا پھر میرا اور زرسانگہ کا۔" وہ شکر گزار نظروں سے زرینہ کی طرف دیکھنے لگی جبکہ میں اٹھ کر باہر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آ گیا اور چند منٹ بعد ہی ایک دوسرے کی معیت میں تینوں باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

"یہ سرخ رنگ تم پر بہت سجے گا میرے کہنے پر لے لو؟" زرینہ کے کہنے پر وہ مجبوری میں اتنا بھاری بھرکم سوٹ لینے کے لیے راضی ہوئی۔

"شاہ بانو کو تو منتوں سے لا دیا سوٹ اور مجھے وہ پشواز نہ لا کر دی۔" زرسانگہ نے منہ بنایا تو میں نے بہن کو گھورا۔

"فنکشن ایک ہے اور تم نے تین ڈریسز پہلے ہی لے رکھے ہیں اور سامنے رکھ کر دن بھر یہ فیصلہ نہیں کر پاتیں کہ کون سا نکاح پر پہنو گی۔ میں تو تمہیں مزید الجھن سے بچانے کے لیے وہ ڈریس نہیں لا کر دے رہا تھا میری گڑیا بہنا۔"

"زرینہ جی میں کہاں پہن سکتی ہوں ایسے کپڑے؟" وہ گھبرائی ہوئی تھی شاید کبھی اتنا قیمتی لباس چھو کر بھی نہ دیکھا تھا اس لیے بہت عجیب سی حالت تھی اس کی۔

"جب میں جینز شرٹ پہننے والی لڑکی یہ سب پہن سکتی ہوں تو تم بھی پہن لو۔" زرینہ کا خلوص انمول تھا۔ میں اس لڑکی کے اچھے دل سے بہت متاثر ہو رہا تھا، ایک بالکل اجنبی ماحول سے آئی لڑکی میں انسانیت سے محبت کا یہ جذبہ ناقابل یقین اور انوکھا لگ رہا تھا

"آپ لوگوں کے تو نکاح ہیں۔ دلہن کی سہیلی کبھی دلہن والا لباس نہیں پہنتی، جیسے دلہن سرخ پہنے گی تو سہیلیاں وہی کلر نہیں پہنتیں تاکہ توجہ کا مرکز اور سب سے الگ دلہن نظر آئے۔" وہ سمجھا رہی تھی۔

زرینہ مسکرا دی۔

"یہ غلط خیال ہے دلہن کی سہیلی اتنی پیاری اور منفرد ہو تو سب کی توجہ کا مرکز وہی ہونی چاہیے نا، دلہن سے بھی زیادہ توجہ کا مرکز؟"

شاہ بانو نے اسے گھورا۔

"آپ کی تو باتیں ہی نرالی ہیں۔"

میں دونوں کی نوک جھونک سن رہا تھا۔ دل میں اک طوفان سا بپا تھا لیکن لبوں پر پرسکون سی چپ تھی کہ چپ میں ہی خیر تھی۔ میں اس کی آنکھوں کی اداسی سے نظریں چراتا رہتا تھا جبکہ زرینہ کا ملامتی انداز میں میری طرف دیکھنا بھی محسوس ہوتا تھا لیکن میں اسے بھی نظر انداز کرتا رہتا تھا۔ والدین کے چمکتے چہرے میرا حوصلہ بڑھاتے اور میرے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ مزید گہری ہو جاتی۔

☆☆☆

"ایمل خان! یہ بات مان کیوں نہیں لیتے کہ شاہ بانو آپ سے اور آپ شاہ بانو سے محبت کرتے ہیں۔" وہ پارلر میں اپنی اور زرسانگہ کی بکنگ کے لیے جا رہی تھی جبکہ شاہ بانو نے انکار کر دیا تھا۔

"کیوں الٹی سیدھی باتیں کرتی ہو۔ کل سب مہمان آنے والے ہیں۔ چچا جان، چچی، تمہارا بھائی اور باقی سب بھی، ایسے کیسے الٹی سیدھی باتیں مان لوں یہ محبت وحبت خوابوں کی باتیں ہیں۔ حقیقی زندگی میں اس کی گنجائش نہیں؟"

"جس رشتے کی بنیاد محبت نہ ہو اس پر محل کھڑا کر دیں تب بھی گر جائے گا۔ مان لیں کہ ہمارے رشتے میں مصلحت تو ہے محبت نہیں، جہاں مضبوط بنیاد ہو وہیں پر گھر تعمیر ہوں تو پائیدار ہوتے ہیں۔ سوچیں اور کر گزریں۔"

وہ باہر دیکھ کر بات کر رہی تھی۔ مجھے شدید حیرانی تھی اس لڑکی پر جو اس مقام پر پہنچ کر بھی ایسی باتیں کر رہی تھی۔ میں نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں کوئی اور پسند ہے اور تم میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتی ہو۔ مجھے بزرگوں کے سامنے شرمندہ کرنا چاہتی ہو جبکہ خود مظلوم اور سرخرو رہنا چاہ رہی ہو اگر واقعی ایسا کچھ ہے تو مجھے صاف صاف بتا دو۔ میں اس صورت میں تمہاری مدد کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

وہ میری بات سن کر سپاٹ انداز میں بولی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''مسٹر ایمل خان! میں ایک لڑکی ہوں لیکن مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ میں اگر کسی اور کو پسند کر رہی ہوتی تو سب کے سامنے اس کا ہاتھ تھام لیتی اور مجھے اپنے والدین پر بھی پورا اعتماد ہے کہ وہ کبھی بھی میری پسند کے خلاف نہ جاتے۔'' میں نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہیں پسند ہوں۔ اسی لیے تو تمہارے والدین اس رشتے پر خوشی خوشی راضی ہوئے ہیں۔'' وہ میری بات ان سنی کر گئی۔

''میں دل کے ہاتھوں مجبور نہیں اور نہ ہی مجبوری کو رشتے کا نام دے سکتی ہوں۔ میں بہت کوشش کروں تب بھی خود غرض نہیں بن سکتی۔''

''تو پھر انکار کر دو سب کے سامنے۔'' میری غیر متوقع بات سن کر وہ ساکت سی باہر دیکھتی رہی۔

''سب کچھ میں کروں؟ لیکن کیوں؟ آپ کے حصے کی بہادری صرف آپ کو ہی دکھانی ہو گی، بزدل انسان محبت نہیں کر سکتا اس لیے بہادر بنیے۔'' وہ مجھے للکار رہی تھی۔

''اگر بہادری والدین کا دل دکھانے اور روایات کے خلاف چلنے کا نام ہے تو میں بزدل ہی بھلا۔'' یہ کہہ کر میں نے گاڑی روک دی۔

''ایک بار تو والدین کے سامنے اس محبت کا اظہار کر دیتے پھر آپ کو اس بات کا پچھتاوا تو نہ ہوتا کہ آپ نے اسے پانے کی کوشش ہی نہیں کی، میں جانتی ہوں آپ بہت پچھتائیں گے مگر وقت گزر گیا ہو گا۔ ایک لڑکی نیم بے ہوشی میں بھی آپ کو مدد کے لیے پکارتی ہے۔ وہ رات دن آپ کے لیے دعا گو ہے، اسے خود سے بڑھ کر آپ پر بھروسا ہے۔ اسے یقین ہے کہ آپ اسے ہر مصیبت سے نکال لیں گے اس لیے وہ اب مصیبتوں سے نہیں گھبراتی، وہ تشدد سہہ سہہ کر بھی نکاح کے لیے نہیں مانی۔ کبھی آپ نے سوچا کہ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے کل اس سے پوچھا کہ تم اتنی لمبی نماز کیوں پڑھتی ہو؟ تو جانتے ہیں اس نے کیا کہا؟ وہ بولی۔ ''نماز کے بعد ایمل خان کے لیے نفل پڑھتی ہوں، دو نفل ان کی زندگی اور صحت کے لیے اور دو نفل ان کی عزت اور وقار قائم و دائم رہے۔ اس لیے میں ماں باپ کی بخشش کی دعا کے بعد ڈھیروں دعائیں ان کے لیے کرتی ہوں اور ان کی نسبت سے آپ سب کے لیے بھی۔'' وہ بولتے بولتے تھک گئی تھی۔

میں نے دل سے اٹھتی درد کی لہروں کو چھپا کر عام سے انداز کہا۔

''خاندانی لڑکی ہے اور احسان ماننے والی بھی۔ اس لیے میری چھوٹی سی نیکی کو بڑا احسان سمجھ کر ایسا کرتی ہے میں دل سے اس کا شکر گزار ہوں۔'' وہ منہ بنا کر گاڑی سے اتر گئی اور میں نے اس کی چال سے نظر آتا غصہ دیکھ کر خاموشی سے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''جب تم اپنی ساری جائداد کی وراثت حاصل کر لو گی اور اس آبائی حویلی پر بھی تمہارا قبضہ ہو جائے گا۔ جو بغیر مالک کے بالکل خالی پڑی ہے تو پھر یہاں سے چلی جاؤ گی؟'' زرینہ کا یہ سوال اسے چونکا گیا۔

''ہاں ظاہر ہے، انہیں شادی وادی بھی تو کرنی ہے۔ کوئی شہزادہ کہیں ان کا منتظر ضرور ہو گا۔'' میں نے شوخ لہجے میں کہا تو پل بھر میں اس کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔ یوں جیسے زور سے چوٹ لگتی ہے تو فوری درد سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

''کیا ہی اچھا ہوتا، تم دونوں شادی کر لیتے اور میں یہاں سے نکل کر واپس انگلینڈ چلی جاتی، جہاں اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس وطن آتی اور یہاں کے لوگوں کی خدمت کرتی۔'' زرینہ کی بات نے ہم دونوں کی رنگت فق کر دی۔

''اللہ آپ دونوں کو شاد و آباد رکھے۔ ایسا مذاق نہ کیا کریں۔ کہاں بدقسمت شاہ بانو شہاب شاہ اور کہاں ایمل خان۔ آپ تو زمین اور آسمان کو ملا رہی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہیں اور ایسا قیامت میں ہی ہوگا۔" وہ اپنے جلتے چہرے کی اداسی چھپا کر کہہ رہی تھی۔ میں ششدر سا اسے دیکھے گیا۔

"کتنا اونچا مقام دے رکھا تھا اس نے مجھ جیسے عام سے انسان کو۔"

☆☆☆

"میں نہیں پہنوں گی یہ زیور شیور۔" وہ پریشان سی سامنے رکھے سرخ مخملیں ڈبوں کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تمہارے تو اچھے بھی پہنیں گے۔ چلو یہ بندیا لگاؤ ماتھے پر۔" وہ دلہن کے لباس میں ملبوس اسے بالکل سادہ سا دیکھ کر اب بصد اصرار تیار ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ بھائی، والدین اور دیگر مہمانوں کی آمد نے زرینہ کو خوش کر دیا تھا۔ وہ گھر بھر میں اڑتی پھر رہی تھی جبکہ شاہ بانو گم صم سی کونوں کھدروں میں چھپی رہتی تھی۔

"چلیں اسٹیج پر، دیر ہو رہی ہے۔" زرسانگہ زرینہ کا ہاتھ پکڑے دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھ گئی۔

میں بھی وہیں تھا۔ زرینہ نے بھاری کام والے میرون سوٹ کے ساتھ میچنگ جیولری پہن رکھی تھی اور ساتھ بیٹھی میری پیاری بہن زرسانگہ بھی زیور کے ساتھ حیا کے بوجھ سے جھکی ہوئی بیٹھی تھی۔

میں نے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے سے خوشی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

"عادل خان! میری بہن بہت نفیس مزاج کی ہے، اس کا خیال یوں رکھو گے جیسے نازک اور قیمتی چیزوں کا رکھتے ہیں۔" وہ میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ بہنیں سب ہی کی نازک اور قیمتی ہوتی ہیں۔ ایمل خان! ان شاء اللہ تعالیٰ میں کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا اور نہ ہی آپ سے اس کی توقع ہے۔" وہ بہت خوش تھا۔

خوش تو میری پیاری بہن زرسانگہ بھی بہت تھی۔ اس کے ہونٹوں پر تو مسکراہٹ جیسے چپک سی گئی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس پر نظر نہ لگنے کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہا تھا۔

"مولانا صاحب نکاح کے لیے تشریف لا رہے ہیں، پردہ دار خواتین ہٹ جائیں۔" خواتین ڈی جے والوں سے پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ وہ سب کم عمر بچے تھے۔ زرولی باہر سے پیغام لایا تو میں نے نوٹ کیا کہ زرینہ کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی ہے۔ شاہ بانو نے سرخ آنچل سر پر ٹھیک کرتے ہوئے اٹھنا چاہا مگر زرینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی واپس بٹھا دیا۔

"چپ کر کے بیٹھی رہو، ہلنا نہیں یہاں سے۔"

میوزک بند تھا۔ اس لیے زرینہ کی سرگوشی میری سماعتوں تک پہنچ گئی۔

"چلیں بسم اللہ کیجیے مولانا صاحب۔" بابا اور چچا نے اجازت دی تو وہ پڑھنے لگے۔

پہلے عادل خان اور زرسانگہ کا نکاح ہوا ایجاب و قبول کے بعد مبارک باد کا شور اور منہ میٹھا ہوا۔

میں نے دیکھا ماں کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ اکلوتی بیٹی پرائی ہو گئی تھی۔ میری ماں تو چھوٹی چھوٹی بات پر آنکھیں بھگو لیتی تھیں۔ جانے لاڈلی بیٹی کی جدائی کیسے سہیں گی؟ میں انہیں محبت سے دیکھ رہا تھا جبکہ باپ مرد ہونے کا بھرم رکھے ہوئے تھے۔ اندر سے تو ضرور اداس ہوں گے لیکن بظاہر مضبوط اور مطمئن لگ رہے تھے۔ مولانا صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹی کہو قبول ہے۔" چچی جان نے اسے ہلایا مگر ایک جامد چپ اس کے لبوں پر پھیلی تھی۔

"زرینہ بیٹا! مولانا صاحب کچھ پوچھ رہے ہیں انہیں جواب دو۔" چچا جان نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

وہاں موجود سب لوگوں کی رنگت فق ہو گئی تھی۔

میرے دل کی دھڑکنیں شور مچا رہی تھیں۔ انہونی کا خدشہ مجھے اندر ہی اندر لرزا رہا تھا۔ وہ فیصلہ کن انداز

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میں اٹھی اور محفل میں موجود لوگوں کے تاثرات دیکھتے ہوئے ڈی جے والوں کے پاس جا کر مائیک لے لیا۔

''یہ...... یہ...... سب کیا ہو رہا ہے؟'' چچی جان کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ میں کیا کہتا تماشا تو میرا بن رہا تھا۔ میں نے دز دیدہ نظروں سے دیکھا۔ شاہ بانو کے ہاتھ دھیرے دھیرے کپکپا رہے تھے شاید اسے بھی وہی خدشات ڈرا رہے تھے جن سے میں خوف زدہ تھا۔

''میں اپنے بزرگوں کے سامنے چند باتیں کرنے کی گستاخی کر رہی ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے گا کیونکہ یہ وقت اس کے لیے مناسب نہیں تھا لیکن بخدا میں مناسب وقت پر یہ سب کہنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ہر طرح کی کوشش میں ناکامی کے بعد ہی میں آخری لمحات میں منافقانہ'' قبول ہے'' کہہ کر گناہ گار نہیں ہونا چاہتی۔''

وہ چپ ہوئی تو ہال میں بھنبھناہٹ شور بن کر سماعتوں پر دستک دینے لگی۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے سن رہے تھے۔

''یہ تو تمہید ہے جانے یہ لڑکی کون سا انکشاف کرنے والی ہے؟'' میری ماں نے بابا سے کہا تو وہ بھی الجھی ہوئی نظروں سے مجھے سوالیہ انداز میں گھورنے لگے جبکہ میں نظریں چرا کر سامنے لگے فانوس کو دیکھنے لگا۔ سب سے بری حالت اسٹیج پر دلہن بن کر بیٹھی زرسانگہ اور شاہ بانو کی تھی، دونوں کے چہروں پر اڑتی ہوائیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''میں ایمل خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں...... اگر میں یہ اپنے والدین کے سامنے کہتی تو وہ یقیناً اپنی پرورش اور تربیت پر شک کرتے ہوئے اس بات سے ڈرتے کہ کہیں میں اپنی پسند کے کسی کالے یا گورے سے رشتہ جوڑنا چاہتی ہوں۔ اگر میں انہیں یقین و اطمینان دلا دیتی کہ ایسا کچھ نہیں ہے تب بھی وہ ایک کام کرتے کہ عادل لالہ کا رشتہ زرسانگہ کے ساتھ نہ کرتے بلکہ کہیں ایسا رشتہ دیکھتے جس میں ادلا بدلہ ہوتا اور مجھے راضی کرنے کی کوشش بھی کرتے۔ میں عادل لالہ اور زرسانگہ کی خوشیوں کی قاتل نہیں بن سکتی تھی۔ آپ سب حیران ہوں گے اور یقیناً غصہ بھی کہ اس بات کا یہ مناسب وقت نہیں ہے لیکن آپ سب میرے اپنے ہیں آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں؟

آپ سب بچوں والے ہیں یا کسی کے بچے ہیں۔ یہ سب کا نہیں تو اکثریت کا ایسا دکھ ہے جو ہم سب سے چھپانا چاہتے ہیں۔ لیکن میں کہتی ہوں، یہ بیماری ہے اور جب بیماریاں چھپائی جائیں تو زخم ناسور بن جاتے ہیں، ناسور ناقابل علاج تو ہوتے ہیں، ناقابل برداشت بھی ہو جاتے ہیں۔ آپ کو میں اپنی کہانی سناتی ہوں اور پھر فیصلہ بھی آپ کے ہاتھ میں دیتی ہوں۔'' وہ بول رہی تھی اور سب ساکت اسے سن رہے تھے۔

''میں منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی چونکہ ایک ہی بیٹی ہوں تو مجھے بہت لاڈ سے پالا گیا۔ میں کہتی فلاں چیز لینی ہے تو والدین پر وہ چیز لینی فرض ہو جاتی تھی اور جب میں کسی چیز کو پسند نہ کرتی تو وہ کتنی ہی قیمتی چیز کیوں نہ ہوتی۔ اسے کسی اور کے حوالے کر دیا جاتا لیکن مجھ پر کبھی زبردستی نہ کی گئی کہ اس پر پیسے خرچ ہوئے ہیں یہ اب تم نے لینی ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ کسی شاپنگ مال میں شاپنگ کرتے ہوئے میری نظروں کے زاویے کا تعاقب کرتے ہوئے میرے والدین مجھے سرپرائز دیتے۔ میری نظر کا مرکز کئی تحائف مجھے بن مانگے مل جاتے وہ بن کہے جان جاتے تھے۔ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں؟

پڑھائی اور پروفیشن کے انتخاب میں مجھے ہر طرح کی آزادی ملی۔ میں نے سائیکالوجی پڑھنی چاہی تو ماں باپ نے کوئی اعتراض نہ کیا حالانکہ قریبی لوگ کہا کرتے تھے۔ یہ سبجیکٹ اس کا دماغ خراب کر دے گا نفسیات پڑھنے والے نفسیاتی کیس بن جاتے ہیں وغیرہ...... لیکن والدین نے کہا تم جو پڑھنا چاہو

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وہی پڑھو۔ لباس سے لے کر خوراک تک میری پسند ناپسند کا خیال ہمیشہ رکھا گیا لیکن ایک دن اس وقت جب میرا کلینیکل ڈپلومہ میں ایڈمیشن ہو رہا تھا۔ مجھے حکم ملا کہ پاکستان جانا ہے وہاں سے رشتہ آیا ہے اور خاندانی روایات کے مطابق ادلے بدلے کی شادی کرنی ہے۔ میں نے کہا مجھے اپنا سب سے پیارا خواب مکمل کرنا ہے، مجھے نام کے ساتھ صرف ڈاکٹر نہیں لگانا۔ میں نے ذہنی مریضوں کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔ جب میری ماں نے کہا کہ آج تک تمہاری ہر بات مانی گئی ہے، اب تم نے والدین کے کہنے پر سر جھکا کر فرماں برداری کا ثبوت دینا ہے۔

میں نے اپنے والدین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی مگر انہیں لگتا ہے کہ ایمل خان نہیں تو بس میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد مجھے کوئی اچھا رشتہ نہ مل سکے گا۔ بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں ماں! بیٹیوں کو کمتر بھی نہیں سمجھنا چاہیے، ان کی اچھائیاں ان کی خوبیاں دیکھیں، ان کا اعتماد ان کی ذات پر سے نہ اٹھنے دیں۔'' میں نے دیکھا اس کی ماں کے علاوہ بھی کئی ماؤں کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

''میں آپ سے یہ درخواست کر رہی ہوں کہ رسوم و رواج اور روایات کو اولاد پر فوقیت نہ دیا کریں۔ اولاد کو آپ کی ذات سے بہت ساری توقعات ہوتی ہیں۔ وہ پوری نہ ہوں تو ان کے لیے دنیا ویران ہو جاتی ہے۔''

اس کے چپ ہوتے ہی میرے بابا نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو، ہمارا تماشا نہ بناؤ، جو بھی کہہ دیا ہے، اس سے زیادہ کیا کہنا باقی ہے؟'' اسی لمحے میں نے ایک سرسری سی نظر شاہ بانو پر ڈالی تو اس کی رنگت بدستور خطرناک حد تک زرد تھی۔

''میں یہ چاہتی ہوں کہ ایمل سے ایک بار آپ یہ پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ بچوں کو اتنا حق تو دینا شروع کر لیں پلیز؟'' میں نے گڑبڑا کر اسے دیکھا۔ وہ بال میرے کورٹ میں پھینک کر اب تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا، وہ مجھے غیرت دلا رہی تھی۔ خاموش زبان میں کہہ رہی تھی منافقت چھوڑ کر سچ بولو ایمل خان۔

''زرینہ! تم اپنی بات کرو، ایمل کو درمیان میں نہ گھسیٹو۔ مجھے اپنے بیٹے پر بھروسا ہے کہ اس کی پسند میری پسند سے جدا ہو ہی نہیں سکتی۔'' میرے بابا کی آواز اور لہجے میں یقین تھا۔

اور میں اس ایک یقین کے لیے اپنی ہر خوشی قربان کر سکتا تھا۔ یہ تو ایک لڑکی تھی ایسی ہزاروں محبتیں میں اس یقین پر قربان کر سکتا تھا۔

میں نے ایک بار پھر غیر ارادی طور پر کرسی پر سمٹی سمٹائی بیٹھی شاہ بانو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ اندیشے تھے جو اس کے اندر موجود غیرت مند لڑکی کے دل میں اٹھ رہے تھے۔ میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں اس کا ذکر کر کے ہم میں سے کوئی اسے بدنام نہ کر دے بھری محفل میں اسے اپنا تماشا مار دیتا۔ میں بھی اس لیے شکر کر رہا تھا کہ زرینہ نے جذباتی پن میں اس کا نام نہیں لیا ورنہ تمام عمر بدیس میں رہنے والی پڑھی لکھی روشن خیال لڑکی سے سر محفل کچھ بھی کہہ دینے کی توقع کی جا سکتی تھی۔

''ایمل خان تم کچھ نہیں کہو گے؟'' بابا نے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔ میں کیسے ان کے سوال کو نظر انداز کر دیتا؟ انہوں نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگا بلکہ ہمیشہ دیا ہی تھا۔ میں نے اٹھ کر فیصلہ کن انداز میں بات کرنے کا ارادہ کیا اور ابھی اس کے پاس جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ وہ پلٹی اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''جو کچھ کہنا ہے سچ کہنا ہے۔ جھوٹ اور منافقت زندگیاں برباد کر دیتی ہے۔ سچائی کے رستے پر چلنے میں سکون ہے۔ والدین تمام زندگی یہ چاہ رہے ہوتے ہیں کہ اپنے بچوں کی خوشی اور سکون کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہیں لیکن جہاں پوری زندگی کا فیصلہ کرتے ہیں وہیں شادی کو غمی میں بدل

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دیتے ہیں۔"
میں نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب جو تیار رکھا تھا دے دیا۔
"زرینہ بی بی! خود سے بڑھ کر اپنے ماں باپ پر اعتبار ہے، ان کی بے لوث محبت پر یقین ہے۔ میرا ماننا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے بعد والدین کی محبت کا درجہ آتا ہے اور میں اس بات سے مکمل متفق ہوں کہ مجھے مجھ سے بھی زیادہ اگر کوئی سمجھ سکتا ہے جان سکتا ہے تو وہ میرے والدین ہیں، آپ بھی خود پر اور اپنے پیدا کرنے اور پرورش کرنے والوں پر بھروسا رکھیں۔"
میں نے دیکھا میرے والدین کے سر اٹھ گئے تھے۔ بابا کا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا تھا اور ماں کے لبوں پر ایک فخریہ مسکراہٹ چپک چکی تھی۔ اس مسکراہٹ کو میں اپنی پرورش، اپنی تربیت پر فخر کہہ سکتا تھا۔
دلہن بنی زرینہ مجھے افسوس سے دیکھنے لگی۔ چچا جان نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور وہ ٹوٹے قدموں سے بنا کچھ کہے واپس حیران و پریشان مولانا صاحب کی قریبی کرسی پر بیٹھ گئی اور ملامتی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے جیسے کہہ رہی تھی کہ "ایمل خان اس سے زیادہ میں تمہارے لیے اور کچھ نہیں کر سکتی جب تک تم خود سچ نہیں بولو گے سچائی جھوٹ کی اوٹ میں چھپی رہے گی اور جھوٹ جیت جائے گا۔"
"چلیں مولانا صاحب! نکاح پڑھائیں۔ یہ آج کل کے جذباتی بچے فلمیں دیکھ دیکھ کر خود بھی فلمی ہو چکے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ حقیقی زندگی فلم سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔" یہ چچی جان تھیں جو بیٹی کی طرف تنبیہی نظروں سے گھور گھور کر تھک چکی تھیں کیونکہ وہ مسلسل ڈھیٹ بنی ان کی گھوریوں کو نظر انداز کر رہی تھی، ابھی مولانا صاحب رجسٹر میں سے کچھ نکال ہی رہے تھے کہ بالکل غیر متوقع طور پر چچا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔
اور قریب آ کر جھکے سر اور نم آنکھوں والی زرینہ کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔
"مجھے لگتا ہے کہ میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ بچوں کے مزاج کا اندازہ والدین سے زیادہ کسے ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کے سامنے اور آپ سب کے سامنے بہت شرمندگی ہو رہی ہے کیونکہ وہ بار بار مجھے یہی کہتی رہی کہ بابا میں پڑھنا چاہتی ہوں لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے رشتے کے لیے پاکستان بھیج دیا۔ سارے خواب اس کی آنکھوں سے نوچنے کا گناہ گار میں ہوں، جب ماں باپ ہی اولاد کی بات نہ سنیں تو پڑھے لکھے منافقت سے پاک معاشرے میں پلنے والے بچوں کو یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گئے کیونکہ گلا رندھ گیا تھا۔ میرے بابا نے قدرے غصے سے انہیں دیکھا اور پوچھنے لگے۔
"اس سب کا مطلب کیا ہے، آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟" وہ پریشان نظروں سے سب کو تکتے حاضرین محفل سے نظریں چراتے ہوئے زرینہ کو گلے لگا کر بوجھل لہجے میں بولے۔
"میں آپ سب سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے صاف نظر آنے لگا ہے کہ میرا بیٹا اس رشتے پر خوش ہے جبکہ میری بیٹی خوش نہیں اور آپ بھی نظروں سے روایات کا بوسیدہ پردہ اتار کر دیکھیں تو واضح نظر آئے گا وہ سب جو آپ دیکھ کر بھی نہیں دیکھنا چاہ رہے۔ یقیناً آپ کی جہاں دیدہ نظروں سے کچھ بھی اوجھل نہیں۔ خدارا بچوں کی خوشیوں کا احساس کریں۔ ہم تمام عمر منافقت کے ساتھ جینے کا حکم دے کر ان کی خوشیوں کو قتل نہیں کر سکتے۔" چچا کی صاف باتیں مجھے حیران کر گئیں۔
"لیکن میرے بیٹے نے سب کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے؟" بابا کا سینہ بدستور چوڑا تھا۔
"بھیا! مجھے افسوس ہے کہ آپ اپنی اولاد کے سچ جھوٹ کی پہچان بھی نہیں رکھتے۔" بابا جان نے چچا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کی بات کا جواب دیا۔
میں نے دیکھا شاہ بانو چپکے سے اٹھ کر جانے لگی تھی جبکہ زرمینہ بھی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ چچا جان زرمینہ کا ہاتھ پکڑے ساتھ بیٹھ چکے تھے۔ زرمینہ نے پیچھے سے اس کا دوپٹہ پکڑ کر اسے روکا، وہ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔
''صاف بات کریں کہ آپ اور آپ کی بیٹی دونوں اس شادی سے انکار کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بھی جواباً عادل اور زرسانگہ کے چند منٹ پہلے کیے گئے نکاح کو طلاق میں بدل دوں؟'' بابا کی اس بات سے سب کو سانپ سونگھ گیا۔
زرسانگہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیلی زرد ہوگئی تھی۔ میری ماں کے ماتھے سے پسینے کے قطرے بہہ رہے تھے عادل اور شاہ بانو کے ساتھ زرمینہ بھی بت بنے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔
''عادل خان اٹھو اور زرسانگہ کو طلاق دو کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔'' چچا کا غصہ سارے خاندان میں مشہور تھا اور اس وقت وہ بالکل سوچ سمجھ سے عاری نظر آرہے تھے۔
میرا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مروڑ رہا تھا۔ زرسانگہ میری شہزادی بہن۔ اس کی ہر ادا سے لگ رہا تھا کہ وہ عادل کو پا کر بہت خوش اور مطمئن ہے اور عادل خان وہ تو جب سے ہال میں آیا تھا زرسانگہ کے چہرے سے نظر ہی نہیں ہٹا پا رہا تھا۔
''میں یہ سب نہیں ہونے دوں گا۔ میری بہن کو اگر طلاق دی گئی تو دونوں بھائیوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی دشمنی شروع ہو جائے گی اور دشمنیاں بہت برے انجام کے ساتھ ختم ہوتی ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں۔'' میری بات نے سب کو خاموش کرا دیا تھا۔
''اگر زرسانگہ کو طلاق ہوئی تو میں خود کو ختم کرلوں گی۔ چچا اور بابا یقیناً آپ بیٹی کو کھونا نہیں چاہیں گے؟ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا نہ میرے کیے کو برا سمجھ کر اس کی سزا کسی کو دیں۔ اولاد زندہ انسان ہے، اسے جینے کا حق دے دیں بس۔ میں جانتی ہوں ایمل بھی اس فیصلے کے حق میں ہیں بس آپ لوگوں کا دل نہیں دکھانا چاہتے۔''
''تو میں بیٹے کے نکاح کو منسوخ ہوتا دیکھ کر چپ رہوں؟'' بابا کے سوال نے سب کو چپ کرا دیا۔
''نکاح ہوگا اور اس سے ہوگا جسے......''
''زرمینہ پلیز چپ ہو جاؤ۔'' شاہ بانو منمنائی۔
''جیسا کہ آپ سب جان چکے ہوں گے کہ میں اور ایمل خان ایک دوسرے کو ویسا پسند نہیں کرتے کہ ایک دوسرے کو ساری زندگی دے دیں۔ مجھے برداشت والے رشتے نامنظور ہیں میں پڑھنا چاہتی ہوں پھر یہیں آکر ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہوں آنکھوں کے دروازے پر دستک دیتے میرے خوابوں کی لائن میں سب سے آخری نمبر پر جو کھڑا ہے، وہ شادی کا خواب ہے اس میں ابھی بہت وقت ہے'' وہ چپ ہوئی تو بابا نے غصے میں پوچھا۔
''جب تم راضی نہیں تھیں تو یہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ ہماری بے عزتی کے لیے تم نے یہ سب کیا ہے؟
بدلیں سے آکر والدین کو بلایا پھر دلہن کا لباس پہن کر سارے خاندان کے سامنے یہ سب کچھ کہنا اور رشتہ ختم کرنا؟ میرا بیٹا کوئی گرا پڑا نہیں ہے۔ وہ ایمل خان ہے، ہمارے قبیلے کا فخر۔'' وہ چپ ہوئے تو دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہ ان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔
''بخدا میرا مقصد نیک تھا اور نیک ہے۔ عادل بھائی زرسانگہ سے شادی کرنا چاہتے تھے جبکہ سب جانتے ہیں کہ زرسانگہ کے ساتھ کا کوئی رشتہ خاندان میں موجود نہیں۔ میں ان دونوں کی زندگیوں میں زہر کیسے گھول دیتی؟ اسی لیے تو منصوبے کے مطابق پہلے ان کا نکاح کروایا گیا کہ ان کی زندگی محفوظ ہوگی تب ہی میں نے اپنا مدعا سامنے رکھا ہے۔
رہ گئی بات ایمل کی تو جن کی قریب کی نظر کمزور ہے وہ آنکھیں مل مل کر دیکھیں کہ ان کے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پاس اسی وقت نکاح کے لیے مجھ سے کہیں بہتر کہیں حسین وجمیل بلکہ ہر اچھے مرد کی آئیڈیل، نیک و باحیا لڑکی موجود ہے اور وہ لڑکی ایک آئیڈیل بہو اور اک آئیڈیل بیوی ہوگی کیونکہ وہ ایک آئیڈیل انسان بھی ہے۔'' سب چونک کر شاہ بانو کی طرف دیکھنے لگے۔

میری رنگت متغیر ہو چکی تھی۔ ابھی تک تو ہم دونوں کی بدنامی نہیں ہوئی تھی لیکن آگے کیا ہونے والا ہے۔ میں نے دیکھا میرے والدین کے چہروں پر فیصلے کا ہیجان صاف نظر آنے لگا تھا چند لمحات کے توقف کے بعد بابا اماں کے پاس جا کر سرگوشی میں کچھ بول رہے تھے وہ بھی اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھیں۔

''ایسا ہو جائے تو اس بچی کو بھی سہارا مل جائے گا یتیم بچی ہے حالات کے ستم سہہ چکی ہے ہمیشہ گھر بسانے کی کوشش کرے گی۔'' ماں کے الفاظ شہد بن کر سماعتوں میں رس گھول رہے تھے۔

''مجھے افسوس ہے کہ پہلے اس بچی کا خیال کیوں نہ آیا؟ زرینہ جیسی منہ پھٹ بہو نے تو ہمارے گھر سے بھی عدالت بنا کر ہر وقت ہمیں کٹہرے میں کھڑے رکھنا تھا۔'' وہ زرینہ سے بدگمان تھے لیکن میں جانتا تھا یہ غصہ وقتی ہے۔

''کیا سیدزادی شاہ بانو شہاب شاہ جو کروڑوں روپیہ کی جائداد کی اکلوتی وارث ہے۔ نیک اور شریف لڑکی ہے اور اپنے فیصلوں میں مکمل خود مختار بھی ہے۔ وہ میرے بیٹے ایمل خان کا پرپوزل قبول کرے گی؟''

بابا کی بات سن کر زرینہ نے شاہ بانو کے جھکے ہوئے سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اسے چپکے سے کچھ کہا اور ہاتھ سے پکڑ کر میرے پاس بٹھا دیا میرا وجود اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔ آنے والے لمحات کا تصور مجھے ڈرا رہا تھا۔ کیا ہوگا اور کیسے ہوگا؟ یہ سوالات مچلتے ہوئے مجھے چٹکیاں کاٹ رہے تھے لیکن میں پھر بھی سنجیدہ شکل لیے بیٹھا رہا۔ سارا الزام زرینہ نے اپنے سر لیا ہوا تھا۔ کسی کو ذرا سا شک بھی نہ ہوا کہ ہم دونوں کی مرضی کیا تھی اور میں بنا کسی الزام کے اسے اپنا بنا سکتا تھا۔

''آپ نکاح پڑھایئے مولانا۔ میں بچی کا ولی بنوں گا یہ میری بیٹی نہ سہی بیٹی جیسی تو ہے نا۔'' چچا جان کی آواز میں درد بھی تھا اور اطمینان بھی۔

مولانا صاحب کے سوال پر بلا توقف وہ جھٹ سے بول پڑی۔

''جی قبول ہے قبول ہے قبول ہے۔'' میں نے مسرت چھپاتے ہوئے اسے گھورا۔ وہ تو جیسے مری جا رہی تھی یہ الفاظ کہنے کے لیے۔ میں ساکت سے وجود کے ساتھ یہ سب یوں دیکھ رہا تھا جیسے خواب کا منظر ہو۔

''ایمل خان! مبارک ہو میرے بچے۔ جو ہوا وہ تمہاری قسمت میں لکھا تھا، مجھے بھی مورد الزام نہ ٹھہرانا کہ میں مجبور ہوں۔'' بابا کے جھکے سر نے مجھے شرمندہ کر دیا انہیں اگر خبر ہو جاتی کہ وہ میرے اور شاہ بانو کے کتنے بڑے ارمان کی تکمیل کر چکے ہیں تو یقیناً حیران ہوتے۔ میں مصلحتوں کا تالا زبان پر لگا کر نارمل نظر آنے کی کوشش میں بڑی کوششوں کے بعد بھی ناکام ہی نظر آ رہا تھا۔ ماں کے سامنے جھکا تو ان کی معنی خیز مسکراہٹ نے بہت کچھ بتا دیا۔

''ماں سے کچھ نہیں چھپتا بیٹا! تم جتنے بھی بڑے یا ہوشیار ہو جاؤ رہو گے تو میرے بچے ہی؟''

میں نے شرمیلا پوز دیتے ہوئے ان کے ساتھ پکچر بنوائی۔

''مطلب آپ سب جانتی تھیں؟''

میں نے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

''ہاں سب جانتی تھی تب سے جب وہ تمہارے ساتھ گھر آئی تھی۔ تب تو یقین پکا ہو گیا تھا جب وہ یہاں سے چلی گئی تھی۔ میں نے راتوں کو تمہیں بے چینی سے ٹہلتے دیکھا ہے۔ تمہاری بے قراری کا ہر انداز ازبر ہے مجھے۔ میں ماں ہو تیری اور زرینہ کے ساتھ اس سارے منصوبے میں شامل

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بھی ہوں۔ ابھی یہاں بیٹھ کر ساری ایکٹنگ کی ہے، میں نے خوشی کے تاثرات چھپانے کی اچھی خاصی کوشش کی ہے، تم سے یہ کہنا ہے کہ...... جا، جی لے اپنی زندگی ایمل خان۔" ان کے لہجے میں خوشی کے سارے رنگ تھے، میرے چہرے پر بھی وہی رنگ بکھر گئے اور ماں کی غمگین و پریشاں نظر آنے کی اداکاری پر انہیں دل ہی دل میں خوب داد بھی دی کہ انہوں نے بڑے نیچرل تاثرات دیئے تھے۔

"بیٹا! زرینہ کا احسان ہے ہم سب پر۔ اس نے میرے دونوں بچوں کی خوشیوں پر اپنی خوشی قربان کردی ہے۔" وہ بھی دل سے مان رہی تھیں۔

"بہت مبارک ہو ایمل خان۔" زرینہ رخصتی کے بعد میرے قریب آئی۔

"زرینہ بی بی! میں نانا دادا بھی بن جاؤں تب بھی قبیلے والے مجھے طعنہ دیں گے کہ جا ایمل خان تجھے ایک لڑکی نے ٹھکرا دیا عین نکاح کے موقعے پر۔ لیکن خیر کچھ پانے کے لیے کھونا تو پڑتا ہے۔" میں نے اک آہ بھر کر اسے دیکھا تو اس کی رنگت متغیر ہوگئی۔

"مطلب یہ کہ میں نے غلط کام کیا؟ اوہ سوری ایمل خان مجھے اصل میں بابا جان کے بار بار بتانے کے باوجود یہاں کے رولز کا، رواجوں کا کچھ زیادہ پتا نہیں اس لیے غلطی ہوگئی۔" وہ شرمندہ تھی۔

مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ پھر سے سب کو مخاطب کر کے کوئی نیا رولا نہ ڈال دے اس لیے جلدی سے بول پڑا۔

"ارے نہیں نہیں۔ تم نے تو وہ کیا ہے جو سوچنا بھی ممکن نہ تھا۔ ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیا ہے میرے رب نے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا اور یقیناً تم ہر طرح کی تعریف کے لائق ہو۔ میں صرف دعا ہی دے سکتا ہوں کہ اللہ تمہارے من کی مرادیں پوری کرے۔" اس کی شکل سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"ویسے مرادوں والی دعا واپس لے لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کسی مراد کی زد میں آپ کی یا کسی اور کی مرادیں بھی نہ آجائیں۔" میں ہنس دیا اس کی بات سن کر۔

"وہ جتنا آپ کو چاہتی ہے، میں مر کر بھی نہ چاہ سکتی۔ وہ انتہا پر تھی اور میری ابتدا تھی ابھی۔ میں کیسے سب نظر انداز کر دیتی۔ مجھے دل کی زمین سے سر اٹھاتی محبت کی ننھی ننھی کونپلوں کے لیے کوئی اور زمین مل سکتی ہے۔ میں اس کے دل میں لگے محبت کے تناور درخت کو کاٹ نہیں سکتی تھی۔ سو یہ سب کرنا پڑا۔" میں ششدر سا اسے دیکھے گیا، وہ صاف لفظوں میں اظہار محبت کر رہی تھی۔

"تو کیا تم بھی......؟ میں کہنا چاہتا تھا مجھ سے محبت کر کے نقصان ہی اٹھانے تھے تو کیوں کی محبت؟"

وہ میرا سوال بنا پوچھے ہی سمجھ گئی۔

"یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوتی ایمل خان! یہ تو ہوتی ہے یا نہیں اور مجھے ہوگئی۔ اب دعا کرنا روگ نہ بن جائے۔ ہاں آٹھ دس سال بعد جب واپس آؤں اور کوئی دوسرا نظر کو نہ بھائے تو دوسری شادی کے لیے تیار رہنا۔ شاہ بانو سے بھی کہہ دو نیکی یاد رکھنا اور جب مجھے ضرورت پڑے نیکی کا صلہ مانگنے آجاؤں گی۔" وہ شوخی سے بولی لیکن اس کی آنکھوں کی اداسیاں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ میں نے ان اداسیوں کا پیغام سن لیا وہ کہہ رہی تھیں میں کبھی لوٹ کر آپ کی زندگی میں نہیں آؤں گی۔

"میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ ایسی بے غرض لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی جو اپنی خوشیاں دوسری لڑکی کی جھولی میں ڈال رہی ہے۔ بنا کسی لالچ، بنا کسی غرض کے۔ وہ بھی اس لڑکی کی جھولی میں جو اس کی کچھ نہیں لگتی۔" میرے لہجے میں توصیف تھی، احترام تھا۔ وہ تھی بھی تو احترام کے قابل بلکہ وہ تو شدید قسم کی محبت کے قابل بھی تھی۔

"اپنی خوشیاں؟ نہیں ایمل خان عورت کو اصلی خوشی شوہر کے دل میں اپنے بلند مقام سے ملتی ہے اور میں جان گئی تھی کہ یک طرفہ جذبات تکلیف ہی دیتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہیں اس لیے سوچا ہم تین میں دو تو خوش رہیں گے نا اس طرح میری خوشی اتنی اہم نہیں جتنی خوشی کے لیے ترستی اک بے آسرا لڑکی کی خوشی اہم ہے؟" اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی جسے وہ مسکراہٹ سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ چلی گئی اور میں دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا۔

اک بے نام سی کسک دل میں اٹھی اور میری آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ یہ خراج تحسین تھا۔ اس اچھی پری کے لیے جو جادو کی چھڑی گھما کر آدم زاد کی ساری مشکلات ختم کرنے کے بعد واپس پریوں کے دیس لوٹ گئی۔

☆☆☆

پہلی دلہن دیکھی تھی میں نے جو حجلۂ عروسی میں بنا کسی شرم و حیا کے پٹر پٹر بولے جا رہی تھی۔ فلموں ڈراموں میں تو دلہن شرمائی رہتی ہے اور دولہا بولتا رہتا ہے۔

"میں صبر اور قناعت کا سبق ماں کے پیٹ سے پڑھ کر پیدا ہوئی تھی۔ صبر کی سل سینے پر لیے زندگی میں کسی چیز کی خواہش اتنی شدت سے نہیں کی جتنی آپ سے ملنے کے بعد آپ کو پانے، آپ کی ہونے کے لیے کی ہے لیکن مجھے لگتا تھا کہ ہمارا ملن فقط خواب میں ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ کہاں ممکن ہوتا نظر آ رہا تھا؟"

وہ پورے حق سے بول رہی تھی۔

میں نے دیکھا، حسین چہرے پر میک اپ کے ساتھ خوشی کی چمک نے اسے عجیب ملکوتی سا حسن بخشا ہوا تھا۔ اس کی ہمیشہ جھکی رہنے والی دراز پلکیں گالوں پر سایہ فگن نہ تھیں بلکہ میرے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"سچ بتائیں آپ خوش ہیں نا ایمل؟" اس کے ہونٹوں پر میرا نام بہت پیارا لگ رہا تھا۔

"جدوں ہولے جئی لیندا میرا ناں
میں تھاں مر جانیاں......

جی چاہ رہا تھا یہ گانا گانے لگوں لیکن ستم یہ کہ حسب معمول یہ گانا بھی زنانہ قسم کا تھا۔

"میں نے تو کبھی اظہار محبت نہیں کیا تھا پھر بھی تم نے بنا کسی یقین کے مجھے قبول کر لیا؟" وہ آپ سے تم ہو گئی تھی۔

"ایمل! زبانی اظہار کی ضرورت مرد کو ہوتی ہے عورت کو نہیں۔ عورت تو نظروں کے زاویے سے سمجھ جاتی ہے کہ سامنے والا اسے کس انداز سے دیکھ رہا ہے۔ میرے دل کو تو پورا یقین تھا۔"

"میں سمجھتا رہا کہ میں نے خود سے بھی یہ راز چھپائے رکھا ہے لیکن ماں اور زرینہ کے ساتھ تم بھی بنا میرے اقرار کے سب سمجھ چکی۔"

وہ گھمبیر لہجے میں بولی۔ "جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ہی بنا کہے آپ کے احساسات سمجھ سکتے ہیں۔" میرے دل میں زرینہ کے لیے عزت بڑھتی جا رہی تھی۔

"میرا رواں رواں زرینہ کے لیے دعا گو ہے ایمل! وہ سارے الزام اپنے سر لے گئی۔ کاش میں اس کا احسان اتارنے کی سکت رکھتی اتنا بڑا احسان کر گئی ہے وہ مجھ پر کہ اسے میں اس ایک زندگی میں تو نہیں اتار سکوں گی۔" وہ بولے جا رہی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کلائی میں بریسلٹ پہنایا جو بابا نے مجھے زرینہ کے لیے بنا کر دیا تھا۔

"واؤ، کتنا خوب صورت ہے۔" وہ خوش ہو گئی مگر شرمائی ابھی بھی نہیں تھی۔

"ہاتھ زیادہ خوب صورت ہے یا بریسلٹ؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو نظریں جھکا کر بولی۔

"آپ خوب صورت ہیں، زندگی خوب صورت ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہر آنے والا کل خوب صورت تر ہو گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے میرے کندھے پر سر رکھ چکی تھی وہی کندھا جہاں اس کے آنسوؤں کی نمی کے ساتھ پرانا لمس بھی باقی تھی۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

جولائی 2020ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- ''اے دل بے خبر'' مریم عزیز کا مکمل ناول،
- ''ہجر زدہ'' شمائلہ ذوالعباد کا ناولٹ،
- ''راستہ'' نعیمہ ناز سلطان کا ناولٹ،
- ''حالم'' نمرہ احمد کا ناول تکمیل کے آخری مراحل میں،
- حمیرا عروش، عمارہ جہان، عنبرین ابدال اور زارا منجرا کے افسانے،
- معروف فنکارہ فرح نادر سے باتیں،
- ثناء فیصل سے ملاقات،
- کرن کرن روشنی، احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- آپ کا باورچی خانہ، ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں،
- عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،
- خط آپ کے، تاریخ کے جھروکوں سے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،
- خواتین کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا،

خواتین ڈائجسٹ کا جولائی 2020 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

قانتہ رابعہ

مدارِ کمال

''کیا تمہاری کالونی میں آئی تھیں؟ کیوں؟''
ثمرہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اس نے آواز دانستہ طور پر دھیمی کی، موبائل فون منہ کے قریب کیا۔ ''سچ کہہ رہی ہو فیضی! کیا واقعی آنٹی تمہاری گلی میں آئی تھیں، ساتھ میں کون تھا؟''

''یہ تو مجھے نہیں علم کہ ساتھ میں کون تھا۔ کوئی مرد تھا پچاس پچپن سال کے پیٹے میں۔ رہا دوسرا سوال کیوں آئے تھے۔ تو بی بی! یہ سوال اپنے ساس سسر سے کرو۔ مجھے کیا معلوم کیوں آئے تھے۔'' فیضی نے بے نیازی سے کہا۔

''تمہاری گلی میں میری سسرال کا جان پہچان والا کوئی گھر نہیں، اللہ ہی جانے کہاں گئے تھے۔'' ثمرہ نے خود کلامی کی۔

''اچھا خیر، چھوڑو ایک زمانہ تمہاری سسرال کی تعریف کرتا ہے، بندے کے سوا اپنے بھی سلسلے ہوتے ہیں، ہوگا کوئی ان کا بھی مسئلہ۔''

''اچھا اللہ حافظ......'' فیضی نے ہمیشہ کی طرح لٹھ مار انداز میں اللہ حافظ کہہ کے فون کال کاٹ دی۔

رات گئے تک ثمرہ نے کئی دفعہ سوچا۔ آنٹی تو آج کل گھٹنوں کے درد کی مریضہ ہیں واکر کے بغیر دو قدم نہیں چل سکتیں۔ ایسی کیا خاص بات تھی کہ اکلوتی بہو کو بتانا تک گوارہ نہ کیا۔ عجیب مخمصے میں تھی پوچھے یا نہ پوچھے۔ ان تین سالوں میں اسے ساس سے کوئی ساسوں والی شکایت — تو نہیں ہوئی تھی۔ ہر بات میں مشورہ، خیر خواہی ہی نمایاں رہی۔

خیر! وہ تو بلی تھیلے سے جلدی برآمد ہوگئی۔ رات گئے جب ثمرہ کے سسر اس کے میاں نواز اسلم اور دیور زوار اسلم عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد گپ شپ کے موڈ میں بیٹھے تو ساس نے ادھر اُدھر کی دو چار باتوں کے بعد بتایا کہ وہ آج زوار کا رشتہ دیکھنے گل فشاں کالونی گئی تھیں لڑکی انہیں پسند آئی ہے۔ زوار کی خواہش کے عین مطابق اچھی تعلیم یافتہ اور پوزیشن ہولڈر ہے۔

''اف!'' ثمرہ نے جھرجھری لی۔ خود تو کتابی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ناولٹ

کیڑا تھا ہی بیوی بھی پڑھا کو لا رہا ہے کیا عجیب سین ہوگا دونوں میاں بیوی اپنے اپنے ہاتھوں میں کتابیں لیے کمرے — میں دنیا سے بے خبر مطالعہ میں مصروف رہیں گے۔

''صرف پوزیشن ہولڈر ہی نہیں، اس نے میڈیکل یونیورسٹی کے فائنل میں تیرہ میڈل ایک ہی سال میں لیے ہیں۔'' ثمرہ کی ساس نے خوشی سے بتایا۔

''تیرہ میڈل......کوکب امتیاز......'' ثمرہ پھنسی پھنسی آواز بولی۔

''ہاں! تم جانتی ہو اسے......؟'' ساس نے پوچھا۔

''جی آنٹی! ایف ایس سی تک وہ میری کلاس فیلو رہی ہے۔'' ثمرہ کا سارا جوش ٹھنڈا پڑا تھا۔ کاش یہ خبر جھوٹی ہو۔ کوکب سے تو اس نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی تھی اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھر سے اس کے سر پر مسلط ہو رہی ہے۔ اس نے چائے کے برتن ٹرے میں رکھے اور خوشیوں سے چھلکتے لبوں کو نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

کوکب کا دیور سے رشتہ اس سے ہضم ہونے والی چیز نہیں تھی۔ محلے دار ہونا بھی برداشت تھا۔ کلاس فیلو ہونا بھی برداشت تھا مگر دیورانی جیٹھانی کا پل پل کا ''شیریکے'' کا رشتہ۔ ثمرہ کو سوچ کے ہی ہول اٹھ رہے تھے۔ کوکب امتیاز ایک نام تھوڑا ہی تھا۔ اس کے لیے پڑھائی کے بارہ سالہ دور میں ایک خوفناک انتقام کا نام تھا۔ ثمرہ کو پڑھائی سے خاص رغبت نہ تھی۔ ہوم ورک نہ ہونے پر اس کے بہانے کو کوکب امتیاز ہی تھی، جو لمحہ بھر میں ہوا کی طرح اڑا کے رکھ دیتی۔

''ثمرہ مس بخاری سے۔ کہتی ''میم کل ٹانگ میں چوٹ لگی تھی۔ ہوم ورک نہیں کر سکی۔'' بوتل کے جن کی طرح کوکب امتیاز دانت نکوستی سامنے آ جاتی۔

''میم رات دس بجے تک یہ ہمارے ہاں تھی۔''
اگر ثمرہ کبھی اسکول دیر سے پہنچتی یونیفارم پریس نہ ہوتا، بڑی دل سوزی سے وہ مجبوری حالات کا رونا روتی بلکہ سماں باندھ دیتی ایسے میں کوکب امتیاز بگولے کی طرح آتی۔

''میم، آپ مجھ سے پوچھیں میں بتاتی ہوں آپ کو......'' اور تو اور...... ثمرہ نے ٹھنڈی آہ بھری، میٹرک کے امتحانات سے فراغت ملی تو سویٹ سلکسٹین نے ایسی لڑکیوں کے گروپ میں شامل کروا دیا جہاں امنگ، ترنگ سب کچھ ہی تھا۔ جہاں خواب، عذاب نہیں شباب تھے۔ موج مستی تھی۔ اس سے پہلے کہ ثمرہ گندگی کے کسی گٹر میں چھلانگ لگاتی یہ کوکب امتیاز ہی تھی، جس نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

ہاتھا پائی میں کوکب کے منہ پر ثمرہ نے ایسے زور سے طمانچہ مارا کہ وہ لڑھک کے پیچھے گری، لیکن اپنے مشن میں کامیاب ہو کے۔ اس گروپ کو کالج میں ایڈمیشن کے ساتھ ہی فارغ کر دیا گیا۔ ثمرہ کو داخلہ تو مل گیا مگر کڑی شرائط پر...... کہنے والے کہہ سکتے ہیں اس نے حق ہمسائیگی ادا کیا۔ کوئی ثمرہ سے پوچھے جس کے لیے کوکب کا نام، نام نہیں کونین کی گولی تھی...... وہی کوکب امتیاز اب ثمرہ کی دیورانی بن رہی تھی۔ ہر چند کہ ثمرہ اپنی اصلاح کر چکی تھی۔ جھوٹ، مبالغہ، لغویات سب سے — تائب ہو چکی تھی۔ سسرال میں تین ساڑھے تین سالہ عرصہ اس کی اچھی فطرت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ مگر ہائے کوکب امتیاز......؟ اس کی آنکھوں سے آنسو اور شرارے اکٹھے برآمد ہو رہے تھے۔ اگلے چھ سات دنوں میں اس نے ہر ممکن کوشش کی جس طرح بھی ممکن ہو وہ اس رشتہ کا پیچ ڈالنے سے پہلے ہی اکھاڑ ڈالے مگر قدرت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ ساس سے اس نے میٹھا میٹھا شکوہ کیا تھا۔

''آنٹی! آپ مجھے بتا دیتیں آپ کوکب سے زوار کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں ویسے تو مجھے بیٹی کہتی ہیں کہتی کیا سمجھتی بھی ہیں پھر خفیہ خفیہ رشتہ طے کر دیا۔''
آنٹی مسکرائیں۔ ''خفیہ کی کیا بات ہے میں نے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تو سگی بیٹی سائرہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ رشتہ دیکھنے سے پہلے بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے۔"

پھر اس نے چائے کے کپ کے ساتھ دس طرح کے اندیشے ساس کے کانوں میں ڈالے۔

"آنٹی! کوکب اتنی پڑھا کو ہے مجھے لگتا ہے وہ صرف جاب ہی کر سکے گی کام وام کا شوق تھا اسے نہ سلیقہ۔"

آنٹی کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ "تعلیم ہی تو گھر داری کا شوق اور سلیقہ بخشتی ہے۔ سر پر پڑے گی تو خود ہی کرے گی۔"

جنوری کے آخری دنوں کی سہ پہر چمکتی دھوپ میں اس نے ساس کے سر پر تیل کا مساج شروع کیا۔ آنٹی نے جذب کے عالم میں آنکھیں بند کیں اور جھٹکے سے کھولیں۔

ثمرہ کی آواز میں نمی تھی لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"آنٹی کوکب چلتی ہے تو بچپن کے پولیو کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ لنگڑاہٹ کہوں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے یہ عیب تھوڑا ہی ہے پھر بھی رشتے ناتے طے کرنے میں تو ہر بات گھر والوں کو کھول کے رکھنی چاہیے تھی۔ پتا نہیں لوگ چھپانے والی باتوں کو سر بازار ڈسکس کرتے ہیں اور بتانے والی باتوں کو پی جاتے ہیں۔"

ساس نے ثمرہ کا تیل والا ہاتھ پیچھے کیا۔ روٹی کو چوچی کہنے والی عمر تو اب ان کی بھی نہیں تھی۔ دال میں کالا نظر آرہا تھا۔ کوئی بات ضرور ہے جو پچھلے تین چار دنوں سے اس کے سر پر کوکب اور یہ رشتہ سوار ہے۔ انہوں نے گلا صاف کیا۔

"بات یہ ہے بچے! کوکب کے گھر والوں نے سب سے پہلے اس کی ٹانگ والا مسئلہ ہی بتایا تھا مجھے۔"

"اچھا...... اچھا" ثمرہ بدمزہ ہوئی۔

"بات بس اتنی ہے کہ زوار کو کوکب کسی سیمینار میں اچھی لگی تھی، اس نے باپ کے بجائے یہ بات میرے کانوں میں ڈال دی۔ مقدر میں نہ لکھا ہوا تو یہ رشتہ کبھی نہیں ہوگا۔ تم بے فکر رہو۔"

آنٹی اس کے چہرہ کی طرف نظر جماتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ثمرہ کے چہرہ پر شرمندگی، بے بسی سب کچھ ہی تھا۔ پتا نہیں مقدر میں کیا لکھا ہے۔ اس نے تیل والے ہاتھ دھوتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

ہوتا وہی ہے جو کاتب تقدیر لکھتا ہے۔ مارچ کی سترہ کی شام میں کوکب اس کے آنگن کی دہلیز پار کر کے اندر آگئی تھی۔

کوکب نے شروع دن سے کہہ دیا تھا وہ کوکب امتیاز ہی رہے گی بھلے زوار ملک کا وزیراعظم کیوں نہ بن جائے۔ اور زوار نے اس کا یہ بے تکا مطالبہ بغیر چوں چرا کیے مان لیا...... ثمرہ نے سردست اپنی تمام اندرونی کیفیات اور خدشات کو سینے کی پسلیوں میں موجود قبر میں دفن کر دیا تھا۔ وہ تیل، دیکھو تیل کی دھار دیکھو کے مصداق اپنی پڑھی لکھی سرجن دیورانی کے استقبال میں دل و جان سے مصروف ہو گئی تھی...... اگر مثبت تبدیلی گزرے وقت نے ثمرہ میں پیدا کی تھی تو اس کے اثرات کوکب امتیاز پر بھی پڑے تھے۔ پہلے والی سنجیدگی، بردباری شاید وہ کنوار پنے کی دہلیز پر چھوڑ آئی تھی۔ اب اس کا چہرہ ہمہ وقت مسکراتا رہتا۔

ثمرہ کی شادی کو قریب قریب چار سال مکمل ہو چکے تھے اور وہ دبا دبا خوف کہ دیورانی آتے ہی مضبوط قدم نہ جما لے۔ قدرت نے ان ہونی کا تحفہ دیا اور دونوں آگے پیچھے اپنے اپنے پاؤں کے نیچے کی جنت لانے میں مصروف ہو گئیں۔ کوکب کی پڑھائی اور ملازمت کے ساتھ، آتے ہی ممتا بننے کا امتحان بہت کڑا تھا۔ وہ جیسے اندر سے نچڑ کے رہ گئی تھی۔ اس کے برعکس ثمرہ نے اس امتحان کے لیے چار سال اپنے آپ کو تیار کیا تھا اب تو وہ اکثر خدا سے شکوے شکایت بھی کر بیٹھتی تھی۔ اس پر الگ ہی روپ آیا تھا۔ رنگ نکھرا زندگی کے شب و روز کا سلسلہ تھیں گویا بہاروں کا سندیسہ تھا۔ وہ خود آئینے میں اپنے آپ کو

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دیکھ کے شرما جاتی۔ جو دیکھتا بیٹا ہوگا دیکھ لینا۔ کہہ کے اس کے اندر سکون اتار دیتا۔

ثمرہ کے ہاں ساڑھے سات پونڈ کا گل گوتھنا ہوا۔ ماں اور باپ کے نین نقش میں سے ہر اچھی چیز اس نے لی۔ جبکہ کوکب امتیاز کے ہاں بہت سخت مرحلوں کے بعد چھ پونڈ کی بیٹی پیدا ہوئی مریل۔ سانولی...... چینی، موٹے ہونٹ......!

دونوں کو ساس نے ایک ہی کمرہ دیا تھا۔ وہ خود واکر کے سہارے چلتی تھیں۔ دور پرے کی رشتہ دار خاتون کو مہینہ بھر کے لیے بلایا تھا مٹھی چاپی نہ سہی کوئی یخنی، سوپ، دال، دلیہ تو زچہ کو چاہیے ہوتا ہے۔ ثمرہ اگر خوش تھی تو اس کا میاں نواز اور سسر سب بے حد خوش تھے کوکب ذرا چپ چاپ رہتی۔ اپنے اندر ہمت پیدا کر کے ایک دن ثمرہ نے اسے تسلی دی۔

''کوکب! دل چھوٹا نہ کرو، بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں۔''

''جی...... مجھے کچھ کہا آپ نے؟'' کوکب نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا...... ثمرہ کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی اس موضوع پر بات کرنے کی۔ کوکب نے خود ہی وضاحت کی۔

''بھابھی! میری امی کو کینسر کی گلٹی کا اریبہ کی پیدائش سے چند دن پہلے پتا چلا تھا۔ ان کی طبیعت خاصی خراب ہے شاید آپ غلط سمجھی ہیں۔''

کوکب نے اپنی بیٹی کا نام اریبہ اور ثمرہ نے بیٹے کا ولید نام رکھا۔ بیٹی کی پیدائش کے بیس بائیس دن کے بعد کوکب اپنی سابقہ روٹین پر آ گئی...... بچی کبھی گھر پر ہی رہتی، کبھی ڈے کیئر میں بھیج دیتی۔ ثمرہ اپنے آپ کو لاکھ سمجھاتی مگر اندر ہی اندر کمینہ سا موازنہ جاری رہتا۔ ولید کی من موہنی صورت تھی کہ جو دیکھتا پیار کیے بغیر نہ رہتا۔ اور اریبہ...... چوں چوں کا مربہ، بہتی ناک سانولی رنگت، سو بیماروں کی ایک بیمار۔

ڈیڑھ پونے دو سال بعد قدرت نے دونوں کو پھر اسی مقام پر لا کھڑا کیا۔ اریبہ چھوٹی بہن کی آپا اور ولید چھوٹے ننھے بھائی کا بھیا بن گیا۔ ثمرہ نہ چاہتے ہوئے بھی دو بیٹوں کی ماں بننے کے نشے میں تھی۔ اکثر ہی وہ اب اپنے لیے ''ہم'' کا صیغہ استعمال کرتی۔

''سنیے ایک لحاظ سے تو ہمارے لیے اچھا ہی ہوا...... کوکب کا آنا۔'' اس نے میاں کو مخاطب کیا۔

''وہ کیسے؟'' اخبار پڑھتے ہوئے میاں نے چونک کے پوچھا۔

''ایک تو قدرت نے ہماری تنہائی پر ترس کھایا دوسرا یہ کہ جو ہمیں ڈر تھا وہ تعلیم میں، ہنر میں گفتگو میں ہر چیز میں ہمیں دبا لے گی۔ تو ایسا نہیں ہو سکا ناں، کہنا تو نہیں چاہیے مگر دو بیٹیوں کی ماں بن کے گردن خود ہی نیچے ہو جاتی ہے ناں۔'' اپنی لمبی گردن کو اس نے مزید لمبا کیا......

''مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔ یہ خیالات قطعی تمہارے اپنے ہیں اور سچ پوچھو تو بے ہودہ ہیں۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اس کے لتے لیے۔

''آپ کو کیا دنیا کے ہر مرد کے اندر بیماری ہوتی ہے اپنی بیویوں کے مقابلے میں پرائی بیویوں کی حمایت کرنا......'' دل جلے انداز میں کہہ کے اس نے سوتے ہوئے نبیل کے منہ میں فیڈر ٹھونسا۔

☆☆☆

کوکب کی اسپیشلائزیشن مکمل ہو چکی تھی۔ وائیوا کے ساتھ ہی اس کی تیئس چوبیس سالہ تعلیمی کیریئر سے جان چھوٹی...... ٹی ایچ کیو (T.H.Q) میں اس کے لیے شان دار گھر بمعہ ملازمین حاضر تھا۔ وہ اپنی ساس سسر اور سامان کے ساتھ ڈی ایچ کیو شفٹ ہو چکی تھی...... گو ازدواجی زندگی کے ان چار سالوں میں کوکب اور ثمرہ کی کسی معاملے میں چپقلش یا ناراضی نہیں ہوئی تھی پھر بھی رخصت ہوتے ہوئے اس نے اپنے کہے ان کہے تمام فقروں کی معافی مانگی، ولید اور نبیل کو گود میں لے کے پیار کیا۔ بچوں کو تحائف دیے اور گلے مل

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ے رخصت ہوئی۔
کوکب اور اس کی بچیوں کے رخصت ہوتے
ثمرہ نے جائے نماز بچھائی۔
"ارے یہ بے وقت کی نماز خیر تو ہے۔" میاں
ے ٹوکا۔
"شکرانہ کے نفل ادا کر رہی ہوں۔ خیر سے
خوف سے تو چھٹکارہ ملا۔" سادگی سے بولی۔
"کس خوف سے؟" میاں نے تیوری
ھائی۔
"ارے بھئی آپ کو کیا معلوم، صبح کے گئے رات
واپس آتے ہیں۔ آپ کو کیا خبر کتنے حاسدوں کی
ریں بھسم کرنے کو تیار رہتی تھیں۔ اوپر سے طرح
ح کے موازنے۔ "نواز کے بیٹے لگتا ہے گڈے
گڈے۔ شہابی رنگت تیکھی ناک...... لگتا ہی نہیں
واز کے بچے ہیں۔" انہوں نے میاں کے قدرے
ولے رنگ پر چوٹ کی گویا۔ ایک تیر سے دو شکار
ے۔" رنگت تو خیر اللہ کی دین ہے۔ گورے کیا اور
لے کیا لیکن جب مرجھائے رنگ کی دبلی پتلی
یں ہوں تو صاف رنگت بھی شہابی بن جاتی ہے
ں۔" ثمرہ نے میاں کو ہم نوا بنانا چاہا۔
میاں نے بس آنکھ بھر کے اسے دیکھا بولے
ے نہیں۔

☆☆☆

گاہے بگاہے ثمرہ کو ساس سسر اور کوکب کی
یں پہنچتی رہتی تھیں۔ جس علاقے میں ان کو
مت اور رہائش میسر ہوئی تھی وہاں پر خواتین
ٹرز کم ہی تھیں۔ دنوں میں سارے علاقے مین
ب امتیاز کا چرچا ہوگیا۔ اپنے میکے سے کسی نہ کسی
کو علاج معالجے کے لیے وہ بھی ادھر ہی لے کے
ں...... تابعدار ملازم، وہ بڑا سا سرکاری گھر جس
سرونٹ کوارٹر سے لے کے مالی اور گارڈ یہاں تک
ڈرائیور کے لیے بھی کمرے موجود تھے۔ گھر کے
واڑے میں بڑا سا باغ جس میں کینو، امرود اور
چے کے درخت پھلوں سے جھکے ہی رہتے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بساطِ دل
بھی عجیب شے ہے
افشاں آفریدی
قیمت -/400 روپے

فصلِ غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

گلِ کہسار
فرح بخاری
قیمت -/400 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

تھوڑی سی محنت سے کوکب نے مالی بابا سے کہہ کے ٹماٹر، پودینہ، لہسن پیاز ہری مرچ کدو تک کے بیج ڈلو دیے۔ لان کے ایک طرف رات کی رانی اور چنبیلی اپنی خوشبو سے دور دور تک مسحور کرتیں۔ کبھی ایک درخت سے گلہری کود کر دوسرے پر جاتی کبھی دوسرے سے تیسرے پر علی الصبح کوئل کی کوکو تو ایسا مدھر ساز بن جاتی کہ زوار سجدۂ شکر سے ہی سر نہ اٹھا پاتا۔ ساس سسر ایسے تندرست ہوئے گویا بیمار ہی نہ تھے۔ بھلے نو کروں کی فوج ظفر موج ہو مگر ان سے کام لینا بھی وقت اور ہنر مانگتا ہے۔ اب یہ ذمہ داری کوکب کی ساس نے اپنے سر پر لے لی تھی۔ وقت پر جاگنا وقت پر اٹھنا۔ گھر کی تازہ سبزی، دنوں میں وہ چاق و چوبند ہوگئیں۔ ثمرہ کی موجودگی میں انہوں نے کام والی ماسی کو کام بتائے۔ ڈرائیور کو انٹر کام پر بچیوں کو اسکول سے لانے کا کہا۔ انہیں یوں کام کرتا دیکھ کے ثمرہ پلکیں تک جھپکنا بھول گئی۔

''آنٹی آپ تو تندرست ہوگئی ہیں۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے یہ فقرہ نکلا۔ ''بالکل۔''

''ہاں بیٹے! کوکب بہت خیال رکھتی ہے اور بچیاں تو بس میری جان ہیں جیسے۔'' انہوں نے خیالی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

ثمرہ چپ کی چپ رہ گئی۔ ناگواری کو چھپانے کی کوشش کی مگر اندر تک گلس کر رہ گئی۔ اپنا کام چھوڑ کر واپس آگئی بغیر کوکب سے ملے......

اس رات دیر تک وہ کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ آنسو دامن کے ساتھ ساتھ تکیے کو بھی بھگوتے رہے، کچھ اندر سے جیسے ٹوٹا تھا...... دل میں کچھ کمینی سی خواہش تھی۔ بیٹیاں ریں ریں کر کے باجا بجا رہی ہوں گی۔ کوکب ملازمت کی ٹینشن سے سر دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھی ہوگی۔ ساس نے سیاپا ڈالا ہوگا کہ ملازم قابو میں نہیں آتے۔ کھانا کا وقت پر نہیں ملتا۔ چلو اچھا ہوا ثمرہ تم آگئیں۔ میں بھی دو دن آرام سے گزار لوں گی تمہارے ساتھ ہی چلی جاتی ہوں ایسا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ جو بھی ہو، اس نے سوتے ہوئے میاں پر نظر ڈالی۔ میں نے ہر صورت میں آنٹی کو اپنے پاس رکھنا ہے۔ یہ کوئی انصاف ہے ادھر دو بچیاں اور درجن بھر ملازم، اور میں بیٹوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کے ہلکان ہو جاتی ہوں، بیٹیاں تو پھر ایک مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ دو تو دو گھنٹے آرام سے کونے میں بیٹھی رہتی ہیں لڑکے کوئی ٹک کے بیٹھنے والی چیز تھوڑا ہی ہوتے ہیں یہ مارا وہ مارا، یہ جا وہ جا...... بس دو چار دن میں آنٹی کو لے آؤں گی۔ دونوں اولادیں برابر کا حق مانگتی ہیں۔ ہاں تو'' اس نے جب یہ ارادہ باندھا تو اس کے ساتھ ہی پرسکون نیند کی گود میں چلی گئی۔

اگلے دو چار دن ذرا مصروفیت کے رہے۔

''ویسے بھی اتنی جلدی نہیں ابھی تو وہاں سے ہو کے آئی ہوں کیا کہیں گی وہ...... جب جانے کے لیے پر تول رہی تھی تو آنٹی کا فون آگیا۔ ان کی آواز سنتے ہی وہ پرجوش ہوگئی۔

''آنٹی! آپ کیسی ہیں! میں آپ کو لینے آرہی ہوں۔''

''مجھے؟ مگر وہ کیوں؟ کوکب کی طبیعت آج کل کچھ خراب ہے۔ بہت کمزوری ہو رہی ہے الٹیاں متلی...... آدھی بھی نہیں رہ گئی وزن میں۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہا۔

''طبیعت خراب ہے...... اوہ......'' وہ بجھ سی گئی۔

''چلو اچھا ہے، اللہ بہنوں کو بھائی دے۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

''بیٹا یا بیٹی......'' اتنا انتظار تو کوکب کو خود بھی نہ ہوگا جتنا ثمرہ دن گن گن کے گزار رہی تھی۔ کبھی تو وہ دل سے کوکب کے لیے بیٹے کی دعا کرتی اور کبھی لاتعلق سی بن جاتی۔ اس کے حساب سے ابھی تین ساڑھے تین ماہ باقی تھے جب رات گئے آنٹی کا فون آیا۔

''ثمرہ دعا کرو...... کوکب کی زندگی خطرے میں ہے۔'' ان کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔ اکلوتی نند سائرہ فوراً ڈی ایچ کیو پہنچ چکی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بچوں کو بہن کے سپرد کر کے ثمرہ بھی کوکب کی تیمارداری کے لیے پہنچ گئی۔ ساس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ کوکب آئی سی یو میں تھی ستوانسی (ساتویں مہینے) بچی پیدا ہوئی تھی وہ بھی انکیوبیٹر میں تھی۔ سب کچھ بھلا کے ثمرہ نے بھی دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے۔

تین ساڑھے تین گھنٹوں کے بعد کوکب کو باہر لایا گیا۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ صحیح معنوں میں وہ قبر کا منہ دیکھ کے آئی تھی...... خون کی کمی تھی یا تیسری بچی کی پیدائش ثمرہ کو کوکب کی آنکھیں غیر معمولی حد تک بے رونق لگیں۔ اجڑی وحشت زدہ آنکھیں......!!

اس کی حالت دیکھ کے ثمرہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔ ”جو بھی ہے بچیوں کی ماں ہے اللہ اسے صحت سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔“ اس نے دل سے دعا مانگی...... دوسرے دن وہ واپس آ گئی۔ بیٹوں کا اسکول تبدیل کیا تھا شروع والے کچھ مسائل تھے۔ وہ چاہنے کے باوجود رک نہ سکی۔ بہرحال آنا ہی تھا اسے آج کیا اور دو دن کے بعد کیا۔ بچے بھی ماں کے بغیر اداس ہو گئے تھے۔

اگلے دن صبح سویرے ہی پڑوس میں فوتگی ہو گئی۔ دو ہفتے بعد بڑی مشکل سے وہ چھٹی کے دن بچوں کے ساتھ کوکب کے ہاں گئی۔ کوکب اور بچی دونوں گھر میں ہی تھیں۔ بچی بہت کمزور تھی۔ ہتھیلی پر رکھو تو ہتھیلی سائز میں بڑی لگے ظاہر ہے ست واسی بچی دو ڈھائی پونڈ کی ہو سکتی ہے اس نے اندازہ لگایا۔ کوکب بھی خاموش ہی رہی۔

”کوکب ٹھیک تو ہو تم۔“ ثمرہ نے پوچھا۔

”ہاں کمزوری بہت ہے۔“ آنکھ کے ایک کونے سے جانے کیسے ایک آنسو بے قابو ہو کے نکلا اور اس کی درد بھری داستان کا گواہ بن گیا۔

”کوکب حوصلہ رکھو۔ میری خالہ کے ہاں پانچ بیٹیاں تھیں۔ اللہ بیٹا بھی دے گا۔“ ثمرہ نے اپنے انداز سے دلجوئی کی۔

”کیا؟“ کوکب نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی۔ ”آپ سے کس نے کہا ہے کہ میں بیٹی ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں۔“ اس کا لہجہ کچھ بلند ہوا۔ ”ماریہ کی پیدائش میں کچھ کومپلی کیشنز ہو گئی تھیں ڈاکٹرز کو ساتھ ہی ہسٹریکٹمی (یوٹرس نکالنے کا آپریشن) کا آپریشن کرنا پڑا۔ میں خود ڈاکٹر ہوں ناں مجھے اس سرجری میں سائڈ افیکشن کا علم ہے اس لیے پریشان رہتی ہوں۔“ تیز تیز بولتے ہوئے کوکب کا سانس پھولنے لگا۔ ”آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں بیٹی ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ خدارا ایسے مت سوچیے۔ اللہ نے ماں کے قدموں تلے جنت کا وعدہ اولاد کی وجہ سے کیا ہے یا بیٹے کی وجہ سے۔“

”سوری پتا نہیں مجھے ایسے محسوس ہوا۔ کوئی بھی تھرڈ پرسن تیسری بیٹی کی پیدائش پر ایسے ہی سوچتا ہو گا۔“ ثمرہ نے پھسپھسی سی تاویل پیش کی۔

”آئندہ ایسے مت کہنا مجھے دکھ ہوتا ہے۔“

کوکب نے آنکھیں بند کر لیں ثمرہ بھی مٹھی میں دبے کچھ نوٹ بچی کے پاس رکھ کے پلٹ آئی۔

اس آدھ چھٹانک کی بچی کے سائز کے کپڑے تو ملنے سے رہے۔ یہ سوچ کے اس نے پیسے دینے کا ہی ارادہ بنایا۔

گھر واپس آتے ہوئے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی شرمندگی نہ ہوئی کہ کوکب کو اس کے فقروں سے کتنی ذہنی اذیت ہوئی ہو گی۔

”چلو جی وہ اپنے گھر میں اپنی بیٹیوں میں خوش ہم اپنے بیٹوں میں خوش۔“ اس نے مسکراتے ہوئے گھر میں قدم رکھا۔

☆☆☆

زندگی کے اس مرحلہ پر اسے اس چیز پر تو کامل یقین تھا کہ کامیاب زندگی کے لیے اعلیٰ ڈگریاں اعلیٰ ادارے کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اس نے بھی اپنی آئندہ زندگی میں سگھڑ بیویوں کی طرح اپنے آپ کو گھر تک محدود کر لیا۔ اپنی پسند پر بچوں کی تعلیم کو فوقیت دی۔ اپنے کپڑے زیور کے شوق کو فی الحال گہری نیند سلایا اور تن من دھن سے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کمر کس

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

لی۔

★★★

یہ تو اسے بھی پتا تھا کہ پولیو زدہ ٹانگ کے ساتھ کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا ہاں اگر بینک بیلنس، بہت بڑی ڈگری اس سے بھی بڑا عہدہ موجود ہو تو اندھے کانے سب رشتے قبول ہوتے ہیں۔ کوکب جو کچھ بھی تھی اور جو کچھ بھی ہے محض تعلیم کے بل بوتے پر، وگرنہ اس کے ابا کی کتابوں کی دکان تھی۔ چھوٹے سے دو کمروں کے گھر میں ان سات بہن بھائیوں نے شادی سے پہلے کی زندگی گزاری، ساتوں بہن بھائی کمرے میں فرش پر سوتے تھے تو آٹھویں بندے کے گزرنے کی جگہ باقی نہیں بچتی تھی۔

☆☆☆

ثمرہ کی دن رات کی کاوشیں بار آور ثابت ہوئیں۔ اس کے دونوں بیٹے ولید اور نبیل اس کی توقع سے کہیں اچھے ثابت ہوئے۔ ماں کے بنائے شیڈول پر وہ بغیر چوں چرا کے عمل کرتے رہے۔ فجر کی نماز کے وقت ہلکا پھلکا ناشتہ کروا کے وہ انہیں واک کے لیے بھیجتی پھر اسکول۔ آدھ گھنٹہ کے وقفہ کے بعد قاری صاحب پھر اکیڈمی، رات سونے سے قبل صرف ایک گھنٹہ دونوں بیٹوں کے پاس اپنی پسند کے مطابق مصروف رہنے کا ہوتا تھا۔ ثمرہ جس طرح جان ماری سے ہلکان ہو رہی تھی اور بچے اعلیٰ سے اعلیٰ گریڈ لے رہے تھے شاید ہی کوئی امتحان ہو جس میں وہ بغیر شیلڈ یا میڈل کے واپس آئے ہوں۔

اس پر نواز کے دل سے اس کے متعلق رہی سہی رنجش بھی دھل گئی تھی۔ بچوں کی ہر چھوٹی بڑی کامیابی کی خبر وہ بڑے انداز سے بریک کرتی۔ کبھی گیٹ ٹوگیدر کبھی کوئی خاص کیک پیسٹری یا مٹھائی سب اہل محلہ اور عزیز واقارب میں بھجوانا۔ سوشل میڈیا کا دور آیا تو واٹس ایپ کے اسٹیٹس فیس بک پر میڈل لینے کی تصویریں اپ لوڈ ہونے لگیں۔ مبارکبادوں کے پیغام ملتے تو جھوم جھوم جاتی۔ کوکب کے ہاں پہلے ہی جانا کچھ کم ہو گیا تھا۔

دو تین سال کے بعد اس کی ٹرانسفر چار پانچ ضلع دور ہو گئی تو وہ بھی دل سے خوش ہو گئی۔ ان کے متعلق اُڑتی اُڑتی سی خبر بس ساس سے ہی ملتی۔ اتنے بڑے عہدے پر تھی مگر سوشل میڈیا پر اس کا ذکر تک نہ تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے خود انہیں بتایا کہ نبیل نے ماشاء اللہ میٹرک میں تحصیل میں پہلی پوزیشن لی ہے۔

اسی رات کوکب زوار بچیاں سب آئے، تحفے تحائف سے لدے پھندے۔ خوش باش آئے اور خوش باش رخصت ہو گئے۔ وقت کچھ آگے سرکا۔ ساس سسر بھی ایک سال کے وقفے سے ابدی سفر پر روانہ ہوئے۔ سائرہ کینیڈا شفٹ ہو گئی۔ اور کوکب سے رابطہ برائے نام رہ گیا۔ ولید کمپیوٹر میں ماسٹرز کے بعد اسکالرشپ پر امریکہ چلا گیا۔ وہاں جانے سے پہلے بطور خاص ثمرہ اسے چچا چچی سے ملوانے کے لیے لے گئی۔ سارے سفر میں وہ اسے ہدایت دیتی رہی۔

''بیٹا آیت الکرسی پڑھ کے اپنے اوپر پھونک مار لینا۔'' خود چاروں قل پڑھ کے پھونک ماری۔

''افوہ...... امی ایسے کیوں کر رہی ہیں!'' ولید چڑ گیا۔

''بے وقوف کچھ لوگوں کی نظر بد بہت جلدی اثر کرتی ہے سانپ کے زہر سے بھی جلد۔'' ثمرہ نے اسے سمجھایا۔

کوکب نے بہت اچھی طرح ان کی میزبانی کی۔ نہ نہ کرتے ہوئے بھی اس کی جیب میں خاصا وزنی لفافہ ڈال دیا۔ ثمرہ کے لیے بہترین برانڈ کا سوٹ۔

''کوکب تم تو ہم لوگوں کو بالکل ہی بھول گئی ہو۔'' ثمرہ نے پیار بھرے انداز میں خفگی کا اظہار کیا۔

''ریٹائرمنٹ کے بعد ہی شاید وقت ملے گا بہت ٹف زندگی ہے میری۔'' کوکب نے سادگی سے جواب دیا۔

ولید اور ثمرہ دونوں نے گھر کا جائزہ لیا.....

''بہت اچھا گھر بنایا ہے آپ نے۔'' ولید نے اعتراف کیا۔

''تمہارے چچا نے ہمت کی وگرنہ تو گھر بنوانا

WWW.PAKISTANIPOINT.COM WAQAR AZEEM

آسان کام تھوڑا ہی ہے' اچھے بھلے بندے کا ایک مکان بناتے بناتے ڈیڑھ دو انچ قد گھس کے چھوٹا ہو جاتا ہے۔''

''بڑی بچیاں نظر نہیں آرہیں۔'' ثمرہ نے پھر خالی گھر میں نظر دوڑائی۔

''کالج کے بعد انہوں نے قرآن فہمی کی کلاسز لینا ہوتی ہیں بس آنے والی ہوں گی۔'' کوکب کے لہجہ میں بیٹیوں کے ذکر پر مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔

دونوں کو کوکب نے بہت گرمجوشی سے رخصت کیا۔ گھر والوں کے لیے کھانا بھی پیک کر کے ساتھ بجھوایا۔

رات سونے لیٹی تو خوامخواہ ہی ایک سوچ دل و دماغ پر قبضہ کر کے بیٹھ گئی۔ کہاں کی نیند اور کہاں کا آرام، ساری رات بس ایک ہی خیال آتا رہا۔

''کوکب کہیں اتنا پیار اس لیے تو نہیں نچھاور کر رہی تھی کہ ولید جیسا قابل داماد مل جائے گا۔''

''اف ...... جتنا اس خیال کو کھرچتی۔ وہ اور طاقتور ہو کے چاروں اور حملہ آور ہوتا۔

جو جل اٹھتا تھا یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے تھے۔

☆☆☆

اگلے ہفتہ ولید کی فلائٹ تھی وہ چلا گیا اور ساتھ میں ماں کا دل بھی لے گیا...... ہر وقت یہی دل چاہتا کہ ہاتھ میں موبائل ہو ولید سے بات ہوتی رہے یا اس کی تصویریں دیکھتی رہوں۔ دو چار دن میں دو تین مرتبہ تو کوکب کی بھی کال آئی۔

''بھابی! سنائیے ولید پہنچ گیا۔ خیریت سے ہے۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے اس کی کلاس میں کئی پاکستانی لڑکے ہیں اس لیے خاص مسئلہ نہیں ہوا۔'' ثمرہ نے جواب دیا۔

ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون تو بند ہو گیا مگر ثمرہ کو اپنی سوچ میں طاقت محسوس ہوئی کئی کئی ماہ فون نہ کرنے والی' رابطہ نہ رکھنے والی کوکب اتنیاز ہفتہ میں دو دو فون بلاوجہ تو نہیں کرتی۔

میاں سے یہ سوچ شیئر کی تو انہوں نے پہلے تو خوب لعن طعن کی۔ ''ایسے ہی تمہارا دماغ فضول سوچوں کا ٹھکانہ ہے۔ تمہیں سوچنے کے لیے اور بات نہیں ملتی۔'' پھر کچھ دیر کے بعد لہجہ ہی بدل گیا۔

''ویسے ایک لمحہ کے لیے سوچو انہوں نے ہمارا کبھی برا چاہا نہ ہم نے۔ ایسا ہو بھی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔''

''اوییں ای...... میرا بیٹا ہے۔ کس آرام سے آپ نے کہہ دیا۔ میں جہاں چاہوں گی وہیں سلسلہ چلے گا۔ فی الحال تو اسے تعلیم مکمل کرنے دیں پی ایچ ڈی کے لیے تین چار سال تو کہیں نہیں گئے۔''

ثمرہ کے سارے دن اب ایسے ہی گزر رہے تھے۔ ولید کے فون کا انتظار ہو رہا ہے یا فون سننے کے بعد گھنٹوں بیٹھی اس پر تبصرہ کرتی رہتی۔ ایسے ہی ایک چمکیلی صبح انہیں کوکب کا فون آیا۔ سلام دعا کے فوری بعد کہنے لگیں۔

''بھابی کل آپ لوگ فارغ ہیں؟''

''ہاں کیوں؟ ثمرہ نے دانستہ کچھ مزید پوچھنے سے اپنے آپ کو روکا۔

''اریبہ کا رشتہ آیا تھا۔ منگنی کے بجائے ہم لوگ نکاح کا ہی فائنل کر رہے ہیں بس گھر کے افراد ہوں گے۔ لڑکا سعودیہ میں ہے آج کل آیا ہوا ہے۔ نکاح کے بعد کاغذات بننے میں آسانی ہوتی ہے ناں۔''

''اریبہ کا نکاح......'' بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں کیوں بھابی؟'' کوکب کی آواز میں کچھ تحیّر تھا۔

''نہیں نہیں، میں تو خوش ہو رہی ہوں اور حیران بھی کہ ماشاءاللہ اتنی بڑی ہو گئی۔ ضرور آؤں گی کیوں نہیں۔'' اس نے دعائیں دے کے فون کال کاٹ دی۔ سر سے منوں وزن ــ ٹل گیا۔

میاں کو بتایا تو خوب کلاس ہوئی۔ خاموشی سے سنتی رہی ''یہ کوکب بھی ـــــ ہمیشہ سے ایسے ہی سین کری ایٹ کرتی ہے۔

نکاح میں واقعی سائرہ، اس کے بچے اور کوکب

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کی دو بھابیاں دو بہنیں شامل تھیں۔ ثمرہ نے خوب فرصت سے ایک ایک فرد کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ سادہ سے لوگ تھے۔ زیور کے دو سیٹ، چھ چوڑیاں۔ ہیرے کی انگوٹھی کئی طرح کے قیمتی سوٹ بتا رہے تھے کہ صرف پیسے والے ہی نہیں دل والے بھی ہیں۔ اریبہ سے چھوٹی بہنوں کو بھی بریسلٹ دیے کوکب کو گولڈ کا نازک سا سیٹ، وہ شرما شرما کے انکار کر رہی تھی ہم تو بیٹی والے ہیں۔

”تو کیا بیٹی والے کچھ نہیں لے سکتے؟ ارے آپ نے اتنی پیاری بچی ہمیں سونپ دی، ہم یہ معمولی سا تحفہ نہیں دے سکتے، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔“ ایک نفیس باوقار سی خاتون نے کوکب جواب دیا۔ لڑکا بھی بہت ڈیسنٹ اور سنجیدہ مزاج کا لگ رہا تھا۔

شام ڈھلے اریبہ کے سسرالی رخصت ہوئے۔ ایک ایک فرد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بہترین میزبانی پر، اتنی پیاری بیٹی دینے پر تہہ دل سے جیسے احسان مند تھیں۔

☆☆☆

ثمرہ کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع تھا۔ نواز گھر آنے کے بعد جتنا خوش تھے وہ اتنی ہی خاموش مہر بہ لب!!!

”ارے ثمرہ بیگم! نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے جب سے میری بھتیجی کے نکاح سے واپس آئی ہو کچھ چپ چپ سی ہو آنکھیں بھی کچھ سوچتی اور کچھ کھوجتی سی محسوس ہو رہی ہیں۔“ میاں صاحب نے نعرہ لگایا۔

”آپ کو تو بس وہم ہو گیا ہے کہ میں ان کی خوشیوں پر خوش نہیں ہوتی۔“ ثمرہ نے منہ ادھر کیے بغیر جواب دیا۔

”واہ واہ...... یہ بات منہ میری طرف کر کے کہیے ناں۔ کہیں اللہ نہ کرے آپ کے دل میں یہ خواہش تو نہیں تھی کہ کوکب بھابھی آپ سے رشتہ کے لیے منت سماجت کریں گی۔“

”نہیں...... نہیں ایسے کیوں سوچا، آپ نے......“ اس دم ثمرہ کو خود اپنی آواز کھوکھلی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ”خیر جانے دیں“۔ اس نے بات کا رخ پلٹا۔ میاں صاحب کے سونے کے بعد اس نے ولید کو کال ملا کے یہ خبر سنائی۔ ولید خلاف توقع سنتے ہی چپ ہو گیا۔

”کیا بات ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ چچی کی تین میں سے ایک بیٹی اپنے گھر کی ہوئی، اچھے سادہ سے ملنسار لوگ ہیں۔“ ثمرہ نے کریدا۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ بجھی سی آواز لگی ثمرہ کو اس کی۔

”پہلے تو خوب چہک رہے تھے اب ایک دم مردنی چھا گئی ہے۔“ انہوں نے تفتیش جاری رکھی۔

”اوہو آپ پیچھے نہ پڑ جایا کریں بندے کے ہزار مسئلے مسائل ہوتے ہیں، ایک ایک بات بتانے کی تو نہیں ہوتی۔“ اس نے سخت لہجے میں ماں کو کہا اور فون بند کر دیا۔

باقی رات بس جلتے بجھتے انگاروں پر ہی گزری۔ ولید کی فطرت صلح جو تھی جبکہ نبیل ذرا کھڑ لہجے میں بات کرنے والا تھا۔ آج ولید نے ساری فطرت ایک طرف رکھ دی۔ آنکھوں سے بھل بھل بہتے پانی کو صاف کرتے باقی رات بھی بیت گئی۔ کئی طرح کی سوچیں حملہ آور ہوتی رہیں۔ ارے کہیں ولید ہی تو رار یبہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ولید بات بھی اب مختصر کرتا تھا وہی رٹے رٹائے مخصوص فقرے۔ موسم کا حال احوال، اسٹور پر کام زیادہ ہونے کی بات۔ جن کا اختتامیہ عرصہ گیارہ ماہ دس دن کے بعد یہ تھا کہ

میں نے یہاں پر اپنی کلاس فیلو جیکی سے شادی کر لی ہے۔ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے لیکن جیکی نے مقامی اسلامک سینٹر میں جا کے کلمہ پڑھا ہے اور جیکی سے نام بدل کر جمیلہ رکھا ہے۔ بہت پیسے والی ہے۔ خوب صورت بھی بہت ہے۔“

ثمرہ کو نہیں یاد سوبائل اس خبر کے بعد اس کے ہاتھ سے پہلے گرا تھا یا وہ خود لیکن موبائل کے تو بس دو ٹکڑے ہوئے تھے جبکہ ان کے دل کے سینکڑوں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ٹکڑے ہو گئے تھے۔ کرچیاں...... لہولہان...... اتنی جلدی...... آنسو نہ تھے زخمی دل کے ٹکڑے تھے جو آنکھوں سے باہر آئے اور وجود کو چھلنی کر رہے تھے۔
یہ وہ زندگی تو نہ تھی جس کا اس نے خواب دیکھا تھا۔ جس کے لیے مشقت کی تھی بیسیاں ڈال ڈال کے کنگن، بندیا، کیا کیا؟ کچھ نہ خرید رکھا تھا اس نے......
اس دکھ سے نکلنے میں اسے دن اور مہینے نہیں پورا ایک سال لگا۔ پورے سال میں اس نے ساری دنیا اور دنیا والوں سے رابطہ کاٹ دیا تھا۔ ہائے لوگ کیا کہیں گے اتنا فرماں بردار بیٹا اتنا ذہین۔ خود ہی شادی کر کے بیٹھ گیا۔
اس سال اسے اپنے غم کو کندھا دینے کے لیے بہت سے غم ملتے رہے، پہلے ابا فوت ہوئے، وہ ان کی چارپائی پر سر رکھے بلک بلک کر روئی۔ دل پانی بن کے آنکھوں سے بہہ نکلا۔ لوگ سمجھتے رہے باپ کی خدمت نہ کرنے کا باپ کی جدائی کا غم رلا رہا ہے لیکن یہ تو وہ جانتی تھی۔ کون سا غم دل کو کھا چکا ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد بڑے بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اچھے بھلے دکان بند کر کے آ رہے تھے ایک ٹرک ملک الموت کی صورت ان کا کام مکمل کر گیا۔ اب کے اس کا غم کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہو گیا تھا۔
ولید نے پاکستان آنے کی تمام صورتوں کی نفی کر دی تھی۔
''کمال کرتی ہیں ماما آپ چار پانچ سال تو سوچیے مت۔''
اس نے دلار سے فرمائش کی۔ ''پھر اپنی بیوی جیکی کو بھیج دو۔'' اس پر ولید نے قہقہہ لگایا۔
''ام...... می می می......'' وہ ہنستے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا۔'' وہ ان امریکی عورتوں میں سے نہیں جنہیں پاکستان دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ تو پاکستان کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی، خوف زدہ ہو جاتی ہے۔'' ثمرہ نے ہتھیار نہ پھینکے۔ جرح جاری رکھی۔ ''تو تم ہی بتاؤ اپنے پوتی پوتیوں کو گود میں لینے کے لیے برستی دنیا سے چلی جاؤں گی۔ تم تو ایسے نہ تھے۔''
''لطیفہ...... اوف...... جیکی بچوں کو بھی خاص پسند نہیں کرتی کم از کم چھ سات سال تو میرا ابھی پلان نہیں ہے۔''
ثمرہ بت بنی موبائل اسکرین کو دیکھتی رہی۔ پتا نہیں کتنے منٹ وہ بے جان وجود کی طرح وہیں کھڑی رہی۔ اس نے وہاں سے ہلنا چاہا مگر اس کی ٹانگوں نے ہلنے سے انکار کر دیا۔ اس کے دونوں پیروں نے اس کے وجود کو سہارا دینے سے انکار کر دیا۔ وہ منہ کے بل گری، ہوش و حواس سے وقتی طور پر اس کا تعلق نہ رہا تھا۔ نبیل اچانک کچھ گرنے کی آواز سن کے آیا اس نے ماں کو گھسیٹ کے گاڑی میں ڈالا۔ اسے انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔ نبیل نے رپورٹس چچی کو فیکس کر دیں۔
چچی کے ہاں ماں اور باپ کو چھوڑ کے وہ یونیورسٹی جا چکا تھا۔ اس کی بھی حاضری لازمی تھی۔ جو دو چار دن وہ کوکب کے پاس رہی، کوکب پر رشک آتا رہا۔ اریبہ کا شوہر سعودیہ سے واپس آ چکا تھا۔ واپس آتے ہی سادگی سے انہوں نے رخصتی کروالی اریبہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ شوہر جانثار تھا۔ دن میں ایک دو مرتبہ فون کالز کے ذریعہ ایک ویک اینڈ پر شرف ملاقات حاصل ہوتا۔
کوکب ریٹائرڈ ہو چکی تھی۔ دوسری بچی کا رشتہ بھی طے کر دیا تھا۔ ثمرہ بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔ بھائی کی موت پر اس کا غم لاوا بن کے بہہ نکلا...... پھر کچھ سکون آ گیا۔ اس نے سمجھوتہ کر لیا۔ اس نے خود ہی معاہدہ کر لیا۔ ولید جب فون کرے آنا چاہیے۔ آئے مگر وہ مجبور نہیں کرے گی۔
اب اکثر وہ نبیل کو گھیر لیتی۔ اس کے ہاتھ پکڑے بیٹھی رہتی۔ نبیل فطری طور پر ذرا بے حس تھا۔ اکثر چڑ جاتا۔
''ماما آپ تسلی رکھیے میں ملک سے باہر جاؤں گا نہ کسی انگریز سے شادی کروں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' ثمرہ اندر تک نہال ہو گئی۔ کچھ میاں کے دن رات سمجھانے کا اثر ہوا اب اس کے دل میں اچانک ہی خواہش پیدا ہوئی وہ کوکب کی چھوٹی علینہ سے نبیل

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کا رشتہ طے کر دے۔ یہ سنتے ہی نواز کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ "ہاں خیال تو بہت اچھا ہے مگر پہلے نبیل سے بات کر لو۔"

"نبیل سے؟" اس نے بھنویں اُچکائیں۔

"وہ کیا کہے گا؟"

"پھر بھی، بعد میں مسئلہ نہ ہو۔ بات کر لو تو زیادہ بہتر ہے۔"

خوشی خوشی ثمرہ نے لا کر کھول کے ولید کی دلہن کے لیے بنوایا کنگن بندیا، ڈائمنڈ رنگ نکالی۔ ویک اینڈ پر نبیل آیا۔ اس نے سرشاری کے عالم میں ساری چیزیں نبیل کے سامنے رکھیں۔

نبیل موبائل پر کچھ سرچ کر رہا تھا۔ اس نے سرسری سی نظر ڈالی "جی ماما! یہ کس لیے دکھا رہی ہیں مجھے۔"

"کیسی ہیں یہ ساری چیزیں؟" اس نے خوشی سے پوچھا۔

"اچھی ہیں کس کے لیے ہیں؟"

"تمہاری دلہن کے لیے۔" "علینہ کے لیے۔"

انہوں نے بیٹے کی ناسمجھی پر ماتم کیا۔

"میری دلہن، علی نا...... کون علینہ؟" اسے تو شاید چچی کی اس بیٹی کے نام سے ہی واقفیت تھی۔

"علینہ زوار...... تمہارے چچا کی بیٹی......" ثمرہ نے وضاحت کی۔

"سوری امی۔ آپ برا مانیں یا...... اچھا میں شادی اپنی مرضی سے ہی کروں گا۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں۔ اس زمانے میں کون اپنے پیرنٹس کی پسند پر بن دیکھے شادی کرتا ہے۔" وہ قطعیت سے بولا۔

ثمرہ پھر مٹی کا بت بن بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ اس کے ہونٹ ساکت اور دل گوشت کا لوتھڑا انہیں غم کا سنگ میل بن گیا تھا۔

"پتا نہیں آپ کو ولید بھائی کے فیصلے سے بھی سبق نہیں ملا۔ انسان دنیا میں جو چار دن رہنے کے لیے آیا ہے وہ تو اپنی مرضی سے رہ لے۔" وہ کمرے سے نکل گیا۔ سچ پوچھیں تو ثمرہ کی زندگی سے بھی نکل گیا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوتا مگر اجنبیوں کی طرح۔ سرد چہرے، روکھے لہجہ کے ساتھ ضروری مختصر بات کی جاتی۔

ثمرہ کا خیال تھا شاید ماں کی بیگانگی سے وہ فیصلہ پر نظر ثانی کر لے مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتی۔ جہاں کلیاں مہکتی تھیں شگوفے چٹخنے تھیں۔ بہاریں تھیں خوشبوئیں تھے۔ ننھے منے قدم اٹھاتے دونوں بیٹے تھے۔ مگر بچے ماں کی انگلی تھامے بغیر کہیں نہ جاتے۔

میاں لاکھ سمجھاتا...... "سمجھوتا کر لینے میں ہی عافیت ہے۔ یہی دستور دنیا ہے۔ جیسے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں کرنے دو۔" مگر وہ میاں کو "آپ کی تو کھال موٹی ہے۔ کہہ کے چپ کروا دیتی۔

پھر جب کیلنڈر نے مزید صفحہ پلٹا، کوکب گھبرایا ہوا فون آیا۔

"زوار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بھیا کو بتا دیں۔" وہ دونوں جس حال میں تھے فوراً اٹھ کر روانہ ہوئے۔

زوار کو اندرونی چوٹیں لگی تھیں، بچنے کے امکانات نہیں تھے۔ آخری سانس تک ہوش قائم تھے۔ سب کی موجودگی میں اس نے کوکب کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اس کا بہترین رفاقت پر شکریہ ادا کیا۔ جدائی کو عارضی جدائی سمجھ کر حوصلہ اور ہمت رکھنے کی تلقین کی۔ داماد کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔

خون زیادہ بہہ جانے سے دونوں گردے ناکارہ ہو چکے تھے۔ مگر موت سے کسی کو مفر نہیں۔ عدت کے دوران ثمرہ کا زیادہ وقت کوکب کے پاس ہی گزرا۔ ایک آدھ مرتبہ وہ گھر گئی۔ گھر کیا تھا خالی ڈھنڈار، سرائے، ویرانی، اجڑا ہوا دل، نبیل نے ماں کے قریب آ کے انہیں درخواست پیش کی، وہ گھر میں رہیں اور نبیل کا رشتہ لے کے ابا کے ساتھ حرا کی طرف جائیں۔

ثمرہ خاموش رہی۔ اس کی خاموشی سے نبیل چڑ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کے بولا۔ ''امی! شادی تو مجھے حرا کے ساتھ ہی کرنا ہے وہ بہت بڑے انڈسٹریلسٹ کی بیٹی ہے بھائی ایم این اے ہے۔ ددھیال ساری لینڈ لارڈ ہے۔ بات تو سب سمجھیے پانچ سال سے طے ہے بس میں اپنے آپ کو پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا رہا تھا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا، ہم دونوں جائیں گے۔ بیٹا ہو یا بیٹی، دونوں کا وقار اسی میں ہے کہ وہ اپنے بڑوں سے معاملات طے کروائیں۔ ہم ضرور چلیں گے۔ اپنی امی کی طرف مت دیکھو، وہ زوار کی وفات کے بعد کم ہی بولتی ہیں۔'' نواز نے نبیل کو تسلی دی۔

اگلی شام نہ چاہتے ہوئے بھی ثمرہ کو ساتھ نبھانا پڑا۔ نبیل کی فراہم کردہ ڈائمنڈ رنگ اور ولید کی دلہن کے لیے رکھا ہوا کنگن حرا کو پہنایا۔ اسی ماہ کی ستائیس رخصتی کی تاریخ طے کردی گئی۔ دنیا اس رشتہ پر واہ واہ کر رہی تھی۔ دولت، دھن، حسن ہر چیز میں نبیل کی سسرال کا ہم سر کوئی نہ تھا۔ مگر ثمرہ کے لیے اب دولت دھن کی کوئی وقعت نہ تھی، کاغذ کے بے جان ٹکڑے۔ جو ضرورت تو پوری کرتے ہیں مگر دل کا سکون اس میں نہیں۔

گھر واپسی پر نبیل نے بتایا تھا کہ بحریہ ٹاؤن میں ایک کنال کا فرنشڈ گھر اور گاڑی سسرال نے دی ہے۔ شادی کے بعد یعنی رخصتی کے بعد حرا اسی بحریہ ٹاؤن والے گھر میں ہی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ثمرہ نے دو لفظوں میں جواب دیا۔ ''تابوت میں پہلا کیل ٹھونکنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پھر کیل پر لگنے والی ضرب وہ تکلیف نہیں دیتی۔'' ثمرہ نے سوچا۔

☆☆☆

زوبوٹ کی طرح ثمرہ نے شادی کی تقریب میں شرکت کی۔ نبیل بہت خوش تھا اور جس ہوٹل میں اس نے ولیمہ کی دعوت دی تھی، اس کے لیے شاید وہ پانچ سال سے جمع جوڑنے میں مصروف رہا تھا۔ اگر وہ دعوت دے کر دیتا ماں باپ کو ساتھ رہنے کی تو وہ کون سا ساتھ چلے جاتے ..... شادی کی اختتامیہ

رسومات کے بعد ثمرہ پھر کوکب کے پاس چلی گئی۔ اس کی عدت بھی دو ایک ہفتوں میں ختم ہونے کو تھی۔ عدت کے فوری بعد اریبہ سے چھوٹی ماریہ کا نکاح تھا جب ایک دم ہی سب سے چھوٹی علینہ کا رشتہ آیا۔ رشتہ معقول تھا لیکن کوکب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''بیٹا! میں اتنی جلدی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی، پہلے تو تمہارے ابو تھے۔ میری انگلی پکڑ کر چلنے والے۔'' اس نے بڑی بیٹی سے کہا۔

اریبہ مسکرائی۔ ''امی! رشتہ بہت اچھا ہے، ان کی مجبوری کو سمجھیے وہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے صرف کرسمس کی چھٹیوں میں سب چند دنوں کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ آپ پورا سال رشتہ لٹکائے رکھیں گی کیا؟''

''بات تو ٹھیک ہے مگر بیٹے! خود سوچو صرف نو دنوں میں علینہ کے لیے کیسے تیاری ہو سکتی ہے؟''

کوکب ابھی بھی سوچ بچار میں تھی۔

''افوہ امی...... ! آپ کو بس ہاں کہنا ہے، باقی کام آپ کے کرنے کا نہیں ہے۔'' اریبہ نے ماں کے کندھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا، جیسے آپ کی مرضی۔''

اسی شام علینہ کی سسرال والے آئے۔ رات کے کھانے کے بعد انگوٹھی پہنائی۔ دعا کی گئی۔ جہیز نہ بنانے کو کہا اور ماریہ کی شادی کے تیسرے دن علینہ کی رخصتی کا فیصلہ ہوا۔

روز سورج مشرق سے نکلتا۔ ثمرہ دیکھتی۔ سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی گھر میں چہل پہل شروع ہو جاتی۔ اریبہ اپنا بیٹا عثمان، کمبل اور فیڈر کے ہمراہ ماں کے حوالے کرتی۔ سب کے پاؤں میں جیسے پہیے لگ جاتے۔ اریبہ کا میاں بھی دس دن کی چھٹی لے کے آگیا تھا۔

''امی...... یہ...... یہ آپشن ہیں...... امی! اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ اور ساتویں دن جب علینہ رخصت ہو رہی تھی۔

ثمرہ حیران تھی، کوکب نے تو گھر سے قدم بھی نہ نکالا تھا۔ اس کا ہر کام بطریق احسن ہوا تھا۔ شادی میں حرا اور نبیل بھی شریک تھے۔ حرا نے ساس کے قریب آنے کی کوشش کی۔ اس کے لہجے میں بہت معصومیت اور مٹھاس تھی۔ جب محض دو دن کے بعد علینہ کی رخصتی ہوئی تو کوکب تینوں دامادوں کے ساتھ اسٹیج پر کھڑی تھی۔ اس کے داماد کوکب کی دیورانی یا جیٹھانی سمجھ کر نہیں اریبہ ماریہ کی بڑی امی سمجھ کے ثمرہ کو فل پروٹوکول دے رہے تھے۔ ثمرہ حیران تھی۔

شادی بیاہ کا مرحلہ بہت بڑا اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے کوکب کے دامادوں نے کیسے آسانی سے یہ مرحلہ طے کیا۔ ثمرہ کے دل پر چھریاں سی چلیں۔

"میرے ساتھ ہی ایسے کیوں ہوا؟ کوکب کے تینوں داماد بڑے ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ بیٹیاں خوش نظر آرہی تھیں۔ کوکب کے بغیر کہے گھر کا ہر کام بطریق احسن ہو رہا تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا، یہ اجنبی لڑکے ہیں جن سے خون کا کیا دور پار کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ اپنے گھر جانے کو ثمرہ رضامند نہ تھی مگر جانا ہی تھا۔ چلتے سمے اس نے اپنا دکھ آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ کوکب کے سامنے کھول کے رکھا۔

"کوکب! تم بہت خوش نصیب ہو۔ اللہ نے تمہیں بیٹے نہیں دیے مگر دامادوں کی شکل میں بیٹوں سے بڑھ کے انعام دیا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا کام ماتھے پر بل لائے بغیر کرتے ہیں۔ پتا نہیں میں دو بیٹوں کی ماں ہو کے کیوں محروم رہی۔"

کوکب نے اس کے آنسو پونچھے۔

"بھابھی! اپنا زاویہ نظر بدل لیں۔ اللہ ہم میں سے ہر ایک کو مالا مال کرتا ہے۔ اگر کچھ نہیں دیتا تو وہ بھی اصل میں مالا مال ہونا ہی ہے۔ بس صبر کر کے راضی برضا ہو جائیں۔ موت کے بعد ہر طرح سے مالا مال ہوں گی۔ آپ کے بھی دو بیٹے بہت اچھے ہیں اللہ نے آپ کو بھی اتنے پیارے بچوں کی ماں بنا کے مالا مال کیا ہے۔ حرا بہت سمجھ دار لگی مجھے۔ اس کو اپنا بنایئے چاہت اور اخلاص کے ساتھ آپ بھی خوش نصیب لوگوں میں سمجھی جائیں گی۔

یہ بہت پتے کی بات ہے۔ ہم یہاں صرف اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے آتے ہیں فرض ادا کریں نہ کریں، انعام کے حق دار خود ہی بن کے بیٹھ جاتے ہیں۔ انعام کی توقع، صلہ کی تمنا یہاں نہ رکھیں، اس کے لیے موت کے بعد کی زندگی ہے ناں!

آپ تو خود بھی بہت اچھی ہیں ثمرہ بھابھی۔ آپ کی صحبت میں حرا بھی اچھی ثابت ہوگی۔ بس نئے بندے اور نئے رشتے کو سمجھنے کے لیے تھوڑا سا وقت چاہیے ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ بالکل آپ جیسی ہو جائے گی۔"

جو آپ کے مقدر میں ہے آپ اس سے خوشیاں کشید کریں جو میرے مقدر میں ہے میں نے الحمدللہ اس سے حاصل کیں اور میرے رب نے مجھے ہمیشہ مالا مال ہی کیا۔ میری ٹانگ میں پولیو کی وجہ سے مسئلہ شروع سے تھا۔ آپ تو اللہ کے فضل سے ایسا کوئی مسئلہ نہیں رکھتی تھیں۔ چلیے پچھلی باتوں کو چھوڑیں مطمئن رہیں، خوش رہیں۔ ایک وقت آئے گا جو نہیں مل رہا وہ بھی مل جائے گا۔"

ثمرہ کے آنسوؤں میں بیٹے کے لیے کدورتیں ڈھل رہی تھیں۔ اسے ایک منظر صاف شفاف نظر آرہا تھا۔ حرا کی اپنے پاس رہنے کی درخواست کا...... ثمرہ کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دینے کا۔

"ہاں ضروری تو نہیں جو میں نے سوچا ویسے ہی ہو۔ یہ تجربہ بھی کر لیتے ہیں۔"

ایک ٹھنڈی پرسکون سانس لیتے ہوئے ثمرہ نے سوچا اور کوکب کو بیٹوں اور دامادوں کے ساتھ آنے کی دعوت دے کے گلے مل کے رخصت ہوئی مگر یہ زندگی میں پہلی مرتبہ موقع آیا تھا کہ کوکب کے گھر سے جاتے ہوئے وہ منوں کے حساب سے قناعت، راضی برضا ہونے کا سبق اور محبتوں کی سوغات لے کے جا رہی تھی۔

☆☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

منعم ملک

پانچواں قصہ

شہر لاہور، کریم آباد کا علاقہ......
اور اس علاقے میں موجود گول پارک سے شروع ہوا یہ قصہ ہے۔

پارک تو چھوٹا سا تھا...... مگر شادابی وصفائی میں انتہائی شفاف...... عام رہائشیوں کے لیے کافی اہمیت کا حامل......

پارک کے اردگرد مارکیٹ بنی تھی۔ پہننے اوڑھنے سے لے کر کھانے پینے کی اشیاء تک میسر تھیں۔ لوگ شاپنگ کرتے، کھانا کھاتے پھر نیچی دیواروں سے پھلواریاں دیکھ کر باغ میں ستانے بیٹھتے......

گرمیوں کے تپتے دنوں کے ٹوٹتے تیسرے پُرتپش پہروں میں رش بڑھ جاتا تھا...... پھر اُجالے کے دم توڑنے تک رونق بحال رہتی۔

وہ تعداد میں پانچ تھیں...... اور پانچوں ہی ساٹھ کے پیٹے میں چپو گھماتی ہوئیں...... ایک سے بڑھ کر ایک قد، پہناوے، نفاست و رنگت میں...... مانو میدے میں گندھی گئی ہوں۔ خالص دودھ سے بنی برقرار صحت سے لشکارے مارتی ہوئیں...... زندگی کا انجن بلا رکاوٹ رواں دواں......!!

کہیں اریب قریب ہی بستی تھیں مگر ٹاکرا ہوا تو پارک میں...... جفت کر کے لڑی پروئی گئی اور ہم مزاجی و ہم آہنگی وہ ملی کہ جفت بن کر طاق ہو گئیں۔
یعنی صدف اور نعیمہ ملیں...... پھر سفینہ، عنیزہ آخر میں اداس روح روبینہ بھی آن پیوست ہوئی تو کچھ ہی وقت میں ایک انسان چار پرچھائیاں معلوم ہونے لگیں...... عادت و اطوار میں...... بول چال سے، حالات ونظریات تک سے......

وہ پانچوں تو بظاہر بزرگ تھیں، ساسیں بھی اور دادیاں بھی...... شوہر والیاں بھی، کچھ بیوہ بھی...... مگر فیس بک کی دنیا میں "خیرہ کن" تھیں۔

صدف (بے بی ڈول)، نعیمہ (پرنسز)، سفینہ (پری وش)، عنیزہ (پٹاخہ کڑی)، اور روبینہ (لیڈی ڈیانا)...... ایسے عجیب وغریب ناموں سے فیس بک پر دھمال مچانے کا آئیڈیا سب کا مشترکہ تھا۔ مجال ہے جو کوئی ان کی حقیقت سے آشنا ہو پایا ہو...... کتنوں کی نگاہوں میں قابل رشک تھیں۔

نوجوان کڑیاں، حسین و جمیل، شوخ و شنگ...... نہایت طرح دار و فرہین...... بعد میں فیس بکی دوستوں کی اپنے بارے میں کمنٹس پڑھ کر خوب ترہنستیں۔

وہ چاروں پہلے باغ کی ہوا کھانے آتی تھیں۔ جواں دل تھیں جی چاہتا تو آہنی زنجیروں میں جکڑا جھولا بھی لے کر بچوں کو بڑا محظوظ کرتیں۔ ایک بار صدف کی نظر نعیمہ پر پڑی تو خوش گوار سی حیرت نے گھیر لیا۔ وہ سنگی بنچ پر بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھ رہی تھیں اور سنہری دھوپ میں چاندنی کا ڈھیر معلوم ہوتی تھیں۔ صدف نے ہی پہل کی اور دوستانہ انداز میں بات چیت کی تھی۔

"سعد سلطان والا ناول پڑھ رہی ہوں، محبت کی یہ قسم بڑا متاثر کرتی ہے۔"

"ہائے کیا خوب کہا۔ سعد سلطان آپ کا بھی کرش بن رہا ہے نا۔ بڑا ہی سلجھا ہوا بچہ ہے۔"

صدف کو نعیمہ کی بات سے دلی خوشی ہوئی تھی۔ یعنی ان کی ہی ہم خیال......

"نہیں بھئی اب کوئی عمر ہے کہ سعد پر دل آئے، ویسے میں تو سعد کے والد کا کہہ رہی تھی۔" انہوں نے آنکھ کا کونا ہلکا سا دبا کر کہا اور کھلکھلا اُٹھیں۔ یہ آنکھ جھپکانا گویا دوستی کا عندیہ ثابت ہوا۔ پھر اس دوستی میں سفینہ اور عنیزہ نے برکت ڈالی اور آخر کار ایک دن اداس سی بلبل بنی روبینہ بھی ان چاروں کو دلچسپ سا کردار معلوم ہوئیں تو گروپ وجود میں آ گیا...... تو وہ تعداد میں پانچ تھیں۔ اپنی جگہ پانچ قصے، ہر چیز ٹھیک...... مگر باہر سے کیک کی مانند ملائم، نرم...... اندر سے کٹھور ساسیں تھیں...... ظالم و جابر......

اس نقطے پر ایک دوسرے سے سخت مطابقت رکھتے ہوئے۔ پارک میں بیٹھ کر وہ پانچوں فیس بک کی باتیں کرتیں، ناولز موویز ڈسکس کرتیں۔ سب سے بڑھ کر ان کا پسندیدہ موضوع "بہوئیں" کی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

برائیاں کرنا......اور انہیں ''دبا کر'' رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور آزمانا۔

بہوؤں کو پیار دینا ہو تو تھپڑ جما کر دو۔ گال سہلانے کے بجائے سوئی چبھو دو۔ چٹیا سے پکڑ کر گول گول گھماؤ۔ مار مار کر نانی یاد دلاؤ......

اس معاملے میں اٹل اور سفاک......

پارک میں معمول کی چہل قدمی کرنے والے لوگ تو اب تک ان سے مانوس ہو چکے تھے......!

☆☆☆

وہ دو ''بہوئیں'' تھیں۔

شام کے دھندلکوں میں بھاگتی اُڑتی گاڑیاں اور دھوؤں کے مرغولے اطراف میں ایستادہ دکانوں کے شیشوں کو گرد بار کر رہے تھے......مگر اندر جگمگاتے قمقمے اشیاء کو خیرہ کن دکھانے میں کامیاب نظر آتے تھے۔ موسم ٹھنڈا تھا کہ تکان سے چور سورج آخری لمحات میں سطوت دکھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اُن دونوں کے ہاتھ میں شاپنگ بیگز تھے اور وہ اپنی خریداری مکمل کرنے کے بعد لذیذ چاٹ سے لطف اندوز ہو کر باہر نکلی تھیں۔ شادی سے قبل دونوں سہیلیاں تھیں اور اب وہ دوبارہ عرصہ بعد مل رہی تھیں۔ شادی کے بعد زندگی حقیقتاً بدل گئی تھی۔

''یار باتوں باتوں میں پتا ہی نہیں چلا اور مغرب ہو گئی ...... مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دو پھر کال پر رابطے میں رہیں گے۔'' ارم نے الوداعی لمحات میں نائلہ کو مخاطب کر کے کہا اور ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جانے کے لیے فٹ پاتھ پر چلنے لگیں......

نائلہ خاصی لاپروا اور مطمئن تھی۔

''کوئی بات نہیں ٹینشن کیوں لے رہی ہو...... مغرب ابھی ہوئی نہیں ہے، کیا تمہارے ہزبینڈ کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہے؟'' نائلہ نے اُجالے کے پھیکے پن سے اندازہ لگاتے ہوئے خشمگیں نگاہوں سے دریافت کیا۔ فضائیں ابھی سرمئی رنگ سے آشنا ہونا شروع ہوئی تھیں۔

''نہیں نائلہ! وہ تو بہت اچھے ہیں مگر سسرال کا معاملہ......ساس صاحبہ کی طرف سے تشویش رہتی ہے۔''

''شکر! میں بھی کہوں کن تنگ نظر لوگوں میں شادی ہو گئی تمہاری......ساس کو چھوڑو یار کمال کرتی ہو، اس مخلوق کو کون پوچھتا ہے؟'' ٹریفک کے شور میں بھی نائلہ کی ہنسی کی کھنک چھپ نہیں سکی تھی۔ ارم کو حیرانی سی ہوئی۔

''خوامخواہ گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے......میں حتی الامکان بحث سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں، ورنہ امی کو موقع مل جاتا ہے......'' اس نے اپنے حالات اور اپنے مزاج کو نائلہ پر واضح کیا......دونوں تارکول پر جوتے گھسیٹتی سیدھ میں چلی جا رہی تھیں۔

''شاباش بہن ......تم جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو ساسوں کو سر پر چڑھا کے رکھتی ہیں۔ ساس کو ہمیشہ دبا کر رکھنا چاہیے تبھی آپ سکون سے اپنی من مانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں......ورنہ تو یہ ناک میں دم کر دیتی ہیں، تمہیں پتا ہے بھلے میں رات کو گھر لوٹوں، جرأت نہیں ہو گی میری ساس کی کہ میرے سامنے منہ کھول سکیں......''

''کیا......؟'' ارم کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اک پل کو وہ بے یقین ہوئی تھی کہ نائلہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

''تو اور کیا......پورے گھر پر میرا راج ہے، شوہر کو ماں کی میں سننے نہیں دیتی اور ماشاءاللہ اتنا دم خم تو خود میں ہے کہ اور کسی چیز کو دیکھنے نہ دوں......تم فکر نہ کرو تمہیں بھی یہ گر سکھا دوں گی۔'' وہ تفاخر سے بولے جا رہی تھی۔ ٹریفک کا شور بھی دونوں کا انہماک کم کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''کیسے کر لیتی ہو۔'' ارم کچھ کہنا چاہتی تھی مگر جھرجھری لے کر تعجب سے یہی کہہ سکی۔

''اتنا بھی مشکل نہیں۔ میں کچھ ماہ میں علیحدہ ہونے کا پلان کر چکی ہوں، ساس رہیں اپنے دوسرے بیٹے کے ساتھ......وہ تو بس میرے شوہر کو ہی ماں سے کچھ گہری محبت ہے ورنہ کون برداشت کر سکتا ہے آج کے دور میں۔'' نائلہ کے بولنے کی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

رفتار میں کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ صاف لگتا تھا کہ وہ ساس سے کس قدر داوب چکی ہے......

"بہر حال میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہر کسی کی اپنی سوچ اور حالات مختلف ہوتے ہیں نائلہ" ارم نے سادگی سے مسکرا کر بات سمیٹی۔ وہ اسٹاپ پر پہنچ چکی تھیں۔

"نہیں ہے تو اب ہوگا ایسا......" اُس کی مسکراہٹ از سر نو چمکی۔ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئیں اور ٹیکسی پلک جھپکتے ٹریفک کے ہجوم میں گم ہوگئی۔

☆☆☆

چاروں طرف بہار کی سی رعنائی بکھری نظر آتی تھی مگر عنیزہ کا غصہ جیسے ماہِ جون کی دھوپ کو دھول چٹا رہا تھا۔ وہ پانچوں نارنجی شام میں اپنے مرکز پر جمع تھیں۔

"اس پھاپھا کٹنی کی ہمت دیکھو ذرا...... مجھے گروپ سے بلاک کر دیا، مجھے...... ارے اس کے گروپ کی تو روزی روٹی ہی میرے دم سے چلتی ہے اور مجھے ہی نکال باہر کیا...... وہ خرانٹ سی ایڈمن چوچے منہ کی عورت۔"

عنیزہ کا بس نہیں چل رہا تھا اس ایڈمن کے بال نوچ نوچ کر گنجا کر دے جو اس جرم کی مرتکب ہوئی تھی۔ روبینہ نے دوپٹہ سر پر جما کر سوال کیا۔

"روزی روٹی......؟"

"ہاں مطلب لائک اور کمنٹس...... مجھے کہتی ہے میں فسادن ہوں گروپ میں اختلاف ڈالتی ہوں۔ اب دیکھے یہ جل ککڑی میں کیسے سارے ممبرز کو ڈبے کے اندر بلا بلا کر گروپ چھڑواتی ہوں۔ اُلو بولیں گے پھر وہاں اور یہ ایڈمن سنے گی دن بھر تنہا بیٹھ کر" اُنہوں نے اپنے خطرناک عزائم سے آگاہ کر دیا تو صدف کو اچنبھا ہوا۔

"کون سے ڈبے میں......؟"

"ارے بھئی انباکس میں...... اتنی کاکی ہو کیا" جھلا کر عنیزہ نے کہا اور اُنگلیاں مروڑنے لگیں...... جس وقت سے وہ فیس بک سے گروپ بدر ہوئی تھیں اور بلاوجہ جلاوطنی کاٹ رہی تھیں مارے غصے و توہین کے کہیں چین نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ چاروں اُن کے روبرو آئیں تو دل کی بھڑاس خوب نکالی جا رہی تھی......!

"ہے تو ویسے غیر اخلاقی حرکت...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا ایڈمن تو خاصی معصوم سی ہے اور کوئی پھڈا بھی نہیں ہوا...... سچ بتا نا ضرور تم نے کچھ کیا ہوگا؟" کھاتے ہوئے نعیمہ نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تو عنیزہ سلگ اُٹھیں۔

"تو بہن میں کیا کوئی جیل میں گگو پہلوان کے ساتھ رہ چکی ہوں...... میرے شریفانہ اطوار کی تو آدھی فیس بک گواہی دے۔"

"پھر کیوں بیٹھے بٹھائے تمہیں ایک انگوٹھے کی مار مارتے ہوئے باہر دے پٹخا؟" نعیمہ قائل ہوئیں تو وہ چمک کر بولیں۔

"کہتی ہے گروپ ممبرز کی ایک بڑی تعداد تمہاری رائے سے اتفاق کرنے لگتی ہے بلاوجہ...... اور اس میں زیادہ تر میل حضرات شامل ہیں اور باقی وہ جو میری مداح ہیں، لہٰذا گروپ کا ماحول خراب ہو رہا ہے...... اب میں ہر دلعزیز ہی اتنی ہوں تو اس میں میرا کیا قصور......؟"

آخر میں ان کا لہجہ فخریہ ہوگیا۔ حالانکہ ایڈمن کی وجوہات اور تھیں...... مگر وہ اُنہیں مانتیں تب نا ں۔

"چلو جو بھی ہو...... لیکن کم از کم عمر کا خیال تو رکھنا چاہیے تھا اُسے۔" روبینہ کو کچھ نہ سوجھا تو عمر کی بات پکڑ لی۔ اس پر صدف فراخ دلی سے ہنسی۔

"روبینہ یہ فیس بک کی دنیا کی "پٹاخہ کڑی" ہے اس آئی ڈی سے تو عمر کیا کسی بھی چیز کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا......" وہ چاروں ہنسی چھپانے کو ایک دوسرے کی بغلیں ڈھونڈنے لگیں۔

"اسی لیے تو جل گئی ہے وہ ایڈمن...... میری پروفائل پکچرز ہی کوئی دیکھ لے تو آئے روز وال وزٹ کرے۔"

"اچھا غم نہ کھاؤ، ہم اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل

کر اس کا جینا دوبھر نہ کر دیں...... اپنا اکاؤنٹ ڈی ایکٹیویٹ نہ کر دے تو روبینہ نام نہیں میرا......"

"پتا نہیں اس کی ساس کون ہوگی۔ میری بہو ہوتی تو سر پر جوتے مار مار کر ساری ایڈمن گیری ناک سے نکال دیتی۔" غصے و انتقام میں حسب معمول موضوع نے ایک بار پھر بہوؤں کی مٹی پلید کرنے کے لیے کروٹ بدل لی۔

"یہ خوب کہی تم نے...... کل ہی اپنی بہو کو میں نے چٹیا سے پکڑ کر زمین پر دے مارا تھا۔ سہیلی سے کہہ رہی تھی کچن میں دودھ اُبالتے وقت روز گرا بیٹھتی ہوں مگر مجال ہے ساس کو بھنک بھی پڑے، میں نے سن لیا اور بس چڑھ گئی ہتھے بکرے کی ماں۔" روبینہ نے ناک پھلا پھلا کر اپنی عقل مندی کا قصہ سنایا تو ان کی آنکھیں ستائشی چمک سے بھر گئیں۔

"ویسے ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونے والی بات صرف بہوؤں کے لیے مخصوص ہونی چاہیے تھی، توبہ کتنے ڈرامے کرتی ہیں۔"

"سناؤ ذرا ڈرامے؟" بڑی محظوظ سی آوازیں اُبھریں۔

"پچھلے ہفتے میری بہو عجیب سا میک اپ منہ پر تھوپے کالی بھوتنی بنی میکے جانے لگی۔ میں نے پوچھا تیری شکل کی سرخی کہاں گئی؟ یہ منہ لے کر میکے جاؤ گی۔ آگے سے کہنے لگی ماں جی اسے اسموکی میک اپ کہتے ہیں، میں نے کہا ایسی کی تیسی تیرے اسموکی میک اپ کی۔ چالاکی دیکھو ذرا، میکے والے کہیں کیسی دھواں رنگت ہوتی جا رہی ہے لڑکی کی سسرال میں ساس کے عتاب سے۔ تب تک دہلیز سے قدم باہر نہ نکالنے دیے جب تک کہ اچھی طرح منہ دھلوا نہیں لیا۔"

پانچوں کی ہنسی کے ساز مل کر فضا میں گونجے اور تالی کے لیے ایک دوسرے سے ٹکرائے تو وہ پانچوں خوش گوار موڈ میں ایڈمن کا غصہ بھول چکی تھیں۔

"بہت اچھا کیا، نہ جانے کیسی سائیں ہوتی ہیں جن کا بہوؤں پر کنٹرول نہیں ہوتا۔ میرا بیٹا اس وقت گھر آتا ہے نوکری سے تو میں یہاں آتی ہوں تم سب سے ملنے...... ورنہ سارا دن کڑی نظر رکھتی ہوں بہو پر۔"

سفینہ کی بات پر لیڈی ڈیانا یعنی روبینہ نے پھر سے لب کشائی کی تھی۔ اس ٹاپک پر وہ پانچوں یونہی ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتی تھیں۔

"فضیلت کی شادی کا ذکر کیا تھا نا، بہورانی نے تین جوڑے منگوا لیے۔ بن کر آ گئے تو ایک پر میں نے قبضہ کر لیا بے چاری خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی...... اپنے خون کے، میرا تو کڑوا ہی اتنا ہے۔" پھر سے ہنسی وارد ہوگئی۔ عنیزہ کی بات سے روبینہ کو یاد آیا۔

"یاد آیا کل میرا بیٹا تین دنوں کیلئے شہر سے باہر جا رہا ہے تو گھر سے نکلنا ذرا مشکل ہوگا۔ کافی دن ہوئے ہاتھ "سیدھے" نہیں ہوئے تھے۔" وہ معنی خیز سا بولیں۔

"لیکن اس سب میں فیس بک کا واقعہ کوئی نہ بھولے...... مجھے ایڈمن کو سبق سکھانا ہے۔" عنیزہ نے دہائی دی۔

"فکر مت کرو میں رات کو اس ایڈمن سے بات کرتی ہوں۔ اس پر نہ مانی تو تمہارا آئیڈیا کارگر ہے۔" صدف اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وری گڈ۔ "پرنس" پر جان دینے والے بھی کافی لوگ ہیں، اور رنج کرنے میں طاق۔"

آسمان پر پرندوں کی چہچہاہٹ اور شام کے سائے میں اُن کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں اور پارک کی جیسے رونق معدوم......!!

☆☆☆

اس کے گھر کے صحن میں اونچا لمبا املتاس کا پیڑ تھا جس پر پالتو پرندوں کے پنجرے لٹکے تھے۔

ہوا کی چھیڑ خانی اور آوارہ چڑیوں کی شرارت سے صحن پتوں کے نیچے چھپ جاتا تھا، اس کی ساس کو بے ترتیبی پسند نہیں تھی۔ اس لیے دن بھر وہ پتے سمیٹنے پڑتے تھے۔ اب بھی وہ اسی کام سے فارغ ہو کر کال سننے آئی۔

"ہیلو نائلہ! کیسی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں ارم! تم مصروف تھیں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کہیں۔" نائلہ کی آواز میں بھاری پن پہلی بار میں ہی اُسے محسوس ہو گیا۔

"نہیں صرف گھریلو روٹین...... میں نے جان کر کال نہیں کی تھی کہ تم فری ہو گی تو خود کال کرو گی۔ خیریت رہی ناں؟" وہ نائلہ کے بجھے پن کو دیکھتے ہوئے فکر سے بولی۔

"میری ساس گزر گئیں ارم!" ارم سناٹے میں آ گئی۔

"اوہ میرے اللہ!" چند ثانیے بعد وہ اس غیر متوقع خبر پر یہی کہنے کی قابل ہو سکی۔ نائلہ سے ہوئی پچھلی ملاقات کی گفتگو اس کے ذہن میں تازہ ہو گئی تھی۔ زندگی بلاشبہ دنیا کی ہر چیز و رشتے سے بڑھ کر بے اعتبار ہے...... مگر نائلہ کی کیفیت اُس کے سابقہ رویے کو دیکھ کر اُسے الجھن زدہ کر گئی تھی۔

"ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہوا یہ...... میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں اپنی ساس کو دیور کے پاس چھوڑ جاؤں گی ان کی ذمہ داری مجھ سے اُٹھائی نہیں جاتی۔ جانے کیسی قبولیت کی گھڑی تھی، میرا بھرم توڑے بغیر اللہ نے اُنہیں اپنے پاس بلا لیا۔" نائلہ کی آواز بھیگ گئی تھی۔ اس میں آنسوؤں اور اُداسی کی آمیزش تھی۔ ارم کی آنکھوں میں نمی دوڑنے لگی۔

"اللہ کی رضا تھی نائلہ! صبر کرو۔"

"میں کم ظرف کیا کر سکتی ہوں۔" وہ کچھ تلخی سے بولی۔ "میری ماں ہوتی تو شاید سمجھ پاتی...... مگر میرے ہزبینڈ بہت اداس ہو گئے ہیں، گم صم رہتے ہیں۔ اپنی زندگی سے ہی بیزار ہو گئے ہیں ارم۔" وہ اب کے سسکنے لگی تھی۔ ارم کے الفاظ جانے کہاں خاموشی اُوڑھ کر ہجرت کر گئے تھے۔

"ایسا تو ہونا تھا یار! تم اُنہیں سنبھالو اُن کا حوصلہ بڑھاؤ۔"

"وہ روتے ہیں ارم! کہتے ہیں بادلوں میں سورج چھپ جائے تو دھوپ نہیں چمکتی اور مائیں ہاتھ چھڑا کر آسمانوں میں اُوجھل ہو جائیں تو لبوں پر ہنسی کہاں چٹک سکتی ہے۔ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی ارم! پھر اپنا سلوک یاد آتا ہے تو......" وہ دل گرفتگی سے چپ ہو گئی تو ارم نے آہ بھری۔

"اُنہیں کچھ وقت دو نائلہ! ماں کھو دینا معمولی بات نہیں ہوتی۔ تم بھی خود کو سنبھالو، اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔ جانتی ہو نائلہ! اس رشتے میں دونوں طرف سے کشادگی کی ضرورت ہوتی ہے، شاید ساسوں کو لگتا ہے کہ ہم ان کی راج دھانی پر قبضہ کرنے آ رہی ہیں...... مگر ہماری طرف سے حساب اُلٹا ہو جاتا ہے کہ بجائے وہ ہمیں جھیلیں، ہم سے ہی وہ برداشت نہیں ہو رہی ہوتیں جن کا دراصل وہ گھر بھی ہوتا ہے۔" ارم تھکے سے انداز میں ہنس دی۔ نائلہ کا پچھتاوا اُسے بھی اداسی میں لپیٹ چکا تھا۔

"اپنا سلوک ہی تو مجھے نگاہیں نہیں اُٹھانے دیتا۔ ڈر سا لگتا ہے کہ میرے جیسی میری بہو ہوئی تو...... تم میرے لیے دعا کرنا کہ میں اپنے بوجھ سے آزاد ہو پاؤں اور عقیل زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔"

نائلہ گلا کھنکھارتے ہوئے بولی تھی۔ اپنے شوہر کی محبت میں اب اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو بھی رہا تھا تو بے وقت...... کاش شوہر کی خاطر ہی پہلے اس چیز کا خیال کر لیا جاتا۔

"ان شاء اللہ، اللہ بہتر کرے گا۔ میں تمہاری طرف چکر لگاتی ہوں تمہاری ساس کے افسوس کے لیے...... اللہ درجات بلند فرمائے۔"

اُس نے حوصلہ دے کر بے حد آہستہ سے فون رکھا۔ ساس تو اُس کی بھی کچھ تیکھے مزاج کی تھیں مگر اُس کی تربیت و معاملہ فہمی کی گھٹی کچھ اس پیمانے پر ہوئی کہ اُس نے اسے اس گفتگو پر ڈھی کر دیا تھا۔

ظرف و برداشت کا بروقت مظاہرہ ہی ایسے پچھتاوؤں کو روکتا ہے مگر......!

☆☆☆

وہ چاروں قدم سے قدم ملا کر سڑک پر چل رہی تھیں۔ رہائشی علاقہ ہونے کے سبب ٹریفک کی آمد و رفت کم تھی۔

"روبینہ کو تین دن ہوئے آج بھی نہیں آئی۔ کل تو کال پر بات ہوئی تھی پر آج؟"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اُس نے کہا تو تھا کہ بیٹا شہر سے باہر جا رہا ہے......تو شاید اسی لیے......''

''اس کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی۔ آج تو آ جانا چاہیے تھا۔'' سفینہ نے ان چاروں کو کہا۔ کل کی طرح آج بھی روبینہ کو پارک میں نا پا کر وہ قدرے متفکر ہو گئی تھیں اور اب باہمی مشورے کے بعد پہلی بار بنا اطلاع کے اُن کے گھر کی سمت جا رہی تھیں۔

''اس وقت سیل فون بھی آف ہے۔ چلو آج گھر پر ملاقات ہو جائے گی اُسے خوشی ہو گی اور بہو کے ساتھ مظاہرے بھی دیکھ لیں گے۔'' عنیزہ چٹخارہ لے کر بولیں اور ان کو لے کر سڑک پار کی۔ ایڈریس اُن کو یاد تھا۔

''گھر کی شناخت ٹھیک کرنا......یہ نہ ہو اوروں کے دروازے بجاتے رہیں بچوں کی طرح۔''

''یہ ہی ہے گھر......'' کچھ لمحے بعد عنیزہ نے اُنگلی کھڑی کر کے آدھ کھلے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یقین سے کہا جس کو وہ چاروں سر اُٹھا کر دیکھ رہی تھیں۔

''اندر چلیں؟'' کچھ تذبذب کا شکار ہو کر اُنہوں نے کھلے دروازے کو دیکھا۔

''ارے چلو ڈر کیسا......اپنی روبینہ کی سلطنت ہے۔'' چاروں نے فیصلہ کن انداز میں اندر قدم رکھے۔

گھر مختصر مگر صاف ستھرا تھا۔ صحن اور برآمدہ، اُس کے پار کمرے......لیکن برآمدے کے منظر نے ہی ان چاروں کے قدم جکڑ لیے۔ چاروں کو مانو سانپ سونگھ گیا ہو۔

''گھر بیٹھنا تو آتا نہیں ہے نا......پہلے تو میں عثمان کا لحاظ کر لیتی تھی جو روز بن ٹھن کر نکل پڑتی ہیں کالونی کے چکر کاٹنے......مگر خبردار آج کے بعد گھر سے قدم نکالا، واپسی پر گیٹ کھلنے کی اُمید مت رکھیے گا۔'' وہ کوئی عورت تھی......کرخت لہجے میں بنا لحاظ رکھے برس رہی تھی اور برآمدے میں کسی ٹوٹی چیز کی کرچیاں سمیٹتی وہ......وہ روبینہ......وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی تھیں۔

''مار خدا کی......ایک ایک کر کے میرے برتن توڑ دیے، اتنا ہی شوق ہے تو خود کہیں گر پڑ کے ہڈیاں تڑوا لیں اپنی......جان تو چھوٹے گی میری۔''

''وہ برتن میرے بیٹے کی کمائی کے ہیں بدزبان عورت......میں اپنے بچے کے آرام کا خیال کر کے چپ کر جاتی ہوں کہ روز روز کے تماشوں سے کما کما کے تھکی ہاری جان کو نجات ملے مگر جس دن اُسے علم ہو گیا پھر دیکھ لینا......'' روبینہ کی آواز میں کرب تھا، اکتاہٹ تھی، نفرت تھی، مگر رعب و دبدبہ نہیں تھا......فیس بک کی لیڈی ڈیانہ اور سہیلیوں کی ظالم ساس اس وقت بھیگی بلی کی طرح کیسے قابلِ رحم لگ رہی تھیں......

''وہ وقت تو آنے دو، آپ پھر مجھے بھی دیکھ لیجیے گا......ہنہ کھوکھلی دھمکیاں، سر میں درد ہو گیا۔ چائے بنا کر لے آئیں......اپنے لیے رات میں بنائیے گا، عثمان ڈیڑھ بجے پہنچیں گے آپ کو جاگنا ہے۔'' وہ بلا کی بدزبان تھی......حکم صادر کرتی کمرے میں گھس گئی اور روبینہ......کسی معمول کی طرح بلا چوں چرا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کام کیے جا رہی تھیں۔

وہ چاروں بنا چاپ کیے بے حد آہستہ سے اُلٹے قدموں مڑ گئی تھیں......

گول باغ کا منظر تھا......اور وہیں سے شروع ہوا قصہ......!

اگلے دن روبینہ موجود ہیں اور وہی بہو کو سبق سکھانے......ڈھول چٹانے......نیچا دکھانے کے فخریہ خود ساختہ قصے۔

''میں نے کل گرم چائے سے بازو جلا دیا تھا کم بخت کا......پھر خیال رکھنا پڑ گیا کہ کہیں زخم خراب ہو گیا تو بستر پر نہ پڑ جائے کام چور......'' وہ چاروں سن کر ہنستے ہنستے حصہ لینے لگیں......بنا کچھ کہے......کھوکھلی بشاشت کے ساتھ......

جیسے کسی کا ''بھرم'' رکھتا ہو کوئی......یا شاید پھر اپنا بھی......

کہ کون جانے......اس پانچویں قصے کی طرح اُن چاروں کی کہانی بھی ایک ہی ہو......

ہاں لیکن کسے خبر......!!

☆☆

نعیمہ ناز

عالیہ بیگم اپنی بیٹی حمنہ کے رشتے کے لیے خاندانی لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ جب کہ ان کی ساس کا کہنا تھا کہ رشتہ کے لیے دین داری اور شرافت کو ترجیح دینی چاہیے۔

عائشہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھی۔ رشتوں کے نام پر اس کی ایک خالہ تھیں جن کے دو بچے فہد اور علیزے تھے۔ فہد اپنے باپ کے پاس امریکہ میں پڑھنے گیا تھا۔ اس کی والدہ سلائی کر کے اپنے بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ عائشہ کی سہیلیاں اس کی بے پناہ خوب صورتی کو سراہتی تھیں۔

سید صاحب کو مسجد کمیٹی کا صدر منتخب کیا جا رہا تھا۔ ان کی بیٹی نائلہ ایک خود سر لڑکی تھی، اس کی اپنے شوہر سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ وہ آئے دن اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر باپ کے گھر آ بیٹھتی۔ اس میں ماں کے مزاج کی جھلک تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی پر بہت ناز تھا۔ سید صاحب اس کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ نائلہ کے شوہر سرمد کا دوست جمال اس پر مرمٹا ہے۔

چنبلی کا تعلق بازار حسن سے ہے طلال شیخ ایک نامور سیاست دان اور جاگیردار کا بیٹا ہے جو چنبیلی کے حسن پر مرمٹا ہے۔

شاہ میر رسول بخش کا سب سے چہیتا شاگرد تھا، جو ان کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھا۔

احمد فجر کے بعد جلدی جلدی گھر سے نکلا۔ آج ڈبل سواری پر پابندی کی وجہ سے پڑوس کے کامران انکل اسے اپنی موٹر سائیکل پر لفٹ نہیں دے سکے۔ اسے کافی انتظار کے بعد بس کی کھچا کھچ بھری چھت پر جگہ ملی۔ انتہائی تیز رفتاری سے موڑ کاٹتے ہوئے کچھ مسافر نیچے جا گرے جن میں احمد بھی شامل تھا۔

سرمد سو رہا ہوتا ہے تو جمال کا فون آتا ہے۔ اپنی بدقسمتی پر کڑھتی نائلہ کو جمال کی کال ایک نعمت لگتی ہے۔ جمال اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اسے پھر سبز باغ دکھاتا ہے۔ اچانک نائلہ کی نظر اٹھتی ہے تو سامنے کھڑا سرمد اسے عجیب نظروں سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

طلال چنبیلی کے شادی پر اصرار کرنے پر ہامی بھر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جلد مہک جان سے بات کرے گا۔ مہک جان سے بات کر کے وہ اس کی شرائط مان کر چنبیلی سے نکاح کر کے لے جاتا ہے۔

احمد کے انتقال کے بعد عائشہ اور اس کی امی بہت سارے مسائل کا شکار ہوتی ہیں لیکن اپنی غیور طبیعت کی وجہ سے کسی سے قرض ادھار نہیں لیتیں۔

ایک سلائی کے سوٹ کے لیے لیس اور دھاگہ خریدنے کے لیے عائشہ کو بازار جانا پڑتا ہے۔ شام زیادہ ہو جاتی ہے، وہ بس کے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے مانی بصد اصرار اسے لفٹ دیتا ہے۔ مانی کی امی اور بہن ماریہ گاڑی میں مانی کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھتی ہیں لیکن پہچان نہیں پاتیں۔ مانی پوچھ گچھ پر ماریہ کے سامنے عائشہ کا نام لے دیتا ہے۔

جمال دوپہر میں فون کر کے نائلہ کو ہوٹل لے جانے کی بات کرتا ہے۔ دروازہ بجنے پر وہ باپ کو دیکھ کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ سید صاحب اس کا فون اٹھاتے ہیں۔ سید صاحب کے جانے کے بعد نائلہ جمال سے ملنے چلی جاتی ہے جہاں وہ ایک دوسرے سے التفات کا اظہار کرتے ہیں۔ جمال اسے اپنے نو تعمیر شدہ بنگلے میں لے جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ تمہارا گھر ہے۔

چنبیلی طلال کے ساتھ شادی ہو جانے پر بہت خوش ہے۔ طلال اسے بتاتا ہے کہ ہر چیز جو اسے پسند آ جائے وہ قید کر لیتا ہے اور اس قید سے رہائی اس کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔

سید صاحب اپنے بیٹے فرحان سے اس کی شادی کی بات کرتے ہیں تو وہ پھر ٹال دیتا ہے حمنہ کے نکاح والے دن مانی، عائشہ کا انتظار کرتا ہے۔ ماریہ جو اس کی ہے اس سے پوچھتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی امی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔

عائشہ کی خالہ کا فون آتا ہے وہ عائشہ کی امی سے کہتی ہے کہ جوان بچی کے ساتھ اکیلی کیسے رہو گی میرے پاس آ جاؤ، عائشہ کی امی انکار کر دیتی ہیں اور سوچتی ہیں کہ کب تک بہن کو انکار کروں گی اگر مجھے کچھ ہو گیا تو عائشہ کا کیا ہو گا۔ وہ عائشہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں۔

جھمکا جان بڑی بی کو ڈانٹتی ہے کہ تم اس انتظار میں رو رو کے کیوں مر رہی ہو، وہ نہیں آئے گا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہے یا مر مرا گیا۔ تارا جھمکا جان کو کبیر صاحب کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔

نائلہ جمال کے گھر سے آنے کے بعد بھی اسی تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ سرمد آتا ہے تو اسے بخار ہوتا ہے۔ وہ نائلہ سے چائے بنانے کا کہتا ہے نائلہ منع کر دیتی ہے اور گلی کے نکڑ سے اسے چائے لانے کا کہتی ہے۔ واپس آ کر سرمد، نائلہ سے پوچھتا ہی ہے کہ وہ آج دن میں کہاں گئی تھی۔

چنبیلی طلال کو ماں بننے کے متعلق بتاتی ہے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے یہاں خاندانی بیوی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ کہتا ہے کہ ہم چھ بھائی ہیں اور چھٹا بھائی لاڈلا چہیتا یہ شادی کے چھٹے مہینہ پیدا ہوا تھا۔

ماریہ، عائشہ کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے رشتے کے لیے شام میں کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ مانی اتفاقاً وہاں سے گزرتے ہوئے سن لیتا ہے۔

ظفر صاحب کی بیٹی کو فائرنگ کے ذریعے ڈرا کر ان کو عملی دھمکی دی جاتی ہے۔

چنبیلی بیٹے کی پیدائش پر طلال کی توجہ پا کر پھر اپنا خیال رکھتی ہے لیکن طلال نشے میں چور گھر آ کر اس سے کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس سے آ رہا ہے۔ چنبیلی کے سوال پر کہتا ہے کہ تو تو بیوی ہے محبوبہ تو وہ ہے جو فلیٹ میں رہتی ہے۔

جان محمد کی بیٹی کو ایکسیڈنٹ کے ذریعے مروا دیا جاتا ہے۔ اس کی بیوی بین کرتی ہے اور چلا چلا کے قاتلوں کے نام

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لیتی ہے اس کی رشتہ دار اسے چپ کرانے کی کوشش کرتی ہیں لیکن وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہوتی۔ میڈیا کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی کیس کے اہم گواہ کی بیٹی کی ایکسیڈنٹ میں موت۔ میڈیا کی بڑی تعداد اس کے گھر جمع تھی۔

ماریہ، شاہ میر کے ہاتھ کا سلا سوٹ دیکھ اس کی تعریف کرتی اور اسے کہتی ہے کہ تم اپنے چاچا کو تنگ کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے تمہاری شکایت کی ہے۔ نائلہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ پاتی۔ وہ ڈرتی ہے کہ باہر جانے پر پہچان لی جائے گی۔ جمال اس کا یہ حل نکالتا ہے کہ اسلام آباد شفٹ ہو جائے۔

امداد بروہی پریس کانفرنس کر کے صفائی پیش کرتا ہے کہ جان محمد کی بیٹی کو مارنے میں اور ظفر صاحب کی بیٹی پر فائرنگ میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔

جان محمد کے جیل میں سارے عیش و آرام ختم ہو چکے تھے، اسے انتہائی بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا تھا۔ جب سے اس نے گولی نہ چلانے کا بیان دیا تھا اس پر شدید ٹارچر ہو رہا تھا۔

ترنم نے روتے روتے ارمانوں سے کرایہ پر لیا گھر خالی کیا، اماں دو ملازم ساتھ لائی تھی جو سارا سامان پیک کر رہے تھے۔ اسے تو ہوش نہ تھا ایک سوچ پریشان کر رہی تھی کہ ایسی کیا بات تھی جو اس نے دل پر لے لی اور دل دھڑکنا ہی بھول گیا۔

سامان لوڈ ہو گیا تو اماں نے اسے اور بچوں کو ٹیکسی میں بٹھایا۔ خلیل نے جاتی ٹیکسی دیکھ کر کہا، پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ایک درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں ایک عورت چاچا سے ملنے آتی ہے اور پوچھتی ہے کہ میری امانت ہے تمہارے پاس۔ کیسا ہے وہ۔ چاچو کہتے ہی کہ ٹھیک ہے۔ وہاں ماریہ بھی چاچا سے ملتی ہے، وہ اپنی دوستوں کے ساتھ وہاں آتی ہے۔ عورت اٹھ کر چلی جاتی ہے، چاچا کسی سوچ میں گم تھے۔ شاہ میر ایک یتیم خانے میں اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرتا ہے۔

عالیہ بیگم بیٹی کی شادی کے لیے زیورات نکالتی ہیں، شوہر مانی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کی پسند کی لڑکی کے گھر کب جانا ہے، وہ انکار کر دیتی ہیں۔

عائشہ کی خالہ کا بیٹا ذوہیب گھر والوں کو سرپرائز دینے کے لیے ایک ہفتہ پہلے آ جاتا ہے۔

ظفر صدیقی صاحب کو وفاقی وزیر بجل شاہ پولیس کے اعلا افسر کے ہمراہ اپنے گھر بلا کر انہیں مقدمے کو ختم کرنے کا کہتا ہے۔ پولیس افسر کرم الٰہی بھی انہیں سمجھاتا ہے کہ جان محمد اب بیان ولی شاہ کے حق میں دے گا۔ بجل شاہ ایک لفافے میں بلینک چیک دیتا ہے کہ اپنی مرضی کا اماؤنٹ بھر لیں۔ مانی یہ جان کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے قصاص کے پیسے لے لیے۔

ترنم کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ ماں اسے کہتی ہے کہ وہ کچھ ہار سنگھار کر لے۔ ترنم اپنے بیٹے کی بسم اللہ کرنے کے لیے کہتی ہے۔

جمال فون سن کر زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ نائلہ سے کہتا ہے کہ اپنا پرس اٹھاؤ اور چلو۔ وہ نائلہ کو خوب پیدل گھماتا پھراتا آگے بڑھتا ہے وہ کسی گھبراہٹ کا شکار تھا۔ ایک جگہ جا کر وہ موٹر سائیکل کی پاس رکتا ہے اور اس پر بیٹھے ایک عجیب وغریب حلیے والے لڑکے کو کہتا ہے کہ نائلہ کو محفوظ جگہ پہنچا دے۔ وہ اسے انتہائی نچلے متوسط علاقے کے ایک گھر میں لے آتا ہے اور وہاں ایک عورت آ کر پوچھتی ہے کہ تم کون ہو۔

طلال کے پاس اس کے باپ کا فون آتا ہے کہ وہ ظفر صدیقی والے کیس سے دور رہے کیونکہ ان کے مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ جھنڈے والی گاڑی کا خواب طلال کو اس کیس سے دور کر دیتا ہے۔

پریا طلال کی دیوانگی سے تنگ آ جاتی ہے۔ طلال اسے کہتا ہے کہ جو چیز اس کی ہوتی ہے وہ کسی اور کے قابل نہیں رہتی۔ وہ اس کے چہرے پر تیزاب ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے۔ نائلہ کو پتا چلتا ہے کہ وہ جمال کا گھر ہے، راکٹ اس کا بھائی اور وہ لڑکی اس کی بھابھی ہے۔

چنبیلی طلال سے لڑ کر اپنا سامان پیک کرتی ہے۔ طلال اسے مارتا ہے اور دھمکی دیتا ہے کہ باہر نہ جانا۔ چنبیلی انتہائی بری حالت میں کوٹھے پر پہنچتی ہے۔ سب اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اچانک چنبیلی کی چیخوں سے پورا گھر لرز جاتا ہے۔

چنبیلی کی چیخ سن کر جب سب اس کے کمرے میں پہنچتے ہیں تو اس کا چہرہ تیزاب کی وجہ سے موم بتی کی طرح پگھل رہا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تھا۔
ترنم کا بیٹا سپارہ پڑھنا شروع کر چکا ہے۔ ترنم بہت خوش ہے۔ اس کی ماں کہتی ہے کہ اپنے بارے میں بھی کچھ سوچو۔ وہ اسے شیخ صاحب کا بتاتی ہے۔ ترنم کہتی ہے کہ میں اپنے دونوں بچوں کو نہیں چھوڑوں گی۔
سومی، نائلہ کو بتاتی ہے کہ جمال پہلے یہاں ہی رہتا تھا۔ چھ مہینے پہلے گیا ہے اور وہ راکٹ کا بڑا بھائی اور اس کا جیٹھ ہے۔ راکٹ کے آنے پر بات ٹل جاتی ہے۔
جھمکا جان طلال کے خلاف ایف آئی آر درج کراتی ہے۔ چاچڑ اسے سمجھاتا ہے کہ پرچہ تو کٹ جائے گا مگر طلال کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
عائشہ جس اسکول میں پڑھاتی ہے وہاں کچھ غنڈے آکر ان کا سامان اٹھا کر پھینکتے ہیں اور انہیں ڈرا دھمکا کر جاتے ہیں۔
مانی کے لیے یہ بات انتہائی صدمے کا باعث تھی کہ شاہ زین کے گھر والوں نے اس کے قاتلوں سے مذاکرات کر کے کیس ختم کر دیا تھا۔
کھانا کھاتے ہوئے ذوہیب اپنی امی سے باتیں کر رہا تھا عائشہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی کہ اچانک ذوہیب ماں کی آواز پر چونکتا ہے وہ بتاتی ہیں کہ ان کے سینے میں شدید درد اٹھا ہے۔ ذوہیب عائشہ سے کہتا ہے کہ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ خالہ کی حالت پر عائشہ خود پریشان ہو جاتی ہے۔

سولہویں قسط

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''چھوڑ دو مجھے...... مر جانے دو۔''
وہ نازک سی لڑکی، جس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ چاند کی مضبوط گرفت میں پھڑپھڑا رہی تھی۔
''اگر مرنے سے مصیبتیں کم ہو جاتیں اور مسائل حل ہو جاتے تو میں بھی کب کا مر چکا ہوتا۔'' چاند اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

☆☆☆

عدالت اماں کے سامنے لگی تھی۔ ان کی پیشانی پہ تفکرات کی لکیریں ابھریں۔
''نیچے والوں کے پاس سے بھاگی ہے، بات کی تو ہے بانو سے۔ ایسے تو وہ بھی نہیں چھوڑے گی۔ رقم مانگ رہی ہے اس کے بدلے میں۔'' انہوں نے ترنم اور چاند کی طرف باری باری دیکھا۔
''میرے پاس ہے کچھ رقم۔ میں دے دوں گا۔'' ترنم سے پہلے ہی چاند بول پڑا۔
''ہزاروں سے کام نہیں چلے گا۔ لاکھ سے اوپر مانگ رہی ہے۔'' انہوں نے جتایا۔
''میں کوشش کرتا ہوں بندوبست کرنے کی۔'' چاند نے پھر کہا۔
''تجھے کیا دلچسپی ہو گئی اس میں؟'' اماں نے کڑی نگاہوں سے نواسے کو گھورا۔
چاند جز بز ہوا مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ ترنم نے دزدیدہ نگاہوں سے پہلے ماں کو پھر اپنے بیٹے کو دیکھا۔
''میرے پاس زیور ہے، اس کی دلہن کے لیے رکھا تھا۔ وہ دے دوں؟''
ترنم کو بیٹے کا چہرہ دیکھ کر کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا چاہ رہا ہے۔
اماں کی تیز نگاہیں تو یہ سب پہلے ہی بھانپ چکی تھیں۔ صدیوں پرانی کہانی ایک بار پھر سے نئی بن کر شروع ہو رہی تھی۔ چاند کی آنکھوں کے سامنے سے وہ آنسو بھری نگاہیں، وہ شفاف چہرہ ہٹتا نہیں تھا۔ وہ بے بس ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ کھلے احاطے میں کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ حضور بخش رپورٹ دے رہا تھا۔ سنتے سنتے اس کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے۔

"جہاں سے چلا تھا، وہیں پہنچ گیا۔ تو اب کسی کام کا نہیں۔ حضورے نکما ہو گیا ہے نکما۔ ایک ذرا سا کام نہیں ہو رہا تجھ سے۔ معمولی سی چیونٹی نہ پکڑی جا رہی ہے تجھ سے، نہ مسلی جا رہی ہے۔" طلال نے کڑی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"بڑی محنت سے پتا لگایا تھا سر جی۔ وہ اکاؤنٹ نمبر۔ ٹھیلے پہ شربت بیچنے والے کا نکلا۔ اسے کچھ بھی نہیں معلوم کہ جس اکاؤنٹ کی اس نے برسوں سے خبر نہیں لی، اس میں اتنی رقم کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔ مرگھلا، ڈرپوک سا آدمی تھا۔ ذرا سی مار پیٹ میں ہی حال برا ہو گیا اس کا۔ سچ بول رہا تھا، چھوڑنا ہی پڑا۔"

حضور بخش کی وضاحت پر بھی طلال کے ماتھے پر پڑے بل سیدھے نہیں ہوئے، اس کا مزاج ہنوز بگڑا ہوا ہی تھا۔

"بس یہ ہفتہ اور ہے۔ ایڈریس مل جائے گا سالی کا، میں نے سب جگہ بندے دوڑائے ہوئے ہیں۔ کنکشن مل ہی جائے گا۔" حضور بخش اپنی صفائی بھی پیش کر رہا تھا اور طلال کو یقین دہانی بھی کروا رہا تھا۔

"بس یہی ہفتہ ہے تیرے پاس۔ پھر تو خود ہی بتا دینا، تیرا کیا حشر کرنا ہے۔" طلال کے لہجے میں خشونت بھی تھی، سفاکی بھی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں سر جی۔" حضور بخش نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔

"میں تو بے فکر ہی ہوں۔ بس تو اپنی فکر کر لے۔"

طلال کے لیے اپنا غصہ ضبط کرنا مشکل تھا اور انتظار کرنا مشکل ترین۔ اپنی فطرت کے مطابق وہ فوراً ہی بدلحاظی پر اتر آیا۔ حضور بخش اچھی طرح جانتا تھا بلکہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے پاس بس یہی ہفتہ ہے خود کو طلال کے عتاب سے بچانے کے لیے۔

☆☆☆

ٹرے میں رکھی سالن کی پلیٹ میں شوربے پہ گھی کی تہ جم گئی تھی۔ رومال میں لپٹی روٹیاں اپنی نرمی اور گرمی کھو کر کب کی ٹھنڈی اور باسی ہو چکی تھیں۔ خود اس کا اپنا چہرہ ستا ہوا تھا۔ گلابی ہونٹوں پہ پپڑیاں جم گئی تھیں۔

"کب تک بھوکی بیٹھی رہے گی؟ یہ پیٹ بڑی ظالم شے ہے۔ جب بھوک انتہا پر ہوتی ہے تو کچرے سے بھی چیزیں چن کر کھانے پہ مجبور کر دیتی ہے۔"

جھمکا اپنی تمام تر تلخی اور درشتی کے باوجود بھی اس پر نہ جانے کیوں کچھ مہربان نظر آتی تھی۔

"نہ مجھے بھوک ہے، نہ کھانے کو دل چاہتا ہے۔"

نائلہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ جھمکا کے الفاظ ابھی اس کی سماعتوں میں زندہ تھے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ بھوک پیٹ کی ہو یا نفس کی، انسان کو کچرے میں سے بھی چن کر کھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میں بھی شاید...... شاید غلاظت سے اپنی بھوک کا سامان ڈھونڈ رہی تھی۔ اندر سے ایک کمزور سی آواز محاسبے کے لیے اٹھی مگر نائلہ نے اس سے نظریں چرا لیں۔

"کیا وہ شخص میرے لائق تھا جو میرے لیے چنا گیا؟" اس کے ذہن میں سرمد کی شبیہہ لہرائی۔

"کیا مجھے حق نہیں ایک بہتر شخص اور بہتر زندگی کی آرزو کرنے کا۔" اس کا دل تاویلیں پیش کر رہا تھا۔

"اور وہ جو تم نے چنا وہ کس قابل تھا؟" کمزور سی آواز نے کچھ توانا ہو کر اس کا مذاق اڑایا۔

"اب سوچتی ہی رہے گی یا کھانا بھی کھائے گی؟ سب رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا۔" جھمکا نے اکتا کر سوال کیا۔

"جب مجھے بھوک ہو گی، کھا لوں گی۔"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اچھا بھئی، اب اس سے زیادہ خوشامد نہیں کر سکتی تیری۔'' جھمکا کا بے زار لہجہ تلخ ہوا۔ ''میری بلا سے، بھوکی مرے، مجھے کیا۔'' اس نے چڑ کر منہ ہی پھیر لیا۔

''کیا بات ہے باجی۔ تم بڑی مہربان ہو رہی ہو اس لڑکی پہ؟'' تارا کو بھی جھمکا کے رویّے پہ حیرت ہو رہی تھی۔

''ہاں رشتہ دار ہے میری۔ پیار اُمڈ رہا ہے اس کے لیے۔'' خلاف توقع جھمکا نے بھڑک کے بغیر جواب دیا تھا۔ عجب ایک تھکن سی تھی اس کے لہجے میں۔

نائلہ نے چونک کر اسے دیکھا جس کا کرخت چہرہ دیکھتے ہوئے اسے کچھ احساس ہو رہا تھا، ایک جانا پہچانا سا احساس مگر وہ اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔

''ٹھیک کہتی ہے باجی۔ غصہ، نفرت انسان کب تک کرے۔ ایک نہ ایک دن تھک ہی جاتا ہے۔'' تارا نے ہمدردی سے سوچتے ہوئے ایک نظر جھمکا پر ڈالی، صرف چہرہ ہی نہیں وہ تو سراپا تھکن نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

''وہ بہترین وقت تھا، وہ بدترین وقت تھا' وہ دانائی کا دور تھا۔ وہ حماقت کا دور تھا۔'' ''اے ٹیل آف ٹو سٹیز'' میں چارلس ڈکنز کے یہ الفاظ اب بھی تر و تازہ ہیں اور ہمارے ''آج'' کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ آج کا دور جو ترقی و ٹیکنالوجی کی انتہا کو چھو رہا ہے اور اخلاقی پستی و زوال کو بھی پہنچ رہا ہے، ہم جو خوش نصیب ہیں کہ مشینوں کو اپنا تابع بنا رہے ہیں۔ ہم جو بدنصیب ہیں کہ پھر ان ہی مشینوں کے غلام بن رہے ہیں۔

مقام کمال ہے کہ ہر کوئی اپنے ہاتھوں میں ''جام جہاں نما'' لیے دنیا بھر سے باخبر اور رابطے میں ہے۔ مقام زوال ہے کہ برابر کے کمرے میں پڑے کسی پیارے اور قریبی رشتے سے بے خبر لاپروا ہے۔ رسائی کی حد ہے کہ دوسرے سیاروں پر کمند ڈال دیں۔ غفلت کی حد ہے کہ اپنے اندر کی دنیا سے لاعلم ہے۔ جدید تہذیب کی روشنی ہر طرف پھیلی ہے، صدیوں پرانا وحشی اندھیرا ابھی اس کے ہمراہ ہے۔ امن کی لکیر کھینچی جاتی ہے اسی کے ہم قدم بارود کا فیتہ بھی ہے۔ علم کا فروغ ہے۔ جہالت کو ثبات بھی ہے۔ جانور سدھا کر رام کر لیے پھر انسان خود حیوان بن گیا۔ جو جنگ کے خلاف پیش پیش ہیں۔ آلات حرب اور حالات جدل کی پیداوار میں ماہر ہیں۔

خواب اور افکار زبانوں پر ہیں۔ سماعتیں زر کی جھنکار پر ہیں۔ طویل فاصلے سمٹ گئے۔ دلوں کے فاصلے بڑھ گئے۔ سفر آسان ہو گئے۔ قدم اٹھانے مشکل ہو گئے۔ سچ کا غلبہ ترجیح قرار پایا اور جھوٹ کی بادشاہت سر آنکھوں پر ہے۔ بھلائیوں کے ماؤنٹ ایورسٹ کھڑے کر لیے۔ بدی کا سورج ان پہاڑوں پر سر بلند اب بھی ہے۔ پرانی بیماریوں کے علاج ڈھونڈ لیے۔ نئے روگ پھر ایجاد کر ڈالے۔ طویل و پیچیدہ آپریشن ممکن ہو گئے مگر بہتے آنسو پونچھنے اب بھی مشکل ہیں۔

عمارتیں بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئیں۔ انسانیت پست سے پست تر ہوتی جا رہی ہے۔ کتابیں ہیں کہ حکمت و دانائی کے موتیوں سے بھر گئیں۔ انسان ہے کہ عقل و ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔

ایک بٹن، ایک کلک حاصل زندگی ٹھہرا۔ ایک زندگی ایک فرد ہے کہ گمشدہ ہوا جاتا ہے۔ پانیوں کو، ہواؤں کو، فضاؤں کو زیر کر لیا۔ اپنے نفس و خواہشات نے مگر بے بس کر دیا ہے۔ فتوحات ہیں کہ بڑھتی جا رہی ہیں۔ شکست خوردگی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ جتن ہیں زندگی میں اضافے کے اور موت کی ارزانی کا اہتمام بھی ہے۔ بصارتوں کے آگے دھند ہے، سماعتوں کے آگے دیوار ہے۔ محبتوں کی شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور نفرتوں کی فصل بھی اگا رکھتے ہیں۔ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتے ہیں۔ بند دروازوں سے تعبیر کورد کتے ہیں۔

انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہ اعلان کر کے پھر دہریے بن جاتے ہیں۔ زہریلے سانپ، پٹاری

سے نکال کر منتر کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ ہم عجیب دور میں ہیں کہ کوؤں کے پر لگا کر، ہنس، کائیں کائیں کرنے لگے ہیں۔

ہمارے ہاں بہترین کی پیروی کے بجائے بدترین کی نقالی کی جاتی ہے۔ شرافت کے نعرے لگا کر رذالت کو سند دی جاتی ہے۔ ہم اپنے دریاؤں کی مٹھاس، سمندر کی کھار میں ملا رہے ہیں۔ ہماری تہذیب کی نفاست اور نجابت آلودہ ہوتی جارہی ہے۔ وہ جو خود بل کھاتے راستوں پہ ڈگمگاتے ہیں، دوسروں کو صراط مستقیم کی تلقین کرتے ہیں۔

کتنی آسان ہوگئی ہے زندگی۔ کتنا مشکل ہوگیا ہے جینا۔ کتنی سہولتیں ہیں یہاں پھر بھی۔ کتنی کٹھنائیوں میں ہم گھرے ہیں۔ کتنی دلکش ہے یہ دنیا اور کتنی مہیب بھی۔ کتنے خوش نصیب ہیں ہم اور کتنے بدنصیب بھی۔

☆☆☆

وہی صبح، وہی شام، ایک جیسے دن رات۔ کب بدلے گی یہ زندگی؟

لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے عائشہ نے تھک کر پیچھے ٹیک لگالی اور آنکھیں موندلیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا بھی عجیب گورکھ دھندا ہے۔ گوگل، فیس بک، ٹوئٹر، انسٹا گرام نہ جانے کتنے طلسم کدے ہیں اس میں۔ جاؤ تو واپسی کی راہ نہیں ملتی مگر وہ دل، وہ زندگی جو محبت کے طلسم میں قید ہو، وہ پھر کسی اور سحر کا شکار نہیں ہوتے۔

''کیا مصیبت ہے کہ دل کسی بھی چیز میں نہیں لگتا۔'' سیدھی ہو کر وہ جھنجلائی۔

مدثر احمد کا فیس بک پیج نکال کر نہ جانے کون سی دیں بار پڑھ رہی تھی۔ ایک ایک لفظ حفظ ہوگیا تھا۔ ای میل باکس کھول کر جائزہ لیا۔ ذوہیب کی میل موجود تھی۔ عائشہ پڑھنے لگی۔

''وہ ہوگیا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ پتا نہیں کیا ہوتا ہے وہ جو زندگی میں آئی ہے، دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہے یا لگتی ہے کہ بس وہی ہے دنیا کی سب سے اچھی لڑکی۔ عائشہ ڈارلنگ! میں محبت کی تعریف نہیں جانتا۔ اس جذبے کی وضاحت نہیں کرسکتا۔ اپنے جذبوں کو بیان نہیں کرسکتا۔ اپنے دل کا حال میں خود بھی نہیں جانتا۔ بس یہ سمجھ میں آیا کہ دنیا کا سب سے خوب صورت احساس ہے۔ سب سے حسین جذبہ۔ میں بس یہی الفاظ استعمال کرسکتا ہوں۔ میں شاعر ہوں نہ ادیب، ٹھیک سے اپنی بات بیان بھی نہیں کرسکتا نہ ہی ڈھنگ کے الفاظ استعمال کرنے آتے ہیں مجھے۔ سیدھے سادے لفظوں میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے محبت ہوگئی ہے اور تم نہیں جانتی ہو، محبت کیسی ہوتی ہے؟ میں کیسے ہواؤں میں اڑتا ہوں اور بادلوں پر پرواز کرتا ہوں۔ میں کیسے ہنستا ہوں، مسکراتا ہوں۔ بلاوجہ، یوں ہی، شکر ہے ڈیڈ یہاں نہیں وہاں ہیں ورنہ مجھے فوراً کریزی بوائے کا خطاب مل جاتا تھا۔ لیکن مجھے یہی لگتا ہے میں واقعی دیوانہ ہوگیا ہوں۔ کیا سچ مچ؟''

آج کل ذوہیب اسی طرح کی ای میل بھیج رہا تھا۔ وہ پڑھتے پڑھتے مسکرادی پھر فوراً ہی لب بھینچ لیے۔

''اور میں نہیں جانتی محبت کیسی ہوتی ہے؟'' اسکرین پر چمکتے لفظوں پہ نگاہ جمائے وہ اداسی سے مسکرادی۔

''محبت فقط ہنسی ہی نہیں آنسو بھی ہے۔ خوشی نہیں درد بھی ہے۔ یہ فقط خوش رنگ پرندے کی سبک پرواز نہیں۔ ٹھہرا ہوا کائی زدہ پانی بھی بن جاتی ہے۔ یہ محبت دلآویز بہار کے مہکتے پھول ہی نہیں، مردہ پھولوں کا گیت بھی ہے اور کیا نہیں ہے یہ محبت۔ ہجر بھی، جدائی بھی، بدگمانی بھی گریز بھی، بارش کی بوندیں بھی اور پیاس بھی۔ اعتبار بھی مگر مسلسل انتظار بھی۔ سوچنا کسی کو اور یاد کرنا بھی۔ روٹھنا بھی خود ہی اور چپکے سے مان جانا بھی۔ کبھی ہتھیلیوں میں، لکیروں میں اسے کھوجنا۔ کبھی آتی جاتی ہواؤں سے اس کا پتا پوچھنا۔''

عائشہ نے سوچتے سوچتے پھر آنکھیں موندلیں۔ جو کھلی آنکھوں سے نظر نہ آئے، وہ بند آنکھوں سے نظر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

آ جاتا ہے۔ اگرچہ خوش بخت ہوتی ہے یہ محبت مگر بڑی کم بخت بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ سونے کے زیورات، قیمتی کامدار جوڑے، جوتے، خشک میوے اور مٹھائیوں کے ٹوکرے۔ دولہا نے دل کھول کے خرچا کیا تھا۔

"دیکھ لے سب لوگ منی کی قسمت پہ رشک کر رہے ہیں۔ تو ایویں پتا نہیں کیا کیا سوچ رہی تھی۔ بلاوجہ کے وہم، اونہہ۔" اماں نے زیورات کے مخملیں ڈبے اوپر تلے رکھتے ہوئے گردن جھٹکی۔

"پر اماں! منی بہت چھوٹی ہے اور......"

"کیا چھوٹی چھوٹی کی رٹ لگائی ہوئی ہے تو نے۔ سولہویں سال میں ہے۔ اب نہیں کرتی تو کب کرتی۔ ڈھلتی جوانی میں کون پوچھتا؟ جا کے ذرا دیکھ اسے کتنی خوش ہے۔ دانت اندر نہیں ہو رہے مہارانی کے۔" اماں نے ترنم کو لتاڑا۔

"وہ تو کپڑے اور زیور دیکھ کر ہی بہل گئی ہے۔ اسے کیا خبر......"

ترنم نے بات ادھوری چھوڑ کر مضطرب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"اب بہل گئی ہے۔ آگے بھی بہلی رہے گی۔ کسی بڈھے کے حوالے نہیں کیا۔ اچھا بھلا گبھرو جوان ہے۔ بس کافی ہے۔ اب تو اتنی فکر نہ کر۔" اماں کا لہجہ تھوڑا سا نرم ہو گیا۔

"اچھا۔" ترنم کی آمادگی بے بسی کے ساتھ تھی۔ اس کے خدشات اپنی جگہ اور زندگی کے حقائق اپنی جگہ جو بے شک تلخ تھے مگر زندگی کس کے لیے تلخ نہیں؟ اتنی بڑی دنیا میں محل سے لے کر جھونپڑی تک، بدمعاشوں سے لے کر شریفوں تک، معززین سے لے کر رذیلوں تک، کون ہے جس کے لیے زندگی آسان ہے۔ کہیں کم کہیں زیادہ۔ تلخیاں تو ہر جگہ ہیں ترنم سوچ سوچ کر خود کو تسلیاں دے رہی تھی۔

"وہ......اماں......ایک بات کہنی تھی۔" ترنم کچھ جھجک کر گویا ہوئی۔

بچے بڑے ہو گئے ترنم کے مگر ابھی تک اماں کا رعب اور دبدبہ ایسا تھا کہ وہ ان کے آگے جھجک جاتی تھی۔ اٹک جاتی تھی۔

"ہوں؟" انہوں نے بے توجہی سے پاندان اپنی طرف سرکایا۔

"میں چاہ رہی تھی کہ چاند کا بھی نکاح کر دوں۔"

"کس سے کرے گی؟"

"اسی سے جو......" ترنم نے جملہ ادھورا چھوڑا مگر اس کی ادھوری بات اماں بخوبی سمجھ گئی تھیں۔

"اپنے شہزادے سے پوچھ لیا؟"

"اسی کی تو مرضی ہے۔"

"پھر بھی اچھی طرح سوچ سمجھ لے، گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی ہے۔ ابھی تو تیرا لاڈلا جذباتی ہو رہا ہے کل کو یہ نہ ہو اس کی عزت غیرت جاگ اٹھے اور پھر کوئی مسئلہ کھڑا ہو۔" اماں کی جہاں دیدہ اور تجربہ کار نگاہیں بیٹی پر ٹکی تھیں۔

"کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ تبھی کہہ رہا ہے۔"

"شکل دیکھ کر پھسل گیا ہے۔ یہ نہ ہو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہو۔" اماں اپنی بات پر مصر تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا اماں!" ترنم کا یقین اپنی جگہ قائم تھا۔

"تیری آنکھوں پر تو بیٹے کی محبت کی پٹی بندھی ہے نہ کچھ اور دیکھتی ہے نہ نظر آتا ہے۔" اماں نے بےزاری

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سے سر جھٹکا۔

''اماں، میرے بچے نے پہلی بار کوئی خواہش کی ہے۔ اس کی خوشی پوری کر لینے دو مجھے۔'' ترنم گڑگڑائی۔

''آئے ہائے تو میں کیا روڑے اٹکا رہی ہوں تیرے لاڈلے کی خوشی کے آگے۔ جو کرنا ہے کر لے۔ میرا کام تھا سمجھانا بتانا، سو میں نے کر دیا۔ آگے تو جانے تیرا شہزادہ۔'' اماں نے منہ بنایا۔

''اماں! خوشی خوشی ہاں کرو نا۔'' ترنم نے خوشامد کی۔

ان کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھانا، اس کے لیے بڑا مشکل تھا مگر دوسری طرف بیٹے کی خوشی، جس کے لیے وہ سچ مچ اپنی جان بھی دے سکتی تھی پھر بھی اماں کی ناراضی اور ناگواری اسے گوارا نہ ہو رہی تھی۔

''ارے ہاں، خوش ہی ہیں ہم، اپنے بچوں کی خوشی میں ہم خوش نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ چل منی کے ساتھ ساتھ اس کے بیاہ کی تیاریاں بھی کر لے۔'' اماں کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ترنم نے سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

گھر سے باہر رات کی سیاہی پوری طرح پھیل چکی تھی مگر گھر کے اندر روشنی تھی۔ وہ روشنی جو چاچا کو اب گاہے بگاہے نظر آنے لگی تھی۔ موبائل میں مگن شاہ میر کو مسکراتا دیکھ کر ان کی آنکھوں اور چہرے کی جوت بڑھ گئی تھی۔

''کس بات پر اتنی ہنسی آرہی ہے شہزادے؟'' چاچا نے اپنی تھوڑی کھجائی۔

''ماریہ نے کچھ فنی ویڈیوز بھیجی ہیں وہی دیکھ رہا تھا۔'' شاہ میر نے سادگی سے کہتے ہوئے موبائل اسکرین ان کے سامنے کی۔

''یار یہ لڑکی بڑی اچھی لگنے لگی ہے مجھے۔'' ویڈیو دیکھتے ہوئے چاچا نے خود کلامی کی۔

''اس عمر میں؟'' شاہ میر نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''اوئے...... تجھے بھی مذاق کرنا آگیا؟'' چاچا نے دل کھول کے قہقہہ لگایا۔ کتنی دیر وہ ہنستے رہے اور اتنی ہی دیر ان کا موٹا پیٹ تھلتھلاتا رہا۔ ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

''اوئے یار! مجھے یقین نہیں تھا کہ میں اپنی زندگی میں یہ معجزہ دیکھوں گا۔ تجھے ہنستے مسکراتے، مذاق کرتے۔'' انہوں نے ہتھیلیوں سے اپنی نم آنکھیں مسلیں۔

''آپ بھی بس یونہی جذباتی ہو جاتے ہیں۔'' شاہ میر نے موبائل آف کر کے ایک طرف رکھا۔

''کبھی کبھی جذباتی بھی ہو جانا چاہیے یار، جذبات کے بل بوتے پر تو یہ دنیا یہ زندگی قائم ہے۔ برف یا پتھر کے مجسمے بن کر تو زندگی نہیں گزرنی نا۔''

''بس چاچا! تمہارا فلسفہ شروع ہو گیا؟'' شاہ میر نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے اور آنکھیں موند لیں۔

''نہیں میرے بچے! میرا فلسفہ نہیں بلکہ خوشیوں کا دور شروع ہوا ہے۔'' چاچا کی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

''اور میں تجھ سے ماریہ کی بات کر رہا تھا تو ٹالنے کی کوشش مت کر۔'' وہ سیدھے ہوئے۔

''کیا بات؟''

''مستقبل کے بارے میں کچھ سوچ، کوئی خواب دیکھ۔ ایویں کب تک صبح سے شام، شام سے رات کرتا رہے گا۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اسے تھام کر اپنے لیے خوشیاں لے لے۔''

''چاچا! تمہارے لیے ہر بات کہنا کتنا آسان ہے۔ بہت جلدی تم خوابوں کی دنیا سجا لیتے ہو۔ کاش میرے لیے بھی یہ سب اتنا ہی آسان ہوتا۔''

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

یونہی آنکھیں موندے موندے وہ ہولے سے بولا۔
"تجھے تو ہر کام مشکل ہی لگتا ہے چاہے ہنسنا مسکرانا ہی کیوں نہ ہو۔" وہ چڑ سے گئے۔
"چھوڑو نا چاچا، ہر وقت ایک ہی فکر! ایک ہی بات کرتے ہو۔"
"تو؟ میرے پاس ایک تو ہی ہے۔ تیری فکر نہ کروں۔ بات نہ کروں۔ تو کیا محلے والوں کی کروں۔"
"کیا حرج ہے۔ محلے والوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔" ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔
وہ واقعی بدل گیا تھا۔ شاید پہلے تو وہ مذاق کرنے سے بالکل ناآشنا تھا۔
"تجھ سے کچھ کہنا فضول ہے میں خود ہی بات کرلوں گا ماریہ سے۔" چاچا کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔
"بات کو سمجھا کرو چاچا! وہ اس طرح کی لڑکی نہیں ہے۔ اسے شادی وغیرہ کے معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ صرف اور صرف اپنے کام پر فوکس رکھتی ہے۔ اپنے کام سے عشق کرتی ہے اور بس اس سے کچھ کہہ کر میری عزت خراب نہ کرو، وہ یہی سمجھے گی کہ میں بھی...... ہم صرف اچھے دوست ہیں اور بس۔"
"اچھے دوست؟ ونہہ، شوبز کے ہیرو ہیروئن ہو جو ایسی باتیں کر رہا ہے میرے ساتھ۔"
چاچا کو تاؤ آگیا۔ انہوں نے دوسری جانب منہ پھیر لیا جو ان کی خفگی کی علامت تھی۔ شاہ میر نے سکون کا سانس لیا۔ "تم روٹھے ہم چھوٹے۔"

☆☆☆

لان کے جس گوشے میں کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ وہیں بچھی کرسیوں پر خالہ اور علیزے بیٹھی تھیں۔ موسم اگرچہ گرم ہو چکا تھا مگر درختوں پودوں، پھولوں اور سبزے نے موسم کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ ہوا کو اتنا خوش گوار کر دیا تھا کہ موسم کی حدت اور شدت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہوا میں تالیاں بجاتے پتوں کا جوش اور خوشی دیدنی تھا۔ خالہ چاہ رہی تھیں ایسی ہی تھوڑی سی خوشی چرا کر بیٹی ان کے حوالے کر دے گی مگر وہ تو۔
"ویب سائٹ ہے اس کی۔ فیس بک پیج ہے۔ انسٹاگرام پر ہے۔ سوشل میڈیا پہ کتنے سارے لنکس پر وہ موجود ہے۔ اس کا سارا کچا چٹھا موجود ہے۔ جو بات کرنی ہے۔ تفتیش کرنی ہے کرلو۔" خالہ کا ہار ماننے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے اب تک ڈٹی ہوئی تھیں۔
"مما جانی، سوشل میڈیا پہ جو بھی کچا چٹھا ہے وہ اس کے پروفیشن کا ہے، ٹھیک ہے ہائی پروفیشن اس کی Success کا گراف اوپر کی طرف جا رہا ہے مگر ایز اے ہیومن وہ کیسا ہے؟ مجھے کیا معلوم؟" علیزے نے اعتراض اٹھایا۔
"تو اتنی دیر سے اور کیا کہہ رہی ہوں میں ملاقات کرلو، بات کرلو، تمہاری آنٹی فیملی کی تعریف کر رہی تھیں۔ اچھے خاندانی لوگ ہیں شریف اور وضع دار۔"
"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ شادی کا فیصلہ تو اس شخص کو دیکھ کر مل کر ہی کروں گی۔" علیزے نے خالی ہوتا چپس کا پیکٹ ہلایا۔
"فیملی سے بہت فرق پڑتا ہے۔ جڑ اچھی ہو تو پتے اور پھول بھی اچھے ہی نکلتے ہیں۔"
خالہ کی سوچ بھی اس معاملے میں عالیہ بیگم سے مختلف نہ تھی۔
"پتا نہیں، یہ ہم سے پہلی جنریشن کی سوچ ہے۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتی، اس بارے میں کہ یہ تھیوری ٹھیک ہے یا نہیں؟" علیزے نے کندھے اچکائے۔
"بڑوں کے تجربات اور باتیں اسی لیے بار بار دہرائی جاتی ہیں کہ اگلی جنریشن ان سے فائدہ اٹھائے یا سبق

سیکھے۔"

"اپنے تجربات کوئی بھی انسان پوری سچائی کے ساتھ کبھی بیان نہیں کرتا۔ چھوٹوں کو نصیحتیں کی جاتی ہیں۔ پورا سچ کبھی نہیں بتایا جاتا۔" علیزے نے پُرخیال نظروں سے ماں کو دیکھا۔ جو اس کی بات سن کر حیران ہو رہی تھیں مگر فوراً ہی ان کی حیرانی دور ہوگئی۔

"یہ میرے الفاظ نہیں ہیں۔ ان ہی موصوف کے فیس بک پیج پر پڑھے تھے جن سے بات اور ملاقات کے لیے آپ مجھے اکسا رہی ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اچھے اور سچے لوگ مشکل سے ملتے ہیں۔ صرف ہماری کلاس میں نہیں بلکہ ہر کلاس میں دنیا بھر کی طرح ہمارا معاشرہ بھی اس معاملے میں زوال پذیر ہوتا جا رہا ہے۔" خالہ مستقل بیٹی کو سمجھانے پر تلی ہوئی تھیں۔

"مما جانی! میری بات بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔ ضروری نہیں کہ جو انسان میڈیا میں سچ بولتا ہو وہ اپنی ذاتی زندگی میں بھی سچا ہی ہو۔ بعض لوگ جھوٹ بول کر دھوکا دے کر پیسہ کماتے ہیں کچھ لوگ سچ بول کر اپنی روزی کماتے ہیں۔ یہ لوگوں کا پروفیشن ہے۔ پرسنل لائف میں، انسان اپنے پروفیشن سے اپنے کام سے الگ اور ہٹ کر ہوتا ہے۔"

علیزے کی اپنی الگ منطق تھی جو خالہ کی سمجھ سے باہر تھی۔

"مجھے اتنا بتا دو کہ تمہیں شادی کرنی ہے یا نہیں؟" وہ اکتا گئیں۔

"آپ اور ڈیڈ کو دیکھ کر تو یہی سوچتی ہوں کہ شادی بڑی خوب صورت چیز ہے کرنی چاہیے۔" علیزے نے مسکراہٹ دبائی۔

"علیزے۔"

"او کے۔" اس نے صلح جُو انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"بتایئے کب کرنی ہے بات اور کب کرنی ہے ملاقات؟ ہاں مگر اس ہفتے کے بعد، یہ ایک بہت بزی ہے میرا، ہالی ڈے بھی فری نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تو اگلے ہفتے رکھ لیتے ہیں۔" خالہ نے سکون کی سانس لی۔

☆☆☆

فجر کی نماز اور کچھ دیر ذکر اذکار کر کے وہ کھلے۔ فراغ صحن میں کرسی پر بیٹھ گئے۔ رات کی سیاہی دھیرے دھیرے معدوم ہو رہی تھی۔ سپیدہ سحر پھیلتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی پرندوں کی چہکار نے بھی ایک سماں باندھ دیا تھا۔ جو دن کے آغاز پر اپنی روزی کے لیے نکلنے سے پہلے اپنے خالق کی حمد و ثنا میں مشغول تھے اس وقت کی ٹھنڈی ہوا بڑی فرحت بخش تھی۔

عارف نے پرندوں کے لیے رکھے گئے مٹی کے کونڈوں میں سے ایک میں پانی ڈالا۔ دوسرے میں باجرا۔ وہ خود تو نہا دھو کر تیار ہونے چلا گیا۔ ڈیوٹی پر جانے سے پہلے اسے ابھی ناشتہ بھی بنانا تھا۔ سید صاحب اسے جاتا دیکھتے رہے اور اپنے خیالوں میں کہیں کھو گئے۔

"جلد از جلد اس کے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں۔ پھر اطمینان سے وہ کام بھی کر لوں جس کی عرصے سے تمنا ہے حج کا انتظام ہو گیا اگر تو ٹھیک ہے ورنہ عمرہ ہی کر لوں۔ اللہ اپنے گھر بلا لے۔ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی زیارت کروا دے۔ بس اب شاید اسی سے ہی سکون ملے۔"

سوچتے سوچتے انہوں نے اپنی پیشانی مسلی۔ مولوی صاحب کی تقریر ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔

"اور جو حج کا شوق اور تمنا دل میں رکھتا ہو مگر استطاعت نہ ہو اسے مایوس اور ناامید ہونے کی ضرورت نہیں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہے۔ اپنے والدین کو نگاہ محبت سے دیکھنے والے کے لیے حج مقبول کی بشارت ہے۔'' سید صاحب کے دماغ میں اچانک ہی بجلی سی کوندی تھی۔

''ناشتہ کرلیں۔'' عارف کی آواز نے ان کا ارتکاز توڑ دیا۔ لمحے بھر کی چمک پھر سے تاریکی میں بدل گئی۔

''ہاں ...... میں آتا ہوں۔'' اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے وہ ڈگمگا سے گئے۔

''کیا ہوا'' عارف نے آگے بڑھ کر انہیں تھاما۔

''کچھ نہیں، بس چکر سے آگئے۔'' انہوں نے سر جھٹک کر آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا دور کرنا چاہا۔

''ادھر بیٹھ جائیں۔'' عارف انہیں یونہی سہارا دیے دیے کرسی تک لایا اور بٹھا دیا۔

''ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟'' عارف یکدم ہی متفکر نظر آنے لگا۔

''چھٹی کرلیتا ہوں، ناشتہ کرلیں پھر ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔''

''نہیں نہیں، تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ، میں ٹھیک ہوں یہ تو بس یونہی ذرا سا چکر آگیا۔ بڑھاپے میں یہ نہیں آئیں گے تو اور کیا آئے گا؟'' سید صاحب خفیف سا مسکرائے۔

''پھر بھی، اسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس دن بھی آپ مسجد میں چکرا گئے تھے۔''

''ارے نہیں، تم بلاوجہ پریشان مت ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم ناشتہ لے آؤ'' انہوں نے چہرے پر زبردستی بشاشت طاری کی۔

''کل چھٹی کا دن ہے، کل ضرور ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔'' عارف نے انہیں ناشتہ دیتے ہوئے مصمم ارادہ کیا۔

☆☆☆

شام کے ملگجے سائے پھیل گئے تھے۔ مگر باہر پھیلے وہ سائے نہ جانے کیسے اندر کمرے میں موجود اس لڑکی کے چہرے پر بھی چھائے ہوئے تھے۔

''تم سوچ لو ایک بار پھر، اچھی طرح سے۔'' مضطرب سی، اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

''کیا سوچوں؟'' چاند نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔

''گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو اس کے گھر والے بھی قبول نہیں کرتے، تم کیسے کر رہے ہو؟'' شکوک وشبہات، بے اعتباری، اضطراب اس کے پورے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک انجانا سا خوف چھلک رہا تھا۔

''بعد میں کبھی ...... کبھی طعنے تو نہیں دو گے؟''

جس کو اپنا وجود ہی ایک گالی لگتا ہو وہ تمہیں کیا طعنہ دے گا؟''

''مجھے ذلیل تو نہیں کرو گے؟'' اس کے سارے خدشات کا زہر ایک ایک کر کے سامنے آرہا تھا۔

''کیا میں بہت عزت دار ہوں؟ جو تمہیں یا کسی کو ذلیل کرسکتا ہوں؟''

چاند کے پاس ہر سوال کے جواب میں فقط ایک اور سوال تھا۔

وہ خاموش ہوگئی۔ پتا نہیں اس کے سارے سوالات ختم ہوگئے تھے یا وہ چاند پر یقین کرنا چاہ رہی تھی۔ اس پر اعتبار کرنے کا سوچ رہی تھی یا پھر خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑنے کے بارے میں غور کر رہی تھی یا شاید کچھ اور؟ چاند بہت دیر تک اس کی خاموشی سے تکتا رہا۔

''کیا تمہیں کوئی سوال کرنا ہے؟'' اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے وہ اور مضطرب ہوئی جارہی تھی۔

”میرا سوال تمہارے لیے تھا۔ وہ مراد اب پوری ہونے جا رہی ہے۔ اس کے بعد اپنی جھولی میں اور کیا سوال ڈالوں؟“

چاند بھلے کم گو تھا مگر اب بولا تو خوب بولا۔ محبت کیا کیا کچھ سکھا دیتی ہے؟ کیا بولنا بھی؟ وہ خود حیران تھا خود پہ، اپنی بے تابی پر، شدت پر، اظہار پر، اس لڑکی پر۔ اس کی آنکھوں پہ اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں پر اور اور تقدیر پر بھی۔ کسی کو، کس سے، کہاں لا کر ملاتی ہے یہ۔

چاند پہلے نہیں جانتا تھا۔ نہیں سمجھتا تھا اور وہ تو اس وقت بھی نہیں جانتا تھا کہ یہی تقدیر کس کو، کس سے، کہاں لا کر جدا کرتی ہے؟

☆☆☆

انسانوں سے بھرے اس سمندر شہر میں ایک انسان کو ڈھونڈنا شاید اتنا آسان نہیں، لیکن ایک کے بعد ایک سارے کنکشن جوڑتے ہوئے۔ ہر راستے سے گزرے اس کے قدموں کے کھوج نکالتے ہوئے حضور بخش نے سارے ڈانڈے ملا ہی لیے اور ڈھونڈ ہی نکالا اسے جس کی وجہ سے اس کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں اور زندگی ہونے والی تھی۔

’اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی میڈم پریا رانی؟“ مطلوبہ بنگلے کے باہر سے گاڑی موڑتے ہوئے حضور بخش نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

”بڑے جانوروں کا شکار پھر بھی آسان ہوتا ہے مگر جانور جتنا چھوٹا ہو، اس کا شکار اتنا ہی مشکل ہوتا جاتا ہے۔ بڑی دوڑیں لگوائی ہیں اس چڑیا جتنی جان نے۔ اب دیکھنا چڑیا رانی تمہارا کیا حشر ہونے والا ہے۔ ہر پرندہ اپنی اوقات کے مطابق اڑتا ہے۔ مگر تم تو اپنی حیثیت بھول کر کچھ زیادہ ہی اونچا اڑنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ مگر وہ کیا ہے کہ یہ جو بلندیوں پر پرواز کرنے والے عقاب ہیں نا۔ یہ اس جسارت پر معاف کرنے والے نہیں ہیں۔“

حضور بخش دل ہی دل میں سوچتا ہوا جا رہا تھا۔ اس وقت وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ بہت بھاری بوجھ تھا اس کے سر پر۔ جو اسے توڑے ڈال رہا تھا۔ وہ بوجھ آج اترا تھا۔

ملک جی خوش ہو گئے تو بس موجیں ہی ہو جائیں گی۔ خوش کن خیالات اپنے دل میں سجائے وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ اگرچہ فون پر یہ خوش خبری طلال ملک کو دے چکا تھا مگر اس کے سامنے، روبرو ہو کر سرخ رو ہونا چاہتا تھا۔ اتنے برسوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ دیے گئے ٹاسک تک پہنچنے میں کچھ لیٹ ہو گیا تھا اور اس تاخیر نے ملک کا دماغ گھما دیا تھا۔ مگر اب خیر......

”شکر ہے کام ہو گیا۔“ کئی دنوں کے بعد وہ آج اطمینان کی سانسیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

حرا نے لنچ باکس کھول کر کھانا نکالا اور گرم پلاؤ کی اشتہا انگیز مہک فضا میں پھیل گئی۔

”آجاؤ عائشہ! فٹافٹ۔“

”بس آرہی ہوں۔“ لیپ ٹاپ پہ مصروف عائشہ نے جواب دیا۔

”ٹھنڈے ہو کر چاول مزہ نہیں دیں گے یار۔“

”اچھا نا!“ عائشہ اپنے کام کے اختتامی مراحل میں ہی تھی۔ آج کا لنچ حرا کی طرف سے تھا، اس کی سالگرہ کی خوشی میں۔

”یہ لو۔ میں آ گئی۔“ پیلے اور کاہی رنگ دوپٹے کو سنبھالتی ہوئی عائشہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

رہی تھی۔ حرا نے پلیٹ میں پلاؤ نکالتے ہوئے سر اٹھا کر عائشہ کو دیکھا۔

''کیا بات ہے تمہاری، لڑکی، جو بھی رنگ پہنتی ہو، لگتا ہے تمہارے لیے ہی بنا ہے۔'' حرا کے لہجے میں اور آنکھوں میں اس کے لیے تعریف کے رنگ تھے۔

''ارے واہ! تمہیں کیسے معلوم کہ میں تمہارے لیے گفٹ لائی ہوں'' عائشہ کی مسکان شرارت بھری تھی۔

''ارے واہ، پھر تو کچھ اور شاندار بات کہنی چاہیے۔ کہوں؟'' حرا کا انداز شوخ ہوا۔

''ضرور کہو، مابدولت ہمہ تن گوش ہیں۔'' عائشہ نے لاپروائی سے کہتے ہوئے چمچہ بھر کے پلاؤ منہ میں رکھا۔

''میری بھابھی بنوگی؟ میرے بھائی سوفٹ ویئر انجینئر ہیں اور اس میں ہماری فیملی کی اور بھائی کی ساری تفصیلات ہیں معہ تصویر کے۔''

حرا نے ایک لفافہ عائشہ کی طرف سرکایا جو منہ چلانا بھول کر حیرت سے حرا کو دیکھ رہی تھی۔ چند سیکنڈ حرا کا، چہرہ دیکھنے کے بعد، جس پر واضح سنجیدگی رقم تھی۔ عائشہ نے ایک نظر لفافے کو دیکھا۔

''میں انگیج ہوں۔'' وہ دھیمے سے بولی۔

''مگر تم نے کبھی ذکر نہیں کیا؟'' حرا نے کچھ بے یقینی اور کچھ مایوسی سے اسے دیکھا۔

''کبھی کوئی ایسا موضوع ہی نہیں آیا۔ خود سے بتانا تو عجیب سا لگتا۔'' عائشہ نے چمچہ پلیٹ میں گھماتے ہوئے جواب دیا۔

''انگیجمنٹ رنگ کہاں ہے؟ پہنے تو کبھی نہیں دیکھا۔'' حرا مکمل تفتیش کے موڈ میں تھی۔ باہر سے اندر آتے مانی کے قدم بے اختیار رکے تھے۔

''گھر پر رکھی ہے۔ کہو تو کل لا کر دکھا دوں۔ تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے۔''

''کہاں ہوئی ہے؟ خالہ کے گھر؟'' حرا نے اندازہ لگایا۔

''ہاں۔''

''تم تو اتنی اچھی، اتنی پیاری ہو کہ کوئی بھی پسند کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ جن کی زندگی بہار کرنے جا رہی ہو۔ وہ تمہیں پسند بھی ہیں یا بڑوں کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا؟'' حرا کی تفتیش نے رخ موڑ لیا۔

''خالہ کے بیٹے اچھے ہیں۔ مجھے پسند ہیں۔'' عائشہ نے اس سے جان چھڑانی چاہی۔ مگر باہر کھڑے مانی پر ایک قیامت گزر گئی۔ دل کی دھڑکن جیسے رک سی گئی۔

''ارے آپ آ گئے؟ آیئے نا، آج مابدولت کی سالگرہ کی خوشی میں ٹریٹ آپ کے لیے بھی ہے۔ جلدی سے آ جائیں۔ کھانا پہلے ہی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

حرا نے خوش دلی سے بولتے ہوئے وہ لفافہ اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈالا۔ کچھ چیزیں اور سمیٹ کر ایک طرف کیں اور میز پر جگہ بنائی۔ مانی دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندر آ گیا۔ اپنے دھواں دھواں چہرے کو اس نے بہت جلدی کمپوز کیا تھا۔

''اچھا تو سالگرہ ہے تمہاری؟'' بشاشت سے بولتے ہوئے اس نے کرسی سنبھالی۔ اٹھارویں سالگرہ کی آٹھویں سالگرہ ہے یا بارہویں؟'' خود کو نارمل اور خوش باش ظاہر کرنے کی اس کی اداکاری اتنی مکمل اور جاندار تھی کہ عائشہ جو یوں اس کی اچانک آمد پر پریشان سی ہو گئی تھی۔ اب سکون کا سانس لے کر مطمئن نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

وسیع و عریض ہال روشنیوں، رنگوں اور پھولوں سے سجا ہوا بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اس خوب صورت ماحول کو چار چاند اس وجود نے لگا دیے تھے جو دلہن بن کر وہاں موجود تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''کیسی خوب صورت دلہن بنی ہے میری بچی۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، چشم بددور کسی کی نظر نہ لگے۔ حاسدوں کے حسد سے، جلنے والوں کی جلن سے دور رہے۔ ہمیشہ خوش رہے۔ یونہی کپڑوں، گہنوں اور پھولوں میں لدی رہے۔'' اماں نے دلہن بنی منی کی بے اختیار بلائیں لیتے ہوئے نان اسٹاپ دعائیں دینا شروع کر دیں۔

منی واقعی بہت حسین لگ رہی تھی۔ دلہناپے کا سنگھار اور کم عمری کا جوبن، ہونٹوں کی ہنسی، چہرے کی خوشی، اس کے پورے وجود سے خوب صورتی اور دل کشی چھلک رہی تھی۔

اور دیکھنے میں تو دولہا بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ اونچا لمبا چوڑا گبھرو جوان، بڑی شان سے دولہا بنا مسند پہ براجمان تھا نکاح کے بعد مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ ترنم نے بے اختیار بیٹی کو گلے لگایا۔ اگرچہ منی ماں کی نسبت نانی سے زیادہ قریب تھی۔ مگر ترنم کا دل بھر آیا۔

بھلے ہی بیٹی کی نسبت بیٹے کو اس نے دل اور کلیجے سے لگا کر رکھا مگر ماں تو وہ منی کی بھی تھی۔ بے شک اس کی پرورش، تعلیم و تربیت سب نانی کے ہاتھوں ہوئی مگر رخصتی سے قبل ہی بیٹی کی جدائی کا خیال ترنم کی آنکھیں بھر گیا۔

''یہ تو ہے ہی جذباتی، سدا کی۔'' مضبوط دل کی مالک اماں بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ترنم کی چھلکتی آنکھیں دیکھ کر جز بز ہو گئیں۔

منی رخصت ہونے لگی تھی، تب پانچ منٹ پہلے چاند اندر آیا تھا۔

''بھائی جان!'' منی اپنے بھائی کے سینے سے لگ گئی۔ اگرچہ دونوں کے درمیان روایتی بہن بھائی والا بے تکلفی، محبت اور اپنائیت کا اتنا گہرا رشتہ نہ تھا۔ دونوں جیسے الگ الگ دنیاؤں کے باسی تھے مگر خون کا رشتہ تو تھا۔ اور اس رشتے کی اپنی ایک کشش تھی۔

''خوش رہو۔'' چاند نے آہستگی سے اسے خود سے الگ کر کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''کیا تھا جو یہ لڑکا بھی بہن کے ساتھ ہی اپنی خوشی کا سامان کر لیتا۔ مگر نہیں، الگ ہی دماغ ہے شہزادے کا۔'' ترنم نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

خیال اور ارادہ تو سب کا یہی تھا کہ منی کے ساتھ ساتھ ہی چاند کا نکاح بھی ہو جائے مگر چاند راضی نہیں ہوا۔

''پہلے منی کو رخصت کر دیں پھر میں اپنی شادی کروں گا۔'' اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں وہ ماں سے گویا ہوا۔

''ساتھ کرنے میں کیا حرج ہے؟'' ترنم کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

''کوئی حرج نہیں ہے، بس میری مرضی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری خوشی؟'' ترنم خاموش ہو گئی۔ اس کے بس سے باہر تھا کہ بیٹے سے بحث کرتی یا من مانی کر کے اپنی مرضی اس پر تھوپتی،

اماں کو بھی جیسے تیسے منا ہی لیا۔

منی کی رخصتی کے اگلے روز صائمہ، چاند کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ جس سے وہ پہلی نظر میں ہی محبت کر بیٹھا تھا۔

☆☆☆

دودھ اور میوے والا ٹھنڈا ٹھار شربت پی کر سب جیسے اندر تک شانت ہو گئے تھے۔

''واہ بھئی۔ مزا آ گیا۔ اس رب کا شکر ہے جس نے اتنی نعمتیں دیں۔''

ابو جان نے بآواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''ارے بھئی عالیہ! کسی روز کھنڈویاں تو پکواؤ، بڑے دن ہو گئے۔ کھائے ہوئے۔'' دادی جان کو کنڈیوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کی یاد نے آن ستایا۔
''جی پھپھو! ایک دو روز میں بنواتی ہوں۔'' عالیہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔
''آج کیا پک رہا ہے؟''
''ملکہ مسور کا پلاؤ اور نرگسی کوفتے۔''
''یہ دالوں اور سبزیوں کے پلاؤ کس نالائق باورچی نے ایجاد کیے ہیں پلاؤ تو بس گوشت کا ہوتا ہے۔ بیس سیر یخنی میں ایک کلو چاول، یا نورتن پلاؤ یا موتی پلاؤ یا...... '' ابو جان شروع ہو گئے۔
''ارے میاں! کس زمانے کی بات کرتے ہو۔ وہ ہوا کچھ اور تھی وہ دور۔ وہ لوگ وہ زمانے اب کہاں۔ نہ کھانے والے رہے نہ پکانے والے۔'' دادی جان اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔
''کھانے والے تو ہر دور میں ہوتے ہیں۔ آج بھی موجود ہیں۔ ہاں پکانے والوں کا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں مانی میاں کیا خیال ہے؟'' انہوں نے روئے سخن بیٹے کی طرف کیا۔
''میرا خیال ہے کہ پہلے وقتوں کے خواص اور صاحبانِ اقتدار کے زوال کا ایک سبب زبان کا چٹخارا بھی تھا اور آج عوام کی خرابی صحت کا سبب ہے۔''
''واہ، وہ بھی کہہ رہے ہیں۔ بے ننگ و بے نام ہے؟'' دادی جان بے ساختہ ہی شروع ہوئیں۔ ''کیوں میاں! آپ وہی ہیں نا جو دن بھر کے علاوہ آدھی رات کو بھی اٹھ کر نائٹ سپر کھاتے تھے۔''
پوتے کو شرمندہ کرنا مقصود نہیں تھا بس یاد دلا رہی تھیں۔
''تم تو جیسے وہ سب کچھ بھول ہی گئے۔'' انہوں نے بغور پوتے کو دیکھا۔
''اب بھی سب کچھ کھاتا ہوں۔ بھوکا ہرگز نہیں رہتا۔ بس صحت کا خیال رکھتے ہوئے کھاتا ہوں۔ فٹنس بھی ضروری ہے۔'' مانی نے بولتے بولتے آتی ہوئی فروا کو دیکھا، اس کے چہرے پہ بشاشت آ گئی۔
''ویسے بھی اب کوئی نت نئے تجربات کر کے عجیب و غریب ملغوبے بھی تو نہیں بناتا جو مجھے کھا کھا کر ختم کرنے ہوتے تھے۔''
''میں نے کب بنائے ہیں عجیب و غریب ملغوبے؟'' قریب آ کر فروا نے بھائی کو گھورا۔
''کھانوں سے زیادہ ان کے نام انوکھے ہوتے تھے اور ذائقوں کے تو کیا کہنے، خیر، ہم نے تو جیسے تیسے وہ وقت گزار لیا۔ اب ایک دوسرے شریف انسان بھگتیں گے۔'' بہت عرصے بعد وہ پہلے جیسا مانی نظر آیا تھا۔
''اب اتنا برا بھی نہیں بناتی کھانا۔'' فروا نے دادی اور امی ابو کی موجودگی کا لحاظ کر کے بھائی کو کوئی کرارا جواب دینے سے پرہیز کیا اور فقط اپنی صفائی ہی پیش کی۔
''بھئی۔ ہماری بیٹی تو ماشاء اللہ بہت با صلاحیت ہے، معدے کے راستے بھی دل میں گھر بنا سکتی ہے اور ڈائریکٹ بھی۔''
ابو نے محبت پاش نگاہوں سے فروا کو دیکھا۔ جو عالیہ بیگم سے کچھ پوچھ کر واپس کچن میں جا رہی تھی۔
''سید صاحب کا فون آیا تھا۔'' معاً ابو کو یاد آیا۔ ''کہہ رہے تھے کہ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، شادی جلدی کریں گے۔''
''اور کتنی جلدی کریں گے؟ کیا ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کا ارادہ ہے۔'' دادی نے سوال اٹھایا۔
''جو ٹائم دیا ہے، بس اس سے ذرا پہلے۔''
''اب تم بھی فیصلہ کر لو، کب تک فقط سوچتے ہی رہو گے؟''
عالیہ بیگم نے بیٹے سے اگرچہ نرم لہجے میں کہا تھا مگر اس نرمی میں ایک تنبیہ چھپی تھی۔ ابو نے اپنی بیگم کی

طرف دیکھا جن میں پیغام چھپا تھا کہ وہ خود اپنے بیٹے سے بات کرلیں گے۔

☆☆☆

کھڑکی پہ پڑا بھاری مخملیں پردہ، اس نے جیسے ہی سرکایا صبح کی ٹھنڈی، میٹھی روشنی سے کمرہ جگمگا اٹھا، کچھ دیر کھڑکی میں کھڑا وہ باہر کی طرف دیکھتا رہا۔ تروتازہ، مہکتی ہوا اس کے وجود کو بڑی لطافت سے چھوتی ہوئی گزر رہی تھی۔

دھیرے دھیرے طلوع ہوتے سورج کو دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔ زندگی بھی جیسے یکایک یونہی روشنی سے خوشبو سے بھر گئی تھی۔ بے سمت چلتے چلتے اچانک سے ایک منزل سامنے آ گئی، ایسا پڑاؤ مل گیا جہاں بیٹھ کر ستانے کو جی چاہے، اپنی ساری الجھنیں، ساری پریشانیاں بھول جانے کو جی چاہے، صحرا میں بے مقصد بھٹکتے ہوئے ایسا نخلستان مل گیا تھا جہاں زندگی کے روز و شب گزارنا بالکل بھی کٹھن نہیں تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' صائمہ اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہوئی، نکھری نکھری سی، بڑی حد تک مطمئن، کسی حد تک خوش باش وہ سارے خدشات جو اسے ڈرا رہے تھے۔ وہ سارے وسوسے جو اسے ستا رہے تھے۔ ایک ایک کر کے دم توڑنے لگے تھے۔

''سوچتا تو پہلے تھا، اب وہ سارے خیالات ختم ہو گئے ہیں۔''

چاند نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا۔ یہی سکون اس کے دل میں بھی تھا۔ پہلے والا اضطراب اور بے چینی اب بہت کم ہو گئے تھے۔ اپنا آپ ایسا سبک اور ہلکا پھلکا لگنے لگا تھا جیسے سامنے فضاؤں میں پرواز کرتا پرندہ۔

مگر چاند کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ سبک پرندوں کی پرواز، تقدیر کے جال میں پھنس کر تھم بھی جاتی ہے۔

☆☆☆

ایک تھکا دینے والا بہت مصروف اور اکتا دینے والا دن گزارنے کے بعد نہا دھو کر وہ بیٹھک میں بیٹھا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور اس سے زیادہ بے زاری۔

''تو پھر، کیسا رہا آج کا دن؟'' ملک صاحب روزانہ کی بنیاد پر رپورٹ لے رہے تھے۔ آخر الیکشن کا معاملہ تھا، اس بار تو وزارت کے دعوے دار اور خواہش مند تھے۔ وہ اپنی ساری صلاحیت، قابلیت، وسائل سب کچھ لگا کر سرتوڑ کوشش کر رہے تھے کہ بس جیسے بھی ہو۔ یہ سیٹ ان کے ہاتھ سے نکلنی نہیں چاہیے۔ اس بار مقابلہ بہت سخت ہونے والا تھا۔ ان کی تیز نگاہوں نے بیٹے کے چہرے کا جائزہ لیا، جہاں تھکن کے علاوہ بے زاری اور اکتاہٹ بھی رقم تھی۔

''کیا بابا سائیں! سارا دن ٹکے ٹکے کے کمی کمین لوگوں سے مسکرا مسکرا کر ملتے رہو، چکنی چپڑی باتیں بناتے رہو۔'' طلال کے صبر کے پیمانے لبریز ہو رہے تھے۔ آزاد اور من مانی زندگی گزارنے والے کے لیے یہ پابند قسم کے شب و روز ناقابل برداشت تھے۔

''عادت ڈال شہزادے! آگے آگے اس سے بھی زیادہ مصروف وقت آئے گا۔ یہ جو ٹکے ٹکے کے کمی کمین لوگ ہیں۔ یہی ہمیں جھنڈے والی گاڑی میں بٹھائیں گے۔ ابھی ان کو ہی سر آنکھوں پہ بٹھانا پڑے گا۔ میٹھی میٹھی باتیں بھی کرنی پڑیں گی اور ووٹ کی بھیک بھی مانگنی پڑے گی۔''

ملک صاحب نے اپنی مونچھیں مروڑتے ہوئے بیٹے کو نصیحت کی۔

''ٹھیک ہے، میں کرلوں گا۔ مگر ابھی مجھے ایک دو دن کے لیے شہر جانا ہے۔''

''کیوں؟''

WAQAR AZEEM
www.pakistanpoint.com

''کام ہے، ضروری کام۔''
''کیسا کام؟ ملک صاحب نے اسے بغور دیکھا۔ کچھ دنوں کے لیے ان عورتوں کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا تو؟'' ان کا لہجہ برہم ہوا۔
''یہ بات نہیں ہے بس کچھ اور کام ہے۔'' طلال کا لب ولہجہ باپ کے سامنے ذرا مدھم تھا۔
''کیسا کام؟ ہمیں بھی تو کچھ معلوم ہو۔'' انہوں نے ٹانگ پہ ٹانگ رکھی۔
''بابا سائیں! میں واپس آ کر آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ بس ابھی زیادہ سوال جواب نہ کریں۔'' طلال زچ ہوا۔
''کسی نئے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑانا، عام دنوں کی خیر ہے۔ بندہ بھی کھڑکا دو، کوئی بات نہیں، الیکشن کے دنوں میں چیونٹی پیر کے نیچے آ جائے تو خبر بھی بن جاتی ہے اور اسکینڈل بھی۔''
''میں خیال رکھوں گا۔ ویسے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' طلال نے انہیں جھوٹی تسلی دی۔
وہ اڑتی چڑیا کے پر گننے والے اور لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپنے والے بیٹے کی وضاحتوں اور تاویلات سے مطمئن تو نہیں ہوئے۔ مگر خاموش ضرور ہو گئے۔
''حضور بخش سے پوچھوں گا، کیا معاملہ ہے۔'' خاموش بیٹھے وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

''عائشہ! میں آ رہا ہوں۔ محبتوں کا اک جہان اپنے ساتھ لیے ہوئے۔'' ذوہیب کی پرجوش آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔
''صرف جہان؟'' عائشہ اپنی ایک شوخ لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے مسکرائی۔
''بے فکر رہو، تمہارے سوال کا جواب بلکہ تجسس کا سامان بھی ساتھ ہے۔''
''اور سب کے لیے سرپرائز۔'' عائشہ نے لقمہ دیا۔
''بالکل ٹھیک کہا تم نے، اچھا یہ بتاؤ، کیا چل رہا ہے تمہاری طرف؟'' ذوہیب نے سوال کیا۔
''وہی سب کچھ، جو پہلے چل رہا تھا۔''
''یعنی کوئی تبدیلی نہیں؟''
''نہیں؟''
''آثار بھی نہیں؟''
''پتا نہیں، یہ تو ایک الجھا ہوا معاملہ ہے۔ ضروری نہیں کہ جس بات کے آثار نظر آئیں، وہ بات یا واقعہ ہو بھی جائے۔''
''اتنی مشکل باتیں کیوں کر رہی ہو؟ جب انسان محبت کے دائرے میں قید ہوتا ہے تو اسے بالکل بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔'' ذوہیب نے نصیحت کی تھی یا مشورہ دیا تھا۔
''اس دائرے کی قید ہی تو سب سے بڑی پریشانی ہے۔'' ایک حزن آگیں مسکراہٹ نے دھیرے سے اس کے لبوں کو چھوا۔
''میں تو زندگی کی آخری سانس تک اس قید میں رہنا چاہوں گا۔'' ذوہیب نے بے اختیار کہا۔
''آپ کے پیروں میں یہ خوب صورت زنجیر پڑ گئی ہے نا اس لیے۔''
''تم خوش رہا کرو عائشہ!، میری خوشی اسی میں ہے۔'' ذوہیب کے لہجے میں سچائی تھی۔
''کوشش تو یہی کرتی ہوں۔ مگر......'' عائشہ کی آواز میں تھکن سی اتر آئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''مگر پھر ہار جاتی ہو۔'' ذوہیب نے اس کی آواز میں چھپی تھکن کو پوری طرح محسوس کیا۔

''ہار ہی تو نہیں مانی اب تک بس تھک جاتی ہوں۔'' عائشہ نے تردید کی۔

''ویری گڈ، میں بھی ایسا ہی ہوں، کتنا ہی تھک جاؤں مگر ہار نہیں مانتا، آخری لمحے تک ڈٹا رہتا ہوں۔''

''پتا نہیں، وہ آخری لمحہ کب آئے گا۔ آر یا پار۔''

''تم کہو تو جلد ہی لے آؤں اس آخری لمحے کو؟''

''نہیں، تقدیر کا لایا ہوا وقت ہی دیکھیں گے۔ کیا ہے قسمت کے دامن میں؟''

آئی ہوپ اینڈ آئی وش، یقیناً کچھ اچھا ہی ہوگا۔''

''آمین۔'' عائشہ نے صدق دل سے آمین کہا۔

☆☆☆

زندگی بڑی سخت جاں، بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ بھوک اس سے بھی زیادہ ظالم، دو، چار وقت کے فاقے کے بعد اس کا ہاتھ روٹی کی طرف بڑھ ہی گیا۔ ایک ایک کر کے چند لقمے کھا ہی لیے اور اس دوران وہ کچھ سوچ رہی تھی یا خالی الذہن تھی، اسے دیکھ کر بالکل بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ جھمکا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ کب آئے گا؟'' پانی پینے کے بعد نائلہ نے سوال کیا۔

''معلوم نہیں۔'' جھمکا نے کندھے اچکائے۔

''چھ دن میں بھی آ سکتا ہے، چھ ماہ میں بھی اور چھ سال میں بھی۔'' نائلہ نے ایک نظر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ زخمی ہرنی کی سی کیفیت تھی۔

''مجھے ترس نہیں آتا کسی پر بھی، نہ بنا ایسی روتی شکل۔''

''بزدل نہ ہوتی تو خودکشی ہی کر لیتی۔''

''بزدل لوگ ہی یہ کام کرتے ہیں۔'' جھمکا نے ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ ''ادھر آ میرے ساتھ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں؟''

''اس سے نہ کیا یہ سوال، جس کے ساتھ یہاں آئی تھی۔'' جھمکا کی تیز نظر اور بھی تیکھی ہو گئی، اس کے طنز سننا اور سہنا آسان نہیں تھا۔

نائلہ خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ کمرے سے نکل کر جو راہداری تھی' اس میں چلتے چلتے وہ مڑی۔ سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس کے پار ایسی ہی راہداری اور کمرے تھے۔ ایک کمرے میں وہ گھس گئی' جس کا دروازہ کھلا تھا۔ کمرے میں دو بڑھیا عورتیں تھیں' جن میں سے ایک نے جھمکا کو دیکھتے ہی مخاطب کیا۔

''چنبیلی کی کوئی خیر خبر آئی؟'' مہندی سے رنگے بالوں والی یہ بڑی بی بیڈ پر لیٹی عمر رسیدہ خاتون کے مقابلے میں ذرا چاق و چوبند اور مستعد نظر آ رہی تھیں۔

''ہاں' فون پہ بات ہوئی تھی۔ ٹھیک ہے۔ ایک سرجری ہو گئی ہے' دو تین ابھی اور ہوں گی۔ بچہ بھی ٹھیک ہے۔'' جھمکا مختصر جواب دے کر بستر پہ لیٹی بڑی بی کی طرف بڑھی۔ نائلہ متذبذب سی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' جھمکا نے اس کمزور اور بوڑھے چہرے کو دیکھا۔

''زندہ ہوں اور جب تک اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ لیتی' تب تک نہیں مروں گی۔'' ان کا لہجہ درشت اور الفاظ کڑوے تھے۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے تمہاری۔ زبان کے تیور بتا رہے ہیں۔" وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔

"تو جانتی ہے پر مجھے نہیں بتاتی ہے۔ تیری قبر میں کیڑے پڑیں منی۔ بڑا اتڑپایا ہے تو نے مجھے۔" برسوں بعد آج ترنم نے بیٹی کو اس پرانے نام سے پکارا تھا اس نے ایک گہری سانس لے کر بڑی بی کی طرف دیکھا۔

"کون جانے کون زیادہ تڑپا ہے۔ میں یا تم؟" اس کی آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

"اب نہ کروں گی تیری منتیں۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ جب اللہ کے آگے فریاد رکھ دی تو بندوں کی منت سماجت کی ضرورت نہیں رہتی۔"

بڑی بی کا لہجہ اور مزاج گاہے بگاہے بدلتا رہتا تھا۔ نائلہ انہیں حیرت سے دیکھ اور سن رہی تھی۔

"کیا خبر تمہاری جو دعا قبول ہو کر تمہارے لیے اچھی ہو۔ وہ دوسرے کے حق میں اچھی نہ ہو۔" جھمکا کا لب ولہجہ خلاف معمول نرم اور دھیما تھا۔

"ایک ماں کا اپنی اولاد سے ملنا کبھی برا نہیں ہوتا۔ برا ہو ہی نہیں سکتا۔" ان کے لہجے کا یقین ایسا تھا کہ سننے والا بس ٹھٹک جائے مگر جھمکا؟ اس کی تلخ مسکراہٹ چہرے پر عود آئی۔

"ایک ماں کا اپنی اولاد سے ملنا برا ہو بھی سکتا ہے اگر دونوں الگ الگ دنیاؤں کے باسی ہوں۔" جھمکا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو اب یہیں رہ لے ان دونوں کے پاس۔" وہ نائلہ سے مخاطب ہوئی۔

"یہ کون ہیں؟" نائلہ کی نگاہیں بستر پر پڑے نحیف ونزار وجود پر تھیں۔

"کچھ بھی سمجھ لے اپنی نانی یا دادی۔"

☆☆☆

کمرے میں جو خاموشی پھیلی تھی وہ معنی خیز بھی تھی اور گمبھیر بھی۔

"تو میاں صاحبزادے! مختصر سی سمری بنا کر مجھے بتایئے کہ آگے کے چانسز کیا ہیں؟" ابو جان نے اس خاموشی کا پردہ سوال سے چاک کیا۔

مانی کے پاس کیا جواب تھا۔ اس کے دماغ میں بس ایک فقرہ گردش کر رہا تھا۔

"میرے کزن ہیں، اچھے ہیں، مجھے پسند ہیں۔" دل ودماغ میں گردش کرتے اس جملے نے اسے بھی چکرا ہی دیا تھا۔ تب ہی تو اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کوئی مناسب جواب جسے دے کر وہ خود کو اور اپنے باپ کو مطمئن کر سکتا۔"

"اگر کوئی جواب نہیں تو پھر اپنی ماں کی بات مان لو اس لڑکی سے ملاقات کرو اور آگے کے بارے میں سوچو۔" بیٹے کی مستقل سوچ اور چپ پر وہ بھی اب اکتا رہے تھے۔

"کسی اور کے لیے دل نہیں مانتا۔" مانی نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔

جذبات ہمیشہ ہمارے کام نہیں آتے، نہ ہی ہر وقت، ہر معاملے میں دل کے پیچھے پیچھے چلنا عقل مندی ہے، بی پریکٹیکل، اگر آگے تمہیں اندھیرا ہی نظر آ رہا ہے تو اس تاریکی میں آگے بڑھنے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے سے کیا حاصل؟ عقل سے کام لو، دماغ سے سوچو، زندگی فقط ایک فرد پر ختم نہیں ہوتی، نہ ہی ایک فرد کے لیے ختم کی جاتی ہے۔"

ابو جان کی تقریر کے جواب میں مانی نے جن نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا اس کا مطلب کچھ یوں نکلتا تھا کہ "بروٹس یو ٹو؟"

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

”مجھے ایسی نظروں سے مت دیکھو، تمہاری امی نے فیصلہ کرلیا ہے اور سامنے بس دو ہی راستے ہیں یا تو جسے تم چاہتے ہو، اسے ماں کے سامنے لے آؤ، یا جسے وہ چاہتی ہیں، اس کے ہمقدم ہو جاؤ۔“ ابو نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے۔ دریا کو کوزے میں سمیٹ دیا۔

”تھوڑا سا وقت لے لیں۔“ مانی نہ جانے کیا سوچ رہا تھا، کیا چاہ رہا تھا۔ وہ خود بھی متذبذب ہو رہا تھا، شاید۔

”جیسے ہی دل خوش فہم ہونا چاہتا، تبھی ”وہ میرے کزن ہیں، اچھے ہیں، مجھے پسند ہیں۔“ ایسا دھمال پڑتا کہ وہ گڑبڑا جاتا، ابو جان جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کچھ سمجھ رہے تھے بیٹے کی اس کیفیت کو، اور چاہ رہے تھے کہ بیٹا ابھی سے ہی خود کو جوڑنے کا سامان کرلے، تب ہی وہ فیصلہ کن انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

”تم یوں کرو کہ اس لڑکی سے مل لو، فیصلہ کرنا بعد کی بات ہے، ملاقات تو کرو، خود کو یوں فریز نہ کرو ایک جگہ، تمہارے ساتھ ساتھ ہمیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔“ ابو کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔

”کیا ضروری ہے یہ سب؟“ مانی کے چہرے پہ شکست کے آثار اکٹھے ہونے لگے۔

”تمہاری ماں کی خوشی ہے اور مرضی بھی، کسی ایک کا تو مان رکھو یا اپنے دل کا، اپنے آپ کا یا اپنے والدین کا۔“ ابو جان پوری طرح سنجیدہ تھے۔

مانی کے پاس پھر ایک گہری چپ تھی اور بس۔

”ٹھیک ہے پھر میں تمہاری امی کو بتا دیتا ہوں۔ اس سنڈے کو ڈن کر دیتے ہیں اس میٹنگ کو۔“ انہوں نے بیٹے کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

”ابو!“ مانی کو یوں لگا جیسے کسی گہرے سمندر میں دھیرے دھیرے ڈوب رہا ہو۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹے! تم تو ویسے بھی بہت سمجھدار ہو سنبھال لو گے سب کچھ، خود کو بھی اور معاملات کو بھی۔“ بیٹے کے شانے پہ تھپکی دے کر وہ باہر نکل گئے۔ ☆☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

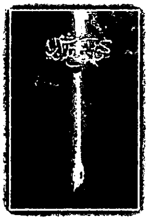

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

باہر کتنی تیز دھوپ تھی، کڑکتی دھوپ، جسم میں سوئیاں چبھو دینے والی دھوپ، گرمی، حبس، مگر اس گھر کے کم از کم تین مکین ایسے تھے جنہیں یہ گرمی بری لگ رہی تھی نہ یہ موسم، ان کی خوشی کے رنگوں نے ان کے لیے ہر طرف پُرکیف بہار کا سماں کر رکھا تھا۔ چاند اور صائمہ نے اپنی مسرت کا اظہار ایسے والہانہ انداز میں تو نہیں کیا جیسے ترنم نے کیا تھا، مارے خوشی کے اس کے تو پاؤں ہی زمین پہ نہ ٹکتے تھے۔

"اللہ اللہ، میں دادی بن گئی، دیکھو تو ذرا، کیسا کرم کیا مولا نے مجھ پر۔" ترنم کا تو بس نہیں چل رہا تھا، آج پورے شہر کو مٹھائی کھلا دے۔

"آپا! میں تو سونے کے جھمکے لوں گی تم سے۔" شبنم نے بڑے ناز کے ساتھ مخاطب کیا تھا اسے۔

"ارے تجھے میں جھمکوں کے ساتھ اپنی انگوٹھی بھی دوں گی۔ بس خوش رہ تو۔"

ترنم نے اپنی خوشی چھلکاتی نگاہیں اس پہ مرکوز کیں، جس نے صائمہ کی بڑی خدمت کی تھی اور اب اس کے ماں بننے کے بعد بھی اس کا سب سے زیادہ خیال رکھ رہی تھی۔ ترنم کو تو ہر وہ فرد جی جان سے پیارا لگتا تھا جو اس کے بیٹے، بہو اور اب پوتے پہ جان چھڑکے۔

"کیسا شہزادے جیسا پوتا ہے میرا، دیکھو تو، کیسے موہنے نقوش ہیں۔" ترنم بچے کو گود میں لیے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "روز صبح شام نظر اتاروں گی اپنے شہزادے کی۔"

"آپا، محفل کریں گے بڑی دھوم دھام سے، میں ابھی سے تیاریاں شروع کر دیتی ہوں۔" ادھیڑ عمری میں بھی شبنم کے شوق ختم ہوئے تھے نہ کم۔

"محفل؟" ترنم سوچ میں پڑ گئی۔ "رہنے دے شبو! چاند کو یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ برا لگے گا اسے۔"

"اے ہائے، خوشی کا موقع ہے، خوش نہ ہوں، اپنی خوشی کا اظہار نہ کریں؟" شبو نے اعتراض جڑا۔

"سمجھا کرنا، بس جو میرے بیٹے کی خوشی، وہ میری خوشی۔" ترنم نے سو باتوں کی ایک بات کہہ کر اسے خاموش کر دیا۔

☆☆☆

شہر کا معروف پرائیویٹ اسپتال تھا، جہاں جھمکا انہیں لائی تھی۔ کل دن میں اچانک طبیعت ایسی بگڑی کہ سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ فوری طور پر ایمبولینس منگوا کر وہ بڑی بی کو اسپتال لے آئی۔ ضروری، غیر ضروری کل سے اب تک کتنے ہی ٹیسٹ ہو گئے تھے۔ بہر حال اب ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ مگر بڑھاپے کی کمزوری اور وہ غم جس نے انہیں گھلا دیا تھا۔ ان کا علاج تو دنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں تھا۔

جھمکا کل سے مسلسل جاگ رہی تھی، کوشش کے باوجود بھی اسے نیند نہیں آئی تھی۔ بس آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس نے بیڈ پہ پڑے اس کمزور سے وجود کو دیکھا۔ وہ دوائیوں کے زیر اثر غافل سو رہی تھیں۔

"چائے پی لوں، کچھ تھکن ہی کم ہو جائے گی۔" وہ اپنے دکھتے ہوئے بدن کے ساتھ کرسی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس کا رخ کینٹین کی طرف تھا۔ مختلف راہداریوں، برآمدوں سے گزرتی ہوئی وہ اس کھلے حصے میں آ گئی، جہاں گھاس کے بڑے بڑے قطعات تھے، پھول تھے، سبزہ تھا۔

اف ایسا لگتا ہے ساری دنیا اسپتال میں پہنچی ہوئی ہے۔ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر اس نے یونہی سوچا۔

اپنی دھن میں چلتے چلتے وہ کسی سے ٹکرائی تھی۔

"معاف کیجیے گا، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھ نہیں سکا آپ کو، ایک شائستہ لب و لہجہ اور معذرت کے الفاظ جھمکا کی سماعتوں سے ٹکرائے اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ چہرے سے چادر کا کونہ بھی سرک گیا تھا اور اس کی نگاہیں وہیں ساکت ہو گئیں۔ اس کا پورا وجود یکدم شل ہو گیا۔

"بھائی جان؟" سرسراتے ہوئے بے اختیار الفاظ اس کے لبوں سے نکلے اور سامنے والے کو پتھر کر گئے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عمارہ جہان

کیسے کیسے لوگ

چولہے کی آنچ دھیمی کر کے پہلے میں نے تولیے سے دونوں ہاتھ پونچھے اور دھنیا کترنے لگی تھی کہ بھابھی کی آواز آئی۔

"حمیرا!"

ساتھ ہی کچن کی کھڑکی کے ساتھ ہی اوپر کے پورشن کو جانے والی سیڑھیوں سے دھپ دھپ کی آواز آئی۔ میں نے سر جھٹکا۔

یعنی پھر سے۔۔۔!

"کیا کر رہی ہو؟"

کچن کے دروازے پر بھابھی نمودار ہوئیں، میں نے ان کی طرف دیکھا۔ وہی دو دن سے پہنا ہوا جوڑا، الجھے بال جو شاید کنگھی نہیں کیے گئے تھے، پیروں پر دو رنگی سلیپرز۔ میں نے ان سے نظریں پھیر لیں اور اخلاقاً کہا۔

"آئیں بھابھی!"

"کیا پکا رہی ہو؟"

کہتے کے ساتھ ہی وہ خود آگے بڑھیں اور دیگچی

کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔

"کوفتے!"

مسکرا کر کہتے ہوئے انہوں نے میری طرف دیکھا۔

"جی بھابھی!"

اب مسکرا کر جواب دینا میری مجبوری تھی۔

"ایسا کرو، ایک ڈونگے میں نکال کر تھوڑے سے مجھے بھی دو، روٹی باہر سے منگواتی ہوں۔ صبح سے سر میں درد ہو رہا تھا تو کچھ بنا بھی نہیں سکی۔ ابھی جب سمیر اور نمیر نے کہا کہ بھوک لگ رہی تو بامشکل دکھتے سر کو تھام کر اٹھی ہوں۔"

انہوں نے بے چارگی سے کہتے ہوئے مجھے دیکھا۔ میں نے چپ چاپ برتنوں کی الماری سے ڈونگا نکالا اور احتیاط سے پہلے کوفتے ڈالے اور پھر سالن ڈالنے لگی۔

"سالن زیادہ ڈالونا۔ تم تو دو ہو، میاں، بیوی، میرے بچے بھی ہیں جو تمہارے ہاتھ کا پکا بہت شوق سے کھاتے ہیں۔"

صبر کا گھونٹ بھر کر میں نے ڈونگے کو سالن سے بھر دیا۔ ڈھکن ڈھک کر ڈونگا ان کے ہاتھ میں تھمانے ہی والی تھی کہ وہ آگے بڑھیں اور کٹا ہوا دھنیا اٹھا کر ڈونگے کا ڈھکن ہٹا کر چھڑکنے لگیں۔

میں خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"اچھا جی!"

وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

ناجیہ (اکلوتی نند) کی شادی سے پہلے مجھے یہ سب محسوس نہیں ہوا لیکن اس کی شادی کے بعد میں بھابھی کی اس عادت پر حیران پریشان تھی۔

میرے میاں اور بھابھی کے میاں دو بھائی تھے اور ان کی اکلوتی بہن ناجیہ۔

گھر کے اوپر والے پورشن پر صباحت بھابھی رہتی تھیں جبکہ نیچے والے پورشن میں، میں رہتی تھی۔ اوپر کے پورشن کی سیڑھیاں لان کی طرف تھیں، لان مشترکہ تھا۔ بھابھی کے دو بیٹے سمیر اور نمیر تھے۔

ناجیہ نے شادی سے پہلے صباحت بھابھی کا پورا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ کھانا پکاتی، صفائی کرتی، بچوں کا خیال رکھتی، ان کو پڑھاتی تھی۔

ناجیہ کو اگر میں کبھی کبھار نیچے بلاتی یا وہ خود میرے پاس آتی تو کبھی بھی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتی تھی۔ یہ اس کی عادت تھی کہ ہر ممکن دوسروں کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی۔

ساس سسر میری شادی سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ لے دے کر ایک ہی نند تھی ناجیہ، وہ بھی میری شادی کے تقریباً سال بعد اپنے سسرال چلی گئی۔ جس کے بعد مجھے صباحت بھابھی کی اس عادت کا احساس ہوا۔

ناجیہ کی شادی کے ایک ہفتے بعد میں کچن میں رات کا کھانا بنا رہی تھی کہ وہ آئیں اور بچوں کی بھوک کا شور مچا کر فریج میں رکھی بریانی کی پلیٹ لے گئیں۔ جو میں نے دوپہر میں بچا کر اس خیال سے رکھ دی تھی کہ رات کو گرم کر کے کھاؤں گی۔

میں نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا بھی کہ آپ انتظار کریں میں سبزی بنا کر دیتی ہوں لیکن وہ جلدی کا شور مچا کر چلی گئی۔ اس کے دو دن بعد میں صبح ذرا لیٹ اٹھی تھی کیونکہ صبح حسن کو آفس بھیج کر دوبارہ سو گئی تھی۔

گیارہ بجے سوچا کہ ذرا تگڑا سا ناشتہ کیا جائے تو میں نے بڑے دل سے بل دار پراٹھے بنائے اور ساتھ آملیٹ بنایا۔ دودھ پتی بنا کر کپ میں ڈال کر ٹرے سجا کر ابھی بیٹھنے والی ہی تھی کہ بھابھی آدھمکیں۔

"میں نے سوچا آج ناشتہ تمہارے ساتھ کیا جائے، ساتھ باتیں بھی کر لیتے ہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے خاموشی سے کپ ان کے آگے رکھا اور اپنے

لیے الگ چائے بنانے لگی۔

"ذائقہ بہت ہے تمہارے ہاتھ میں۔"

پشت سے ان کی آواز آئی۔

"تھینک یو بھابھی!"

چائے تیار ہوتے ہی میں نے جھٹ پٹ مگ میں نکالی۔

"اچھا! بھئی میں چلی، بچوں کے اسکول سے آنے کا ٹائم ہوگیا ہے۔"

میرا جواب سنے بغیر ہی وہ تیزی سے باہر نکلیں اور سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

میں نے مڑ کر پیچھے کچن میں لگی اس چھوٹی سی ٹیبل کو دیکھا جس پر کچھ لمحے پہلے میرا ناشتہ رکھا تھا، اب وہاں ناشتہ تو کیا ناشتے کی باقیات بھی نہیں تھیں۔

پھر اس کے بعد آئے روز یہ ان کا معمول ہوگیا۔ کبھی بچوں کو بھوک لگتی تو کبھی ان کے سر میں درد ہوتا، کبھی کمر میں چک پڑ جاتی تو کبھی پاؤں میں موچ آجاتی۔ کبھی خود وہ نیچے آکر بنا بنایا لے جاتیں اور کبھی بچوں کو ڈونگا دے کر بھیج دیتی تھیں۔ پہلے میں دوپہر کے لیے بھی رات کو بنا کر رکھ دیتی تھی لیکن اب ان کا یہ معمول دیکھ کر میں نے زیادہ بنانا شروع کیا تھا۔

دکھ مجھے اس بات کا ہوتا تھا کہ کبھی بھی ان کے منہ سے شکریے کا ایک لفظ تک نہیں نکلا تھا۔ یعنی اس سب پر وہ اپنا حق سمجھتی تھیں اور پھر بھولے سے کبھی ذکر بھی نہیں کرتی تھیں۔ ان کی یہ روش دیکھ کر میں اندر ہی اندر کلستی رہ جاتی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کو نماز پڑھنے کے بعد میں بیٹھ کر خواتین ڈائجسٹ میں ایک افسانہ پڑھنے میں مصروف تھی کہ سمیر نے کمرے میں جھانکا۔

"چاچی! یہ رہا آپ کا ڈونگا۔"

انتہائی بدتہذیبی سے کہتے ہوئے اس نے خالی ڈونگا میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

میں نے کچھ بھی کہنے کے بجائے خاموشی سے تھام لیا۔

میں کچن میں آئی تھی کہ وہ بھی پیچھے پیچھے آگیا۔

"کیا ہوا سمیر؟"

میں نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"چاچی بھوک لگی ہے، امی کا بی پی لو ہوگیا تھا۔ آج گھر میں کچھ نہیں بنا۔"

میں نے رک کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں معصومیت تھی۔ اس بے چارے کا کیا قصور!

"بیٹھ جاؤ۔"

کھانا گرم کر کے ٹیبل پر لگاتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

اس نے بیٹھ کر کھانا شروع کیا تھا کہ باہر سے نمیر بھی آگیا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ۔"

پانچ منٹ گزر چکے تھے دونوں بچوں کو اوپر گئے اور اوپر سے بھابھی کی چیخ پکار کی آوازیں آرہی تھیں وہ ہنوز دونوں بچوں کو لتاڑ رہی تھیں۔ بھابھی کا غصہ مجھے واضح محسوس ہو رہا تھا کیونکہ آج ان کا پلان ناکام

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

عین سے عورت

غزالہ عزیز

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر: 32216361 37، اردو بازار، کراچی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہو گیا تھا۔
میں نے اطمینان سے ڈائجسٹ کھول لیا میرا افسانہ ادھورا رہ گیا تھا۔ رہی بات بھابھی کی تو بھابھی کا علاج بھی میں نے ڈھونڈ لیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن حسن آفس جانے والے تھے تب میں نے ان سے کہا۔
"حسن! رک جائیں میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔"
"اوہ بخار تو نہیں؟" انہوں نے فکرمندی سے مجھے دیکھا۔
"جی حرارت سی محسوس ہو رہی ہے۔"
میں نے کسلمندی سے کہا۔
"اچھا! میرا جانا تو ضروری ہے یار۔ میں ایسا کرتا ہوں، بھابھی کو بلا کر لاتا ہوں، وہ تمہیں ناشتہ بھی بنا کر دیں گی اور ٹیبلٹ بھی دیں گی۔"
"آپ کا ناشتہ؟"
میرا سر بھاری سا ہو رہا تھا۔ اٹھتے ہوئے بال کیچر میں باندھے۔
"میں نے دودھ پی لیا ہے، بھوک لگی تو آفس میں کچھ منگوا کر کھا لوں گا تم میری فکر مت کرو۔" وہ رسانیت سے بولے۔
"لیکن حسن بھابھی کو تکلیف ہو گی۔"
مجھے بھابھی کے ردعمل کا اندازہ تھا اس لیے کہا۔
"کوئی بات نہیں تم بھی تو اتنا ان کا خیال رکھتی ہو۔"
حسن بھابھی کو بلانے اوپر گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آنے لگیں بھابھی آ چکی تھیں۔

☆☆☆

اگلے دن میں نے ناشتہ کیا اور بھابھی کے آنے سے پہلے ہی اوپر چلی گئی۔
"السلام علیکم بھابھی! میں نے سوچا آج آپ کے پاس بیٹھ کر بہت سی باتیں کروں گی اور دوپہر کا کھانا بھی آپ کے ساتھ کھاؤں گی۔"
بھابھی کے چہرے پر واضح ناگواری تھی اور لبوں پر ہنوز چپ۔ میری باتوں کے جواب میں انہوں نے صرف سر ہلایا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں نیچے آ گئی۔
خلاف معمول رات کے کھانے کے وقت اوپر سے کوئی برتن نہ آیا۔
اگلے دن میں اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں پر ہی تھی کہ اوپر سے بھابھی آتی دکھائی دیں۔
"یہ لو بھئی تمہارے برتن، جو میرے پاس تھے آج کچن صاف کر رہی تھی تو سوچا واپس کر دوں۔"
وہ برتن میرے ہاتھوں پر زبردستی رکھتے ہوئے بولیں۔ ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔
میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میں ابھی آپ ہی کی طرف آ رہی تھی بیٹھ کر باتیں کر لیتے ہیں۔"
"میں صفائی کر رہی ہوں، میرے پاس باتیں کرنے کے لیے ابھی وقت نہیں پھر کھانا بھی بنانا ہے۔"
وہ ناگواری سے جلدی جلدی کہتی واپس اوپر چلی گئیں۔
میں مسکراتے ہوئے واپس نیچے آ گئی۔ ہر رشتے کی ایک حد ہوتی ہے، حد سے بڑھ جائے تو برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ خاص کر ایسے کم ظرف لوگ! میں نے تاسف سے سر جھٹکا۔ کیسے دو دن ان کے گھر جانے پر انہوں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں۔ دو دنوں میں بھابھی کا لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ وہ جو ہمیشہ میرے گھر مسکراتے ہوئے آتی اور مسکراتے ہوئے جاتی تھیں۔ میں دو دن ان کے پاس کیا گئی کہ ان کے ماتھے پر بل آتے گئے۔
سارے برے خیالوں کو جھٹک کر میں نے ڈائجسٹ اٹھا لیا۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تجھ پر آج اس قدر تھکن کیونکر ہے اے دل
لہریں درد و تکلیف کی تیرے سنگ ہم نے بھی سہی ہیں

تو کیوں روتا ہے تنہا تنہا اے یارِ جاں!
کرچیاں تو آنکھوں میں ہم نے بھی بھری ہیں

تجھے یاد ہیں وہ دن اے میرے ہم راز
نہ تھا سایہ بھی جب، باتیں سب تجھ سے کہی ہیں

تنہا رات تھی، خاموش آنسو، بے زباں سسکیاں
تجھے تو سب یاد ہے، بھولے ہم بھی نہیں ہیں

کبھی دوری بھی آئی تھی بیچ ہمارے اے میرے خفا دل
چلو اب لاتعلقی چھوڑ دو، بھلا ہم کوئی اجنبی ہیں

ہمیں وہم و گماں تھے کئی، دیں امیدیں تو نے کئی
اپنے ساتھ نہیں تو کیا ہوا، پرائے بھی تو نہیں ہیں

سحر میں گونجتی صداؤں میں کہا تھا الیک افق
یاد آیا پرچھائیاں تاریکی کی سبھی مٹی ہیں

رابعہ بلوچ افق

کہیں امید سی ہے دل کے نہاں خانے میں
ابھی کچھ وقت لگے گا اسے سمجھانے میں

موسمِ گُل ہو کہ پت جھڑ ہو، بلا سے اپنی
ہم کہ شامل ہیں نہ کھلنے میں نہ مرجھانے میں

ہم سے مخفی نہیں کچھ راہگزرِ شوق کا حال
ہم نے اک عمر گزاری ہے ہوا خانے میں

ہے یوں ہی گھومتے رہنے کا مزا ہی کچھ اور
ایسی لذت نہ پہنچنے میں، نہ رہ جانے میں

نئے دیوانوں کو دیکھیں تو خوشی ہوتی ہے
ہم بھی ایسے ہی تھے جب آئے تھے ویرانے میں

موسموں کا کوئی محرم ہو تو اس سے پوچھو
کتنے پت جھڑ ابھی باقی ہیں بہار آنے میں

احمد مشتاق

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چشم تر نے ابھی نہیں تولی
آنسوؤں سے بھری ہوئی جھولی

زندگی بھر نہ جس نے لب کھولے
اپنی بیٹی کے واسطے بولی

کون تھا جس سے اپنا دکھ کہتی
آئینے پر ہی سر رکھا، رولی

اب نہ وہ خواب ہیں، نہ وہ نیندیں
بچپنے میں جو سونا تھا، سولی

کیا خبر آ ہی جائیں آج پیا
کیوں سکھی نے حنا نہیں گھولی

کیا ترے ساتھ بات ہو شاہین
تو نہ ہم درد ہے نہ ہم جولی

حمیدہ شاہین

وقت

رنگ اک
تتلی چرا کر لے گئی
اور خوشبو
کو ہوائیں لے اڑیں
رہ گیا
ٹوٹے ہوئے گلدان میں
سوکھا گلاب

اقبال

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ادارہ

اس ماہ کی مسکراہٹیں

جلد بازی

ایک لائبریرین کو رات کے دو بجے اس کے گھر پر فون آیا۔ دوسری طرف کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جناب! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ صبح کو لائبریری کس وقت کھلے گی؟"

لائبریرین نے قدرے غصے سے پوچھا۔

"کیوں! کیا آپ کو صبح سب سے پہلے لائبریری میں داخل ہونے کا اعزاز حاصل کرنا ہے؟"

فون کرنے والے نے جواب دیا۔ "ارے جناب! داخل کس کو ہونا ہے۔ آپ جلدی بازی میں مجھے یہاں بند کر کے چلے گئے ہیں۔"

درخواست

شاہدہ نے اپنی دوست ریحانہ کو بتایا۔

"مجھ سے ہزاروں مرتبہ درخواست کی جا چکی ہے کہ میں شادی کر لوں......!"

"کون کرتا ہے تم سے یہ درخواست؟" ریحانہ نے تجسس سے پوچھا۔

"میرے والدین۔" شاہدہ نے جواب دیا۔

بے چارگی

سنیما کی اسکرین پر ایک المیہ سین چل رہا تھا۔ ویسے تو زیادہ تر فلم بین خاموش اور اداس تھے لیکن ایک صاحب باقاعدہ آہ و زاری کر رہے تھے۔ انہوں نے بلند آواز میں رونا پیٹنا مچایا ہوا تھا۔ جب وہ کسی طرح خاموش نہ ہوئے تو تماشائیوں میں سے کسی نے منیجر کو بلوا بھیجا۔

منیجر نے اندھیرے میں آنکھیں سکیڑتے ہوئے ان صاحب سے پوچھا۔

"آخر آپ آئے کہاں سے ہیں؟"

وہ صاحب بری طرح کراہتے ہوئے بولے۔

"ابے احمق! میں کہیں سے نہیں آیا۔ اوپر والی بالکونی سے گرا ہوں......؟

گھریلو انقلاب

"کیوں بھئی! شادی سے خوش تو ہو نا......؟"

خاندان کے ایک بزرگ نے نوجوان سے پوچھا۔

"جی! بہت خوش ہوں...... ہر چیز کا بڑا آرام ہو گیا ہے۔ وقت پر اٹھ جاتا ہوں۔ وقت پر ناشتہ کرتا ہوں، دفتر بھی وقت سے پہلے پہنچ جاتا ہوں۔ وقت پر کپڑے استری ہوتے ہیں۔ گھر صاف ستھرا رہتا ہے۔ کھانے پینے کے اوقات بھی صحیح ہیں۔ صحت بھی ٹھیک رہتی ہے۔" نوجوان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو بھئی! تمہیں اچھی بیوی مل گئی...... جو تمہارے اتنے سارے کام کرتی ہے۔" بزرگ نے خوش دلی سے کہا۔

"نہیں جناب! سارے کام تو اب بھی میں ہی کرتا ہوں۔ بس بیگم نے ہر کام کا وقت مقرر کر دیا ہے اور بڑی سختی سے عمل کرواتی ہے۔" نوجوان نے بے بسی سے جواب دیا۔

پریشانی

ایک شخص آدھی رات کو گاڑی چلاتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں جا نکلا۔ سیکیورٹی والوں نے پکڑ لیا اور ساری رات ایک کوٹھڑی میں بند رکھا۔ صبح اسے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہاں عام گاڑی نہیں آ سکتی۔ اس لیے اگر دوبارہ ایسی حرکت کی تو وضاحت کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

اگلی رات کو پھر وہی شخص ممنوعہ علاقے میں آ گیا۔ اسے دیکھ کر سیکیورٹی والوں نے گنیں تان لیں۔ وہ آدمی فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور اوپر ہاتھ اٹھاتے ہوئے زور سے بولا۔

"آپ بے شک مجھے گولی مار دیں لیکن خدا کے لیے گاڑی میں بیٹھی ہوئی میری بیوی کو یہ یقین دلا دیں کہ میں پچھلی رات آپ کے پاس تھا۔"

مذاق

ایک شخص اونچی آواز میں گانا گاتے ہوئے اپنے آفس میں داخل ہوا اور آتے ہی اپنے سینئر آفیسر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس کے بعد گنگناتے ہوئے جا کر اپنی میز پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے آفس کے ایک آدمی نے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"معاف کرنا یار! میں نے تم سے مذاق کیا تھا کہ تمہاری لاٹری نکل آئی ہے۔"

حقیقت

پرانی عمارت میں ایک ہی لفٹ تھی اور وہ بھی انتہائی پرانی۔ ایک مرتبہ لفٹ دسویں اور گیارہویں فلور کے درمیان پھنس گئی۔ اندر ایک ہی آدمی تھا۔

چوکیدار نے آ کر لوہے کی جالی کے دروازے سے اسے دیکھا اور تسلی دی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے لفٹ ٹھیک کرنے والے مستری کو فون کر دیا ہے۔ وہ آتا ہی ہوگا۔"

"جھوٹے کہیں کے۔" اندر پھنسا ہوا آدمی غصے سے بولا۔ "میں ہی لفٹ ٹھیک کرنے والا مستری ہوں۔"

خوشی

نیویارک میں رہنے والا ایک پاکستانی خوشی خوشی اپنے فلیٹ میں داخل ہوا اور اپنی بیوی جو کچن میں برتن دھو رہی تھی، سے کہنے لگا۔

"بیگم! آج ہمیں امریکن نیشنلٹی مل گئی ہے۔ آج سے ہم لوگ امریکی کہلائیں گے۔"

"کتنی خوشی کی بات ہے۔" بیگم برتن دھونا چھوڑ کے کچن سے باہر آئی اور بولی۔ "تم نے بڑی اچھی خبر سنائی ہے۔ آج سے برتن دھونے کی ذمہ داری تمہاری، میں ذرا سیر کرنے باہر جا رہی ہوں۔"

تعریف

نفسیات کے ایک پروفیسر نے نوجوان امیدوار سے سوال کیا۔

"عورت کی تعریف کرو۔"

"وہ شخصیت جو دروازے میں کھڑی ہو کر بیس منٹ تک مسلسل باتیں کرتی ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث اندر نہیں آ سکتی۔" امیدوار نے جواب دیا۔

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

صائمہ عثمان ——— کراچی

ہر بات جانتے ہوئے دل مانتا نہ تھا
ہم جانے اعتبار کے کس مرحلے میں تھے

ہما احمد ——— لاہور

اچانک تیرے آنے کی خوشی کچھ اور ہوتی ہے
مجھے بادِ صبا کی مخبری اچھی نہیں لگتی

فریال امین ——— حیدرآباد

کون آئے گا کڑی دھوپ میں طارق لیکن
کان بے نام سی دستک پہ لگے ہیں کب سے

ناہید آصف ——— نواب شاہ

ہم سے روٹھا ہوا ہے مدت سے
وہ جو بچھڑا ہوا ہے مدت سے
اب تو پہچان بھی نہ پائیں گے
ان کو دیکھا ہوا ہے مدت سے

ارم طاہر ——— فیصل آباد

اسے نہ جیت سکے گا غم زمانہ اب
جو کائنات تیرے در پہ ہار دی ہم نے

اسما خان ——— پشاور

آرزو، ارمان، چاہت، مدعا کچھ بھی نہیں
تھا بہت کچھ پاس لیکن اب رہا کچھ بھی نہیں
کیسی کیسی قیمتی چیز دل سے اٹھا ہے حجاب
دوستی، دل جوئی، ہمدردی وفا کچھ بھی نہیں

عالیہ صبغت ——— محراب پور

ذکر سے جن حادثوں کے سانس رکتی تھی کبھی
وقت کی مجبوریوں میں سب گوارا ہو گئے

نائمہ ریاض ——— اسلام آباد

اسے کہنا کہ پلٹ آئے اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

مہر النساء ——— کراچی

کہ بدل چکا ہے موسم، تجھے کس نے یہ کہا ہے
وہی پیرہن اداسی وہی چیختی ہوا ہے
مرے پاس دھوپ رت ہے اسے کون یہ بتلائے
تجھے پیڑ جان کر جو گھنی چھاؤں چاہتا ہے

سارہ احمد ——— راولپنڈی

تیری یادوں کی چمکتی ہوئی مشعل کے سوا
میری آنکھوں میں کوئی اور اجالا ہی نہیں

مریم اکبر ——— خیرپور

مجھ کو دشمن کے ارادوں پہ بھی پیار آتا ہے
تیری الفت نے محبت میری عادت کر دی

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ

اس کے بھی لفظ جیسے مقفل سے ہو گئے
میرے بھی لب پہ جیسے کوئی حرف سل گیا
پھولوں نے جیسے جھانک لیا تھا میرا وجود
دل کا ہر اک رنگ درختوں پہ کھل گیا

حرا کاشف ——— سکھر

میں اجڑ کے بھی ہوں تیرا، تو بچھڑ کے بھی ہے میرا
یہ یقین ہے تو کیوں ہے، یہ قیاس ہے تو کیوں ہے

اقصیٰ ناصر ——— گلستان جوہر

کیوں اداس بیٹھے ہو اس طرح اندھیرے میں
دکھ تو کم نہیں ہوتے روشنی بجھانے سے
کچھ سمجھ نہیں آتی شہر کے مکینوں کی
لوگ روٹھ جاتے ہیں آئینہ دکھانے سے

نمرہ، اقرا ——— کراچی

جانے کیا ہو گیا راستوں کو
گھر سے نکلیں تو گھر نہیں ملتا
ہم اسی قافلے میں ہیں شاید
جس کو اپنا سفر نہیں ملتا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھالے اور اس میں جو تکلیف دہ چیز (مٹی وغیرہ) لگ گئی ہو اسے صاف کرلے اور کھالے۔ اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ اپنے ہاتھ تولیے سے نہ پونچھے۔ یہاں تک کہ (پہلے) اپنی انگلیاں چاٹ لے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کون سے کھانے میں برکت ہے۔“ (مسلم)

فائدہ:۔ اس میں گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر اسے صاف کرکے کھانے کا حکم دیا گیا ہے، جس میں تواضع کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی نعمت کی ناقدری سے اجتناب بھی۔ آج کل لوگ اس حکم بندی کو بھی اہمیت نہیں دیتے اور اس طرح کرنے میں اپنی توہین اور سبکی محسوس کرتے ہیں بلکہ ستم بالائے ستم یہ کہ لقمہ دو لقمہ نہیں سیروں کے حساب سے کھانا باہر گلیوں اور گھوروں پر پھینک دیتے ہیں۔ اسی طرح برتن کو چاٹ کر صاف کرنا تو کجا، برتنوں میں کھانا چھوڑ دینا ضروری سمجھتے ہیں جسے بالآخر کوڑے کے ڈھیر میں یا نالیوں میں گرا دیا جاتا ہے۔

خوبصورت بات،

لوگ توکل انسانوں پر کرتے ہیں اور ناامیدی پر شکوہ اللہ سے کرتے ہیں۔

ماہا بشیر۔ ڈنگہ

خوبصورت مذہب،

اسلام اتنا خوبصورت مذہب ہے کہ یہاں مسکرانے پر بھی اجر ملتا ہے اور یہاں تک کہ غصے کی حالت میں خاموش رہنے پر بھی۔

عالی ہمتی،

ایک آدمی جنگل میں جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ

ایک اپاہج لومڑی ہلنے جلنے سے لاچار ایک طرف پڑی ہے۔ وہ یہ سوچ کر حیران ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھلا اس بےچاری لومڑی کو کس طرح روزی دیتا ہوگا۔ اچانک اس نے دیکھا سامنے سے ایک شیر ایک گیدڑ کو منہ میں دبائے چلا آ رہا تھا۔ وہ آدمی وہیں چھپ کر بیٹھا رہا۔ لومڑی کے پاس پہنچ کر گیدڑ کا خون پیا۔ تھوڑا سا گوشت کھایا۔ پھر باقی شکار وہیں چھوڑ کر چھلانگیں مارتا آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ اب لومڑی کی باری تھی۔ وہ بےچاری لنگڑاتی گھسٹتی شکار کے پاس آئی۔ پیٹ بھر کر گوشت کھایا اور اپنے بھٹ میں واپس چلی گئی۔ وہ آدمی سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ بولا۔

”سچ ہے روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آدمی کوشش نہ کرے تب بھی رزق ہر حالت میں مل جاتا ہے۔“

اتنا کہہ کر سارے کام کاج چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھ رہا اور اللہ اللہ کرنے لگا۔ اسی طرح تین دن فاقے میں گزر گئے۔ ہاتھ پاؤں میں سکت نہ رہی اور سانس رک رک کر آنے لگی۔ تب اس آدمی نے سنا، کوئی کہہ رہا ہے۔

”او کم بخت! خدا نے تجھے شیر بنایا ہے۔ خود بھی کھا اور دوسروں کو بھی کھلا۔ اپاہج لومڑی نہ بن

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تو اپاہج پیدا نہیں ہوا۔"

بدکرداروں کا امتحان

تین عورتیں انسانی تاریخ کی معیاری عورتیں ہیں۔
حضرت آسیہ، حضرت مریم اور حضرت خدیجہ۔

یہ وہ نیک بندیاں ہیں جنہوں نے کبھی برائی نہیں کی۔ ان کی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ مگر عجیب بات ہے کہ تینوں کو دنیا میں بے پناہ دکھ اور تکلیفیں جھیلنا پڑیں۔ حضرت آسیہ کا انجام یہ ہوا کہ مصر کے فرعون نے ایک ہاتھ پاؤں میں کیلیں ٹھونکیں۔ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹوایا اور انہیں سولی پر چڑھایا۔

حضرت مریم علیہ السلام پر فلسطین کے یہودیوں نے بدترین الزام لگایا۔

حضرت خدیجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور کیا گیا۔ ان کا رنگ بدل گیا۔ خوراک کی کمی، درخت کی جڑیں اور پتیاں کھانے کی وجہ سے بیمار پڑ گئیں اور آخر کار شدید تکلیف میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

دراصل یہ آزمائش ان بدکردار لوگوں کی تھی جنہوں نے ان بے داغ ہستیوں کو تکلیفیں پہنچائیں۔ بے داغ انسان گویا اللہ کے صحیح ترین ترازو ہیں جن پر لوگوں کی بدکرداریوں کو تولا جاتا ہے۔

یقیناً یہ بڑا اندوہ ناک معاملہ ہے مگر ان ستائی ہوئی پاکیزہ روحوں کے لیے اتنا بڑا اجر و انعام رکھا گیا ہے کہ وہ کہہ اٹھیں گے۔ خدایا تیرا احسان ہے کہ تو نے ہم سے ایک بہت چھوٹی قیمت لے کر ہم کو ایک بہت بڑے انعام کا مستحق بنا دیا۔

بڑے لوگ، بڑی باتیں

○ غم مت کھاؤ جو بھی کچھ تم کھو دیتے ہو وہ کسی نہ کسی شکل میں واپس آ ہی جاتا ہے۔
(مولانا رومی)

○ انسان سارے ہی خوب صورت ہوتے ہیں مگر بہار کی خوشبو کسی کسی میں سے آتی ہے۔
(شاہ عبداللطیف بھٹائی)

○ ایک سوچنے والے زندہ انسان کے خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، نہیں بدلتا تو سفر نہیں بدلتا۔
(علامہ اقبال)

○ صورت بغیر سیرت کے ایک ایسا پھول ہے جس میں کانٹے زیادہ اور خوشبو بالکل نہ ہو۔
(ارسطو)

شبانہ عندلیب۔ گوجرانوالہ

موتی مالا

٭ لمبا دھاگا اور لمبی زبان ہمیشہ الجھ جاتی ہے اس لیے دھاگا لپیٹ کر اور زبان سمیٹ کر رکھیں۔

٭ نصیحت کیجیے مگر شرمندہ نہ کیجیے۔ مقصد دستک دینا ہوتا ہے۔ دروازہ توڑنا نہیں۔

٭ ہر انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ اگر اسے سمجھنا ہے تو اسے بولنے دو۔

٭ قابلیت اتنی بڑھاؤ کہ تمہیں ہرانے کے لیے کوششیں نہیں، سازشیں کرنی پڑیں۔

٭ رستہ بدل لینا چاہیے وہاں سے، جہاں آنکھوں کے پیچھے کی نمی اور مضبوط لفظوں کے پیچھے ٹوٹا لہجہ کوئی نہ سمجھ سکے۔

ناہید اسماعیل۔ کراچی

بڑاپن

شہنشاہ اکبر نے اپنے لڑکے شہزادہ سلیم کی شادی جے پور کے راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے کی تھی۔ اس سلسلے میں اکبر خود بارات لے کر جے پور گیا۔ نکاح کے بعد جب دلہن کا ڈولا باہر نکلا تو راجہ بھگوان داس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

مہاراج چھوری تہمار گھر کی باندی
ہم باندر غلام رہے
(ہماری لڑکی آپ کے گھر کی کنیز ہے اور ہم آپ کے غلام ہیں)

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

یہ سن کر اکبر تڑپ اٹھا۔ وہ بے تابانہ کھڑا ہو گیا اور راجہ بھگوان داس کو گلے لگا کر کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یوں ہے
تمہاری چیری مار گھر کی رانی
تم صاحب سر دار رے"

(تمہاری لڑکی ہمارے گھر کی رانی ہے اور تم ہمارے سردار ہو)

یہ کہہ کر اکبر نے دلہن کی ڈولی میں خود کندھا لگا دیا۔ اس کے بعد ساری فضا ہی دوسری ہو گئی۔ تمام شہزادے اور امراء دوڑ پڑے۔ ہر ایک دلہن کا ڈولہ اٹھانے میں سبقت کرنے لگا۔

خلیفہ ہارون الرشید کا قول ہے کہ
"شریف آدمی وہ ہے جو اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔"
شریف آدمی کمزور کا بھی اتنا ہی لحاظ کرتا ہے جتنا طاقت ور کا۔

موازنہ

زندگی میں دوسروں سے موازنہ مت کریں۔ موازنہ آپ کی خوشیوں کو کھا جاتا ہے۔ اور یہیں سے حسد جنم لیتا ہے اور آسمان پر پہلا گناہ موازنہ کرنے سے ہی تو ہوا تھا جو ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کیا۔

پیاری بات

☆ جب سانپ زندہ ہو تو وہ چیونٹیاں کھاتا ہے اور جب وہ مر جائے تو چیونٹیاں اسے کھاتی ہیں وقت کبھی بھی بدل سکتا ہے۔

☆ ایک درخت سے ایک لاکھ ماچس کی تیلیاں بنتی ہیں مگر ایک ماچس کی تیلی ایک لاکھ درخت جلا سکتی ہے

☆ زندگی میں کبھی کسی کو ستانا مت۔ شاید آپ طاقت ور ہوں مگر مت بھولو وقت آپ سے زیادہ طاقت ور ہے۔

فرق

عقل مند اور بے وقوفوں میں کچھ نہ کچھ عیب ضرور ہوتا ہے مگر عقل مند اپنے عیب کو خود دیکھتا ہے اور بے وقوفوں کا عیب دنیا دیکھتی ہے۔

(شیخ سعدیؒ)

ماریہ نذیر۔ بھاگنا ٹوالہ

اقوال دانش

* گھڑی کی ٹک ٹک کو معمولی نہ سمجھو، یہ زندگی کے درخت پر کلہاڑی کے وار ہیں۔
* کتابوں کے علاوہ جو چیز سبق دیتی ہے وہ "زندگی" ہے۔
* وقت دکھائی نہیں دیتا مگر دکھا بہت کچھ دیتا ہے۔
* کون، کب، کس کا اور کتنا ہے! یہ صرف وقت بتاتا ہے۔
* "زندگی ایک بار ملتی ہے" سراسر غلط تصور ہے۔ زندگی تو ہر روز ملتی ہے۔ دراصل موت صرف ایک بار ملتی ہے۔
* زندگی کی محفل میں جب صبر آتا ہے تب بے شمار گناہ اٹھ کے چلے جاتے ہیں۔

ناہید اسماعیل۔ کراچی

لہجہ کوئی نہ سمجھ سکے

ناہید اسماعیل۔ کراچی

سرورق کی شخصیت

ماڈل .... فہیمہ اعوان
میک اپ .... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... موسیٰ رضا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

آئینہ خانے سے

واصفہ سہیل

منفرد

پاکستانی گلوکار و اداکار فرحان سعید نے موجودہ حکومت کو ووٹ دینے پر فخر کا اظہار کیا (پر کیوں؟) انہوں نے کہا اگر انتخاب کا فیصلہ غلط ہوا تو پانچ سال بعد خود معافی مانگوں گا (کس سے؟)

جل بینڈ ٹوٹنے کی وجہ بالآخر فرحان سعید نے بتا ہی دی (اب تک چپ رہے تھے تو اب بھی چپ ہی رہتے ناں۔ یا خبروں میں اِن ہونے کے لیے؟) فرحان کہتے ہیں کہ ''جل بینڈ کے ساتھ میں نے دس سال کام کیا ہے، یہ بہت طویل عرصہ ہے۔ جب آپ بینڈ کے ساتھ کام کر رہے ہوں تو کوئی منفرد کام نہیں کر سکتے (ہائیں......) میں نے کچھ منفرد کرنے کا ارادہ کیا تو بینڈ چھوڑ دیا اور پھر اداکاری بھی کی۔ (منفرد کیا کیا؟ عروہ سے شادی؟)

حالات

شوبز میں قدم رکھنے والا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں، اس کی عزت کریں۔ پاکستان میں تھیٹر اداکاری کافی عرصے سے تنزلی کا شکار ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے فنکاروں کو زندگی گزارنے کے لیے دوسرے ذریعہ روزگار تلاش کرنے پڑ رہے ہیں۔

ایسا ہی ایک کردار سعدیہ شیخ ہیں جنہوں نے تقریباً دو دہائیوں تک تھیٹر میں اداکاری کی لیکن اب معاشی پریشانیوں سے تنگ آ کر وہ تکہ کباب کا ٹھیلا لگانے پر مجبور ہیں۔ (کوئی بات نہیں سعدیہ! محنت میں عظمت ہے) اپنی زندگی کے پچیس سال تھیٹر کو دینے والی سعدیہ کا کہنا ہے کہ حالات کے تحت مجھے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔ تھیٹر فنکاروں کے حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے۔ لوگوں کو وہ عزت بھی نہیں دی جاتی (اس کے ذمہ دار وہ تھیٹر اداکار ہیں جو اسٹیج پر پھکڑپن لائے) کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ اس کا کل کیا ہوگا۔ کل میں ایک کامیاب اداکارہ تھی اور آج ڈھابہ چلانے پر مجبور ہوں۔

مہمان نوازی

گزشتہ دنوں اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوتریس افغان مہاجرین پر عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے ماہرہ خان سے بھی ملاقات کی (کس لیے؟) جو مہاجرین کی خیر سگالی سفیر ہیں۔ (اچھا!!) اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے کہا کہ پاکستان کی افغان مہاجرین کے ساتھ یک جہتی کو چالیس سال مکمل ہو چکے ہیں۔

ماہرہ خان نے کہا کہ ''انہیں خوشی ہے کہ وہ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئیں جو گزشتہ چالیس سالوں سے دنیا بھر کے مہاجرین کی مہمان نوازی کر رہا ہے۔''

WAQAR AZEEM
www.pakistanip

(ماہرہ! آپ کی دنیا بھر افغانستان تک محدود ہے؟)

خوشی

نوین وقار اپنی اداکاری کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں، وہ اسکرپٹ کا انتخاب بھی بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہیں۔ چند سال قبل ڈرامہ سیریل ''ہم سفر'' سے شہرت حاصل کرنے والی نوین وقار نے اس کے بعد کئی مشہور ڈرامے کیے۔ فلم کے متعلق نوین وقار کا کہنا تھا کہ مجھے جلدی کسی بات کی نہیں جب صحیح وقت اور صحیح کردار میرے سامنے آیا میں ضرور کروں گی۔ انہوں نے کہا کہ کچھ سال قبل مجھے بولی وڈ اداکار ابیتابھ بچن اور نواز الدین صدیقی کے ہمراہ ایک فلم میں کام کرنے کی آفر ہوئی تھی (تھی......؟) تاہم میں اس وقت اپنے ڈرامہ سیریل کی شوٹنگ میں مصروف تھی۔ جس کے باعث میں نے اس فلم سے معذرت کر لی (واہ بھئی۔) اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے ایسا کیا''

آخری فیصلہ

سونیا حسین آج کل ایک ڈرامے میں انتہائی اوور ایکٹنگ کرتی نظر آ رہی ہیں جب کہ اس سے پہلے وہ معقول اداکاری کرتی پائی گئی تھیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ''میرے پاس تم ہو'' میں مہوش کا کردار پہلے مجھے آفر کیا گیا تھا۔ (آہم آہم) لیکن عائزہ نے مہوش کا کردار بہت اچھی طرح سے نبھایا ہے (وہی تو......؟)

اس حوالے سے خلیل الرحمٰن قمر نے سونیا حسین کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ ''سونیا ابھی اس قابل نہیں ہوئیں کہ میرے اسکرپٹ پر بنا ڈراما کرسکیں۔ (مطلب اداکاری کے حساب سے)۔

ایک انٹرویو میں خلیل الرحمٰن قمر کا کہنا تھا کہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے ڈراما آفر کیا اور انہوں نے انکار کر دیا لیکن اسکرپٹ میں نے نہیں ندیم بیگ اور ہمایوں سعید نے آفر کیا تھا۔ میں یہ بات یہاں واضح کر دوں کہ میرا اسکرپٹ اگر کوئی آپ کو آفر کر دے، آپ قبول بھی کرلیں تو آپ کام نہیں کرسکتے (کیوں بھئی؟) اگر سونیا ہامی بھر بھی لیتی تو آخری فیصلہ میں ہی کرتا۔''

کچھ ادھر ادھر سے

میڈیا کے نگار خانے کا کوئی ''آئینہ'' اگر سچ بولتا یا کم از کم اپنی ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے حکمرانوں کے حقیقی خدوخال دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے نشانے پر دھر لیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں جس تسلسل سے آئین پاکستان کے پرزے خس وخاشاک ہوتے رہے اسی طرح خود پرستی کی حد تک خود پسند حکمرانوں کو ان کے چہرے کے حقیقی خدوخال دکھانے والے آئینے بھی کرچیاں ہوتے رہے۔

(عرفان صدیقی......نقش خیال)

کبھی مورخ یہ تحقیق کرے گا کہ قاضی فائز عیسیٰ پہ کیسے اور کیوں یہ کیس بنایا گیا اور ایک قابل تکریم، ایمان دار اور اصول پرست منصف کو نشانہ بنایا گیا۔

(انگیخت......امتیاز عالم)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بقیہ خط آپ کے

انگیز اسٹوری زبردست لگی۔ مدیحہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ افسانوں میں ریحانہ چوہدری کا "راضی بہ رضا" سدیعہ عمیر کا "مونگ پھلی" شازیہ الطاف ہاشمی کا "کالا پتھر" بہترین افسانے لگے لیکن مدیحہ عارف کا دل گداز افسانہ "مہر وم" دل دکھا گیا۔ حقیقت سے قریب کہانی کو لاجواب کہہ سکتے ہیں اور ہاں "مقید ذات" گلناز کا افسانہ بس مناسب لگا کیونکہ لگتا ہے یہ کہانی تو گھر گھر کی ہے۔ اس کے علاوہ باقی سلسلے بھی اچھے رہے اور سب سے آخر میں "تجھ سے ناتا جوڑا" تو منفرد اور عمدہ سلسلہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔

☆ پیاری تسنیم! ہمیں آپ کی یہ بات بہت اچھی لگی ہے کہ آپ پرچا پوری توجہ سے پڑھتی ہیں اور ہر کہانی اور ہر سلسلے پر تبصرہ کرتی ہیں۔ شعاع مجموعی طور پر آپ کو پسند آیا، شکریہ۔

تبسم بشیر حسین ڈنگہ سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

دو ماہ پہلے اپریل کے شمارہ کا انتظار بڑی شدت سے تھا، پر پورا اپریل گزر گیا اور مئی آ گیا پر پیارے شعاع کا دیدار نصیب نہ ہوا۔ یقین کریں، میں تو باقاعدہ آنسوؤں سے روئی پھر میری پریشانی کو دیکھتے ہوئے ماہا نے ایک حل نکالا۔ حل یہ نکالا کہ وہ شاپ کیپر بن گئی، پرانے رسالے لے کر میں جاتی اور اس سے رسالے لے لیتی۔ جب ختم ہو جاتا تو پھر نیا لے لیتی یوں یہ دو ماہ اللہ اللہ کر کے کٹے پھر تمام دوستوں اور آپ ادارے والوں کی بھی فکر تھی کہ پتا نہیں کس حال میں ہوں، آپ سب سے رابطے کا کوئی ذریعہ بھی تو نہیں تھا...... خیر کل بازار گئے تو بک شاپ کھلی ملی، دھڑکتے دل کے ساتھ شعاع کا پتا کیا تو شاپ کیپر نے ماہ جون کا شعاع پیش کیا، ایک پل تو مجھے سکتہ ہی ہو گیا پھر ہاتھ میں لے کر بہت پیار سے اسے محسوس کیا۔ یقین کریں۔ میری تو آنکھیں ہی نم ہو گئیں۔ دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا، اس دو ماہ کے دوران مجھے پتا چلا کہ شعاع اور آپ سب۔ میرے لیے کتنے اہم ہو چکے ہو۔ فوراً گھر کی راہ لی اور لے کر بیٹھ گئی۔ ماڈل بہت خوب صورت لگ رہی تھی، اس کے بعد آپ سے "پہلی شعاع" میں ملاقات کی اور آپ سے ایک ہزار فیصد اتفاق کیا۔ یہ ہمارے اعمالوں کی سزا ہے جو ہمیں اس وبا کی صورت مل رہی ہے لہٰذا ہر وقت درود ابراہیمی اور توبہ استغفار پڑھتے رہنا چاہیے۔ "حمد و نعت" سبحان اللہ، ماشاء اللہ۔ اس کے بعد انٹرویو کو پھلانگتے ہوئے سیدھا پہنچے "خط آپ کے" پر اور سب سے پہلے اپنا خط ڈھونڈ کر پڑھا۔ مجھے تو لگا تھا کہ شعاع آئے گا تو اس میں تھوڑی بہت جگہ میرے افسانے کو بھی ملی ہو گی۔ چلیں پرچا آپ کا 'مرضی آپ کی۔ بس ذرا سا دل ہی تو ٹوٹا ہے وہ تو ٹوٹتا رہتا ہے پر پروا کسے ہے۔ ہاں یاد آیا زینب کا شکریہ، دعا کروانے کے لیے۔ مجھے دعاؤں کی واقعی ضرورت ہے۔ سوری کچھ زیادہ جذباتی ہو گئی، ویری سوری۔ میں ریحانہ چوہدری کو مبارک باد دینا چاہوں گی کہ ان کی کہانی لگ گئی۔ اس کے بعد نظمیں غزلیں پڑھیں۔ سباس گل اور جاوید شاہین کا کلام پسند آیا۔ "مسکراہٹیں" سے اطمینان اور ترجیح والے لطائف پسند آئے۔ "باتوں سے خوشبو آئے" اقراء، ارم کمال، خزیمہ ریاض، اقصیٰ ناصر نے خوب خوشبو بکھیری۔ "کھلتا کسی پہ" ماریہ نذیر، فضہ نور، نمرہ اقراء، فضہ بلال، ثمرہ احمد کے اشعار پسند آئے۔

☆ پیاری تبسم! آپ کی اتنی محبت اور خیال نے ہماری بھی آنکھیں نم کر دیں۔ آپ قارئین کی یہ محبت ہی ہمارا سرمایہ ہے۔ ہماری محنتوں کا سب سے بڑا انعام ہے۔

آپ کی کہانی شائع نہیں ہوئی تو اس پر افسردہ نہ ہوں، کیا آپ کو علم ہے کہ آپ جن مصنفین کی کہانیاں شعاع میں پڑھتی ہیں، انہوں نے کتنی محنت کی ہے۔ ان کی کتنی کہانیاں ریجیکٹ ہوئی ہیں تب جا کر انہوں نے کامیابی کا منہ دیکھا ہے۔

تبصرہ ہمیشہ کی طرح اچھا ہے۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

بنت حریم لکھتی ہیں

اس دفعہ خط لکھنے کی وجہ سے رسالہ خود جا کے لے آئی تاکہ ٹائم سے تبصرہ اپنا روانہ کروں۔ موسم بڑا جان دار، شان دار، سہانا ہوگیا ہے دل چاہتا ہے ہاتھ میں کافی کا مگ ہو، دو رویہ درختوں کی قطار اور گاڑی میں اونچی آواز میں تلاوت لانگ ڈرائیو کے ساتھ ماہ دولت جاگتی آنکھوں کے خواب پر ہم جیسے پاکستانی بیچاری عوام حکمرانی کے دکھائے سبز باغوں میں گھومتے رہتے ہیں باہر نکلتے ہی کیچڑ سے بھری گلیاں استقبال کرتی ہیں جگہ جگہ کچرے کی سرانڈ گندے پانی میں تیراتی سڑکیں۔

آج کل ماہ دولت یہ ورد کرتے رہتے ہیں مجھے معاف کردو۔ میرے لیے دعا کرو۔ دل چاہتا ہے الہ دین کا چراغ ہاتھ لگے اور سب کچھ ٹھیک ہوجائے لیکن جو بھی ہے جیسا بھی ہے ہمیں اپنے وطن سے پیار ہے ہم یہاں کے نمبرون شہری ہیں۔

مجھے ڈاکٹرز نے خون کی کمی بتائی ہے ڈرپس لگوائی ہیں لیکن ابھی بھی کمی پوری نہیں ہوئی، پتا ہے جب میں نے فروری کا شمارہ کھولا ورق گردانی کرتے ہوئے ہمارے نام پڑھتے ہوئے جھٹکا لگا عینک اتار کے اپنا نام پڑھ کر سیروں خون بڑھ گیا اگر اسی طرح ہمارے لیے اپنے دل کے دروازے کھولتی رہیں تو میرا خون بغیر ڈرپ اور کھائے پیے بڑھ جائے گا۔

بنت مریم! معذرت کے ساتھ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آپ نے یہ بے ربط خط شعاع کے کس سلسلے کے لیے لکھا ہے۔ تبصرہ تو اسے کہہ نہیں سکتے کیونکہ اس میں پرچے کی کسی کہانی پر تبصرہ نہیں ہے البتہ حکومت اور عوام پر تنقید ضرور ہے۔ آپ نے اسی صفحے پر کھانا پکانے کی ترکیبیں اور لطائف بھی لکھ دیے ہیں۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہر سلسلے کے لیے علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔

آئندہ ہمیں خط لکھیں تو صرف پرچے پر تبصرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے، خوش رہا کریں۔

ماہا بشیر حسین...... ڈنگہ

پورے دو ماہ کے بعد شعاع ہاتھ لگا۔ ان دو ماہ میں رسالوں کے لیے تبسم کی حالت دیکھنے والی تھی اور جب اس کی کہانی ڈائجسٹ میں شامل نہیں ہوئی تب بھی۔ کیا ہے نا کہ بڑے مان سے کہہ رہی تھی کہ" شعاع والے میری قدر ضرور کریں گے۔" چلیے چھوڑیں اسے کون سمجھا سکتا ہے؟ کہ رسالے میں جان پہچان کے لوگوں کی کہانی لگتی ہے ناکہ غریب مسکینوں کی...... ٹائٹل واقعی خوب صورت تھا۔ "پہلی شعاع، یہ وبا سزا ہے بے انصافی، حلق تلفی اور سود ورشوت کی اور بہت کچھ جو کہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔" حمد و نعت، اپنی تعریف آپ۔ بندہ ادنیٰ اس قابل کہاں؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں میرا موسٹ فیورٹ سلسلہ، منیٰ طارق سے مل کر اچھا لگا۔ دستک میں اسماء عباس سے مل کر اچھا لگا بلکہ بہت ہی اچھا لگا۔ یہ میری فیورٹ اداکارہ ہیں اور کافی خوب صورت بھی۔ شگفتہ بھٹی کو اللہ صحت کاملہ عطا فرمائیں سب کہو (آمین) "ناتا جوڑا" اس بار دو تھے "شاماں پے گیاں" منشا اپنے مخصوص انداز میں براجمان تھیں ناول بس ٹھیک تھا۔ "کاسۂ دل" مدیحہ سعید نئی رائٹر ہیں لکھتی کڑک ہیں۔ ناولٹ بھی اس بار دو تھے مطلب شعاع والے مہربان ہوگئے۔ "سانولا سویرا" ثمرہ کی تحریر کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سب جانتے ہیں ان کا لکھا۔ "بہار آنے کو ہے۔" جو کہ حمیرا شفیع بالآخر لے ہی آئیں۔ افسانے "یار دل دار" ہے تو میں گوڈے گوڈے بلکہ ناک وناک پک گئی ہوں۔ "راضی بہ رضا" اگرچہ ریحانہ کی پہلی تحریر ہے سو رعایت بنتی ہے۔ سو کر دیتی ہوں اچھی لگی حالانکہ پرانی کہانیوں کا ری مکس تھی۔ "مونگ پھلی" سدیعہ عمیر کا ٹاپک مختلف تھا۔ مدیحہ عارف اور گل ناز نئی رائٹر، شازیہ کا تو نام ہی کافی ہے۔ ویسے اب نہ تو تتلیوں پھولوں کی باتیں ہوئی ہیں نہ ساون کی بوندوں کی، نہ ہروئینوں کی...... برا لگا ہے تو لگے میں تو کھری بات کہوں گی۔ میرا خیال ہے تمام قارئین پچھلی کہانیوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کومس کرتے ہیں۔ ہے نا؟ خط آپ کے ڈھیر گڑیا میں اور تبسم بہنیں ہی ہیں حالانکہ لگتی نہیں تمہیں میری صاف گوئی بہت بھاتی ہے حیرت ہے! حالانکہ چند لوگ تو ایسے ناپسند بلکہ شدید ناپسند کرتے ہیں۔

ماہا! کہانی شائع نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تبسم کی قدر نہیں کرتے ہم تبسم کی ہی نہیں ہم اپنے تمام قارئین کی قدر کرتے ہیں۔ کہانی کا مسئلہ دوسرا ہے۔ ہمارا پورا پینل کہانی کو پڑھتا ہے پھر فیصلہ ہوتا ہے کہ کہانی قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ اس میں امیر، غریب کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور نہ جان پہچان سے کوئی فرق پڑتا ہے جن لوگوں کی کہانیاں شائع ہوتی ہیں، ان سے ہماری کوئی جان پہچان یا رشتہ نہیں ہوتا۔

پیاری ماہا! ہماری بھی خواہش ہے کہ مصنفین موسموں، رنگوں اور خوشبوؤں کی کہانی لکھیں۔ ہم آپ کی فرمائش اپنی مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

ایک بات کی خوشی ہوئی کہ اس بار آپ کو شعاع میں ''کچھ'' تو اچھا لگا ورنہ ہمیشہ تو فہرست دیکھ کر ترتیب سے کہانیوں اور سلسلوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں۔

صاف گوئی بہت اچھی بات ہے لیکن جہاں بات کسی کی دل آزاری یا لڑائی جھگڑے کی ہو، وہاں خاموشی ہی بہتر ہوتی ہے۔ اتنا خیال ضرور رکھیں کہ آپ کی صفائی گوئی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایسی صاف گوئی کس کام کی جو دوسروں کا دل توڑ دے۔

ماہ انجم لکھتی ہیں

اُفف! تین ماہ، یعنی نوے دن بعد بالآخر ڈائجسٹ آ ہی گیا۔ کیا بتائیں کہ یہ عرصہ کس مشکل سے گزارا۔

سرورق سے بات شروع کریں تو ماڈل گرل بہت ہی پیاری لگی اور میک اپ بھی خاصا اچھا تھا۔ پہلی شعاع میں بالکل بجا فرمایا کہ یہ وقت اللہ سے معافی اور احتیاط کا ہے۔ اسماء عباس کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ منی طارق کا انٹرویو اس لیے نہیں پڑھا کہ ان کا کوئی ڈرامہ اب تک نہیں دیکھا۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا تو پچھلے خطوط میں بتا چکے ہیں کہ ابتدائی چند ماہ کے بعد پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے مکمل ناول میں منشا محسن نے کیا خوب رنگ جمایا۔ سابقہ روش کو برقرار رکھتے ہوئے اس بار بھی موضوع سے لے کر انداز تحریر تک...... بہترین اب بات کریں۔ مدیحہ سعید کے ''کاسۂ دل'' کی تو اس کے لیے بات کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں۔ بالکل انڈین فلموں والے انداز میں ڈبل سے بھرپور ناول۔

''وہ نازنین'' سپنس بڑھتا جا رہا ہے۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ حمیرا شفیع کا ناول قدرے بہتر تھا۔ ''یار دلدار'' کی تعریف کیا کرنا، یہ تو شعاع کی جان بن چکا ہے۔ اس دفعہ کی قسط میں احسن نے بازی لوٹ لی۔ بات اماں سے بحث کی ہو یا نانی کی نواسی کو تنگ کرنے کی۔ احسن نے خوب ہی مزہ دیا۔ ''مہز وم'' اور ''راضی بہ رضا'' بھی سبق آموز اور دلچسپ افسانے تھے۔ ''کالا پتھر'' تو سر کے چار فٹ اوپر سے گزر گیا۔

''تاریخ کے جھروکوں سے'' بہترین سلسلہ ہے۔ دیگر مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔ آخر میں سب سے ضروری بات اپریل کے آغاز میں ایک افسانہ بھیجا تھا۔ کیا وہ قابل اشاعت ہے۔

پیاری ماہ انجم! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ افسانہ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ پڑھ کر رائے دے سکتے ہیں۔

☆☆

سانحہ ارتحال

محترم جناب سید منصور بخاری بانی گوشۂ ادب قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے ہیں۔

اِنا للہ واِنا اِلیہِ رَاجعُون.

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ اور اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ماؤں سے گھروں کے آنگن آباد رہتے ہیں۔ وہ اولاد کے لیے سراپا محبت، سراپا دعا ہوتی ہیں۔ ان کی دعائیں دنیا سنوارتی ہیں اور آخرت کے لیے زادِ راہ ہوتی ہیں۔

مقبول شاعر محترم انور مسعود صاحب کی اہلیہ اور کالم نگار عمار مسعود صاحب کی والدہ صدیقہ انور اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اِنا لِلّٰہ واِنا اِلیہِ رَاجِعُون۔

یہ مضمون عمار مسعود صاحب نے اپنی والدہ صدیقہ انور کی وفات پر تحریر کیا ہے۔

امی!

عمار مسعود

میری والدہ پروفیسر صدیقہ انور کا انتقال اس رمضان کے تیسرے روزے کو ہوا۔ عمر پچاسی برس تھی۔ انہوں نے تینوں روزے رکھے۔ ان کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم سب نے ان سے ضد کی کہ آپ اس عمر میں روزہ نہ رکھیں۔ شرع بھی اجازت دیتی ہے۔ ضد سے تنگ آ کر بالآخر انہوں نے تیسرے روزے کی افطار کے بعد وعدہ کیا کہ اب وہ اس رمضان میں مزید کوئی روزہ نہیں رکھیں گی۔

رات تقریباً دس بجے ان کی طبیعت خراب ہوئی اور گیارہ بجے تک وہ اس دنیا سے جا چکی تھیں۔ وہ آخری لمحے تک اپنی بات پر قائم رہیں۔ نہ انہوں نے اس رمضان کا کوئی روزہ قضا کیا اور نہ کسی سے کیا کوئی وعدہ توڑا۔

ان کا آخری دن ان کی ساری زندگی کا خلاصہ ہے۔ صبح انہوں نے روزے کی حالت میں محلے کی خواتین کو قرآن پاک کا درس دیا۔ پھر ابو کے ساتھ مل کر ان تمام لوگوں کی فہرست مکمل کرائی کہ جن کو اس سال زکواۃ دینی تھی۔ ہر ایک کے نام کے ساتھ رقم لکھوائی۔ دوپہر کو اپنے کانپتے ہاتھوں سے افطار کے لیے اپنی پسندیدہ ڈش پلاؤ بنایا۔ روزہ افطار کیا اور چپ چاپ اپنے آخری سفر پر چل دیں۔ ان کی ساری زندگی اسی طرح گزری۔ یہی مصروفیات تمام عمر ان کا معمول رہیں۔

وہ فارسی اور اردو کی پروفیسر تھیں۔ تدریس سے ان کو عشق تھا۔ ریٹائر ہوئیں تو کینسر کے موذی مرض نے آن لیا۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ امی کومے میں چلی گئیں۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ جانے کس معجزے کے سبب وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گئیں۔ اس بیماری کے بعد وہ تیئس برس حیات رہیں۔ ان تیئس برسوں میں ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن پاک کی تعلیم ہو گیا۔ محلے کی چند خواتین سے درس قرآن کا آغاز کیا اور پھر شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں ہو گئی۔ ہر درس کے بعد اپنی شاگردوں میں ٹافیاں تقسیم کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ٹافیاں لانے کی ذمہ داری ہم سب کی تھی۔ اس میں کوتاہی ناقابل برداشت تھی۔

قرآن کی تعلیم کے بعد ان کی سب بڑی مصروفیت میرے والد انور مسعود تھے۔ ان کی شادی کو پچپن برس گزر گئے تھے۔ مگر ان کی محبت اب تک مثالی تھی۔ میرے والد نے زندگی میں جو بھی شعر لکھا ہے، سب پہلے میری والدہ کو سنایا۔ میری والدہ خود عالم فاضل تھیں۔ وہ نئے لکھے اشعار میں تصحیح بھی کرتیں اور مشورہ بھی دیتیں۔

یہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی میں کچھ اس طرح مشغول تھے کہ یہ بھی ہوا کہ ابو نے اسلام آباد سے لاہور جانا ہے تو ان کے گھر سے نکلتے ہی ہر پندرہ منٹ کے بعد دونوں ایک دوسرے کو فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دیتے، ایک دوسرے کا حال پوچھتے۔ حد تو یہ تھی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی اطلاع بھی بڑی باقاعدگی سے دیتے۔

میرے والد بڑے کامل یقین سے یہ بات کہتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہیں کہ "ان کی تمام تر کامیابیوں کا سہرا میری والدہ کی دعاؤں کو جاتا ہے"۔

میرے والد پر اس پچپن برس کی رفاقت کے ختم ہونے کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس غم کا اظہار تو نہیں کر رہے لیکن اب جب سجدے میں جاتے ہیں تو ان پر گریہ دیر تک طاری رہتا ہے۔ مغفرت کی دعا کے لیے اٹھے ہاتھ بہت جلد آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔

میری والدہ کا محبوب جملہ "شکر ہے، شکر ہے" تھا۔ وہ ہر حال میں شکر ادا کرنے کی وجہ تلاش کر لیتیں۔ حالات چاہے کتنے بھی خراب ہوں۔ مشکلات چاہے مالی ہوں یا جسمانی، فکر کسی بچے کی ہو یا پھر کسی رشتہ داری کی پریشانی ہو، وہ شکوہ نہیں کرتی تھیں۔ شکر ادا کرتی تھیں جس بھرپور طریقے سے زندگی انہوں نے گزاری، جس محبت سے قرآن پاک کے علم کو تقسیم کیا، جس محنت سے اولاد کی تربیت کی۔ اس کے بعد اب جب وہ اس جہان سے بغیر کسی کو تکلیف دیے ہوئے، بغیر کسی کو امتحان میں ڈالے چلی گئیں تو مجھے واثق یقین ہے کہ وہ اس وقت بھی جنت کے کسی باغ میں بیٹھی بڑی مطمئن مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ساری زندگی کے بارے میں کہہ رہی ہوں گی "شکر ہے شکر ہے" شکر کی نعمت انہیں ہی میسر تھی۔ ہم ایسے بدنصیب ہیں کہ ان کے جانے کے بعد نہ ہمیں صبر آ رہا ہے نہ ہی ہم سے "شکر ہے شکر ہے" کا ورد کیا جا رہا ہے۔

میری والدہ کی عمر کا ایک طویل عرصہ بہت عسرت میں بسر ہوا۔ اب آخری عمر میں کچھ مالی آسودگی نصیب ہوئی تو ان کی فکریں اور بڑھ گئیں۔ وہ بہت مال دار خاتون نہیں تھیں مگر اس کے باوجود وہ سب کو بار بار تلقین کرتیں کہ میرا جو بھی تھوڑا بہت مال اسباب ہے اسے شریعت کے عین مطابق تقسیم کیا جائے۔ وہ ہمیں ڈراتی بھی تھیں کہ جن کا اسباب شریعت کی رو کے مطابق تقسیم نہیں کیا جاتا، ان کی روحیں اذیت میں رہتی ہیں۔ تمام عمر بھٹکتی رہتی ہیں۔

ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے تئیں اس زعم میں مبتلا رہتا کہ وہ امی کا سب سے لاڈلا ہے۔ وہ سب سے ایک سا پیار کرتیں۔ سب کی کمزوریوں اور کجیوں پر پردہ ڈالتیں۔ سب میں خوبیاں تلاش کرتیں۔

بچوں کی معاملے میں ان کی ایک عجیب عادت تھی۔ وہ بچوں کی کامیابیوں کی بہت زیادہ خوشیاں نہیں مناتی تھیں۔ وہ ان کامرانیوں کی تشہیر بھی نہیں کرتی تھیں۔ عجب بات یہ تھی کہ جب کوئی بچہ کوئی کامیابی حاصل کرتا، نئی گاڑی لیتا، نوکری میں پروموشن ملتی، کسی ایوارڈ کا مستحق قرار پاتا، یا کسی بچے کو کاروبار میں منافع ہوتا تو وہ بچہ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کا مستحق ہوتا۔

لیکن اگر کوئی بچہ زندگی کے کسی مرحلے میں ناکام ہوتا، کسی امتحان میں فیل ہو جاتا، کسی کو نقصان ہوتا تو وہ ان کی محبت کا پہلے سے زیادہ مستحق بنتا۔ اس کے ساتھ ان کا لاڈ بڑھ جاتا۔ اس کے لیے دعاؤں میں اضافہ ہو جاتا۔ وہ ہماری کامیابیوں کی ہی نہیں بلکہ ناکامیوں کی بھی ساتھی تھیں۔

مہنگا لباس، زیورات، بڑی گاڑی یا کسی مہنگے ہوٹل میں کھانے سے ان کو وحشت ہوتی تھی۔ وہ سادگی سے زندگی بسر کرنے کی قائل تھیں۔ یہی سادگی ان کی زندگی کا شعار رہی اور یہی سادگی انہوں نے سفر آخرت کے وقت اختیار کی۔

اب مرحلہ ایسا جاں گسل ہے کہ کسی کو بھی ان کے جانے کا یقین نہیں آ رہا۔ ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ اب ان کی صحت کے لیے دعا کرنی ہے یا ان کی مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھانے ہیں۔ ان کے لیے دوائی لانی ہے یا پھر ان کی قبر پر پھول بکھیرنے ہیں۔ ان کی اچانک وفات پر آنسو بہانے ہیں یا پھر ان کی زندگی پر رشک کرنا ہے۔

ہم پانچ بہن بھائیوں کی عمر پینتالیس سے پچپن برس کے درمیان ہیں۔ یقین مانیے اس رمضان کے تیسرے روزے سے پہلے تک ہم پانچوں بچے تھے۔ کم عمر تھے۔ ناسمجھ تھے۔ تیسرے روزے کے بعد سے ہم پانچوں اچانک بڑے ہو گئے ہیں۔ اچانک بے بس ہو گئے ہیں۔ اچانک بے چارے ہو گئے ہیں، اچانک بے سہارا ہو گئے ہیں۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ماؤں سے گھروں کے آنگن آباد رہتے ہیں۔ وہ اولاد کے لیے سراپا محبت، سراپا دعا ہوتی ہیں۔ ان کی دعائیں دنیا سنوارتی ہیں اور آخرت کے لیے زادِ راہ ہوتی ہیں۔

مقبول شاعر محترم انور مسعود صاحب کی اہلیہ اور کالم نگار عمار مسعود صاحب کی والدہ صدیقہ انور اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اِنا للہ واِنا اِلیہِ رَاجعُون۔

یہ مضمون عمار مسعود صاحب نے اپنی والدہ صدیقہ انور کی وفات پر تحریر کیا ہے۔

امی!

عمار مسعود

میری والدہ پروفیسر صدیقہ انور کا انتقال اس رمضان کے تیسرے روزے کو ہوا۔ عمر پچاسی برس تھی۔ انہوں نے تینوں روزے رکھے۔ ان کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم سب نے ان سے ضد کی کہ آپ اس عمر میں روزہ نہ رکھیں۔ شرع بھی اجازت دیتی ہے۔ ضد سے تنگ آکر بالآخر انہوں نے تیسرے روزے کی افطار کے بعد وعدہ کیا کہ اب وہ اس رمضان میں مزید کوئی روزہ نہیں رکھیں گی۔

رات تقریباً دس بجے ان کی طبیعت خراب ہوئی اور گیارہ بجے تک وہ اس دنیا سے جا چکی تھیں۔ وہ آخری لمحے تک اپنی بات پر قائم رہیں۔ نہ انہوں نے اس رمضان کا کوئی روزہ قضا کیا اور نہ کسی سے کیا کوئی وعدہ توڑا۔

ان کا آخری دن ان کی ساری زندگی کا خلاصہ ہے۔ صبح انہوں نے روزے کی حالت میں محلے کی خواتین کو قرآن پاک کا درس دیا۔ پھر ابو کے ساتھ مل کر ان تمام لوگوں کی فہرست مکمل کرائی کہ جن کو اس سال زکواۃ دینی تھی۔ ہر ایک کے نام کے ساتھ رقم لکھوائی۔ دوپہر کو اپنے کانپتے ہاتھوں سے افطار کے لیے اپنی پسندیدہ ڈش پلاؤ بنایا۔ روزہ افطار کیا اور چپ چاپ اپنے آخری سفر پر چل دیں۔ ان کی ساری زندگی اسی طرح گزری۔ یہی مصروفیات تمام عمر ان کا معمول رہیں۔

وہ فارسی اور اردو کی پروفیسر تھیں۔ تدریس سے ان کو عشق تھا۔ ریٹائر ہوئیں تو کینسر کے موذی مرض نے آن لیا۔ نوبت یہاں تک آگئی کہ امی کومے میں چلی گئیں۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ جانے کس معجزے کے سبب وہ اس بیماری سے صحت یاب ہوگئیں۔ اس بیماری کے بعد وہ تیئیس برس حیات رہیں۔

ان تیئیس برسوں میں ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن پاک کی تعلیم ہوگیا۔ محلے کی چند خواتین سے درسِ قرآن کا آغاز کیا اور پھر شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں ہوگئی۔ ہر درس کے بعد اپنی شاگردوں میں ٹافیاں تقسیم کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ٹافیاں لانے کی ذمہ داری ہم سب کی تھی۔ اس میں کوتاہی ناقابل برداشت تھی۔

قرآن کی تعلیم کے بعد ان کی سب بڑی مصروفیت میرے والد انور مسعود تھے۔ ان کی شادی کو پچپن برس گزر گئے تھے۔ مگر ان کی محبت اب تک مثالی تھی۔ میرے والد نے زندگی میں جو بھی شعر لکھا ہے، سب پہلے میری والدہ کو سنایا۔ میری والدہ خود عالم فاضل تھیں۔ وہ نئے لکھے اشعار میں تصحیح بھی کرتیں اور مشورہ بھی دیتیں۔

یہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی میں کچھ اس طرح مشغول تھے کہ یہ بھی ہوا کہ ابو نے اسلام آباد سے لاہور جانا ہے تو ان کے گھر سے نکلتے ہی ہر پندرہ منٹ کے بعد دونوں ایک دوسرے کو فون کرکے اپنی اپنی خیریت کی اطلاع دیتے، ایک دوسرے کا حال پوچھتے۔ حد تو یہ تھی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی اطلاع بھی بڑی باقاعدگی سے دیتے۔

میرے والد بڑے کامل یقین سے یہ بات کہتے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہیں کہ "ان کی تمام تر کامیابیوں کا سہرا میری والدہ کی دعاؤں کو جاتا ہے"۔

میرے والد پر اس پچپن برس کی رفاقت کے ختم ہونے کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس غم کا اظہار تو نہیں کر رہے لیکن اب جب سجدے میں جاتے ہیں تو ان پر گریہ دیر تک طاری رہتا ہے۔ مغفرت کی دعا کے لیے اٹھے ہاتھ بہت جلد آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔

میری والدہ کا محبوب جملہ "شکر ہے، شکر ہے" تھا۔ وہ ہر حال میں شکر ادا کرنے کی وجہ تلاش کر لیتیں۔ حالات چاہے کتنے بھی خراب ہوں۔ مشکلات چاہے مالی ہوں یا جسمانی، فکر کسی بچے کی ہو یا پھر کسی رشتہ داری کی پریشانی ہو، وہ شکوہ نہیں کرتی تھیں۔ شکر ادا کرتی تھیں جس بھرپور طریقے سے زندگی انہوں نے گزاری، جس محبت سے قرآن پاک کے علم کو تقسیم کیا، جس محنت سے اولاد کی تربیت کی۔ اس کے بعد اب جب وہ اس جہان سے بغیر کسی کو تکلیف دیے ہوئے، بغیر کسی کو امتحان میں ڈالے چلی گئیں تو مجھے واثق یقین ہے کہ وہ اس وقت بھی جنت کے کسی باغ میں بیٹھی بڑی مطمئن مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ساری زندگی کے بارے میں کہہ رہی ہوں گی "شکر ہے شکر ہے"۔ شکر کی نعمت انہیں ہی میسر تھی۔ ہم ایسے بدنصیب ہیں کہ ان کے جانے کے بعد نہ ہمیں صبر آ رہا ہے نہ ہی ہم سے "شکر ہے شکر ہے" کا ورد کیا جا رہا ہے۔

میری والدہ کی عمر کا ایک طویل عرصہ بہت عسرت میں بسر ہوا۔ اب آخری عمر میں کچھ مالی آسودگی نصیب ہوئی تو ان کی فکریں اور بڑھ گئیں۔ وہ بہت مال دار خاتون نہیں تھیں مگر اس کے باوجود وہ سب کو بار بار تلقین کرتیں کہ میرا جو بھی تھوڑا بہت مال اسباب ہے اسے شریعت کے عین مطابق تقسیم کیا جائے۔ وہ ہمیں ڈراتی بھی تھیں کہ جن کا اسباب شریعت کی رو کے مطابق تقسیم نہیں کیا جاتا، ان کی روحیں اذیت میں رہتی ہیں۔ تمام عمر بھٹکتی رہتی ہیں۔

ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے تئیں اس زعم میں مبتلا رہتا کہ وہ امی کا سب سے لاڈلا ہے۔ وہ سب سے ایک سا پیار کرتیں۔ سب کی کمزوریوں اور کجیوں پر پردہ ڈالتیں۔ سب میں خوبیاں تلاش کرتیں۔

بچوں کی معاملے میں ان کی ایک عجیب عادت تھی۔ وہ بچوں کی کامیابیوں کی بہت زیادہ خوشیاں نہیں مناتی تھیں۔ وہ ان کامرانیوں کی تشہیر بھی نہیں کرتی تھیں۔ عجب بات یہ تھی کہ جب کوئی بچہ کوئی کامیابی حاصل کرتا، نئی گاڑی لیتا، نوکری میں پروموشن ملتی، کسی ایوارڈ کا مستحق قرار پاتا، یا کسی بچے کو کاروبار میں منافع ہوتا تو وہ بچہ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کا مستحق ہوتا۔

لیکن اگر کوئی بچہ زندگی کے کسی مرحلے میں ناکام ہوتا، کسی امتحان میں فیل ہو جاتا، کسی کو نقصان ہوتا تو وہ ان کی محبت کا پہلے سے زیادہ مستحق بنتا۔ اس کے ساتھ ان کا لاڈ بڑھ جاتا۔ اس کے لیے دعاؤں میں اضافہ ہو جاتا۔ وہ ہماری کامیابیوں کی ہی نہیں بلکہ ناکامیوں کی بھی ساتھی تھیں۔

مہنگا لباس، زیورات، بڑی گاڑی یا کسی مہنگے ہوٹل میں کھانے سے ان کو وحشت ہوتی تھی۔ وہ سادگی سے زندگی بسر کرنے کی قائل تھیں۔ یہی سادگی ان کی زندگی کا شعار رہی اور یہی سادگی انہوں نے سفر آخرت کے وقت اختیار کی۔

اب مرحلہ ایسا جاں گسل ہے کہ کسی کو بھی ان کے جانے کا یقین نہیں آ رہا۔ ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ اب ان کی صحت کے لیے دعا کرنی ہے یا ان کی مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھانے ہیں۔ ان کے لیے دوائی لانی ہے یا پھر ان کی قبر پر پھول بکھیرنے ہیں۔ ان کی اچانک وفات پر آنسو بہانے ہیں یا پھر ان کی زندگی پر رشک کرنا ہے۔

ہم پانچ بہن بھائیوں کی عمر پینتالیس سے پچپن برس کے درمیان ہیں۔ یقین مانیے اس رمضان کے تیسرے روزے سے پہلے تک ہم پانچوں بچے تھے۔ کم عمر تھے۔ ناسمجھ تھے۔ تیسرے روزے کے بعد سے ہم پانچوں اچانک بڑے ہو گئے ہیں۔ اچانک بے بس ہو گئے ہیں۔ اچانک بے چارے ہو گئے ہیں، اچانک بے سہارا ہو گئے ہیں۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanpoint.com

امتہ الصبور

تاریخ کے کچھ اوراق

ہندوؤں کا تعصب

مہابھارت، ایک قبائلی لڑکے اکلابیا کی کہانی بیان کرتی ہے جو تیر اندازی کا فن سیکھنے استاد درونا چاریہ کے پاس گیا۔ استاد نے اس بنیاد پر اسے یہ فن سکھانے سے انکار کیا کہ یہ فن کشتریوں کو سکھایا جاتا ہے۔

ایک دفعہ درونا چاریہ اپنے شاگردوں کوروں اور پانڈوں کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کے لیے جنگل گئے۔ اس جماعت کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ اس کے بھونکتے ہی تیر آکر اس کے منہ میں پیوست ہوگیا۔ ظاہر تھا کہ کسی پوشیدہ تیر انداز نے اس کتے کی آواز پر نشانہ لگایا تھا۔

درونا چاریہ کو یقین تھا کہ یہ کمال صرف ارجن ہی دکھا سکتے ہیں۔ انہوں نے تیر انداز کو بلایا تو اکلابیا جنگل سے باہر آیا اور اعتراف کیا کہ کتے کو اسی نے تیر اندازی کے ذریعے ہلاک کیا۔

درونا چاریہ نے اس سے اس کے استاد کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ان ہی (درونا چاریہ) کا شاگرد ہے۔ اس نے واضح کرتے ہوئے اپنی پچھلی حاضری یاد دلائی اور کہا کہ آپ کے انکار پر میں نے جنگل جا کر درونا چاریہ کا مجسمہ بنایا اور اس سے یہ فن سیکھا۔

درونا چاریہ نے استاد کے نذرانہ کے طور پر اس کے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا طلب کیا۔ فرماں بردار شاگرد نے انگوٹھا کاٹ کر استاد کی نذر کر دیا۔ چناں چہ اس کے بعد اکلابیا اپنے معذور ہاتھ سے تاحیات تیر اندازی نہ کر سکا۔

مہابھارت ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے، اس میں یہ واقعہ درج ہے۔ جو مذہب ذات پاک، اونچ نیچ کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ماننے والے کس قدر تنگ دل، متعصب ہوں گے۔

اشراف

سماجیات کے ایک ماہر نے مدراس کے اخبار ''ہندو'' کے شمارہ 26 دسمبر 1932ء کے حوالے سے ایسی ناپاکی کا تذکرہ کیا جو محض اچھوت کو دیکھنے سے ہو جاتی ہے۔

ضلع تنے والی میں نظر نہ آنے والے لوگوں کا ایک گروہ جنہیں پراداونا کہا جاتا ہے، انہیں دن میں باہر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے دیکھنے سے بڑی ذات کے لوگ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ جو دوسری ذات والوں کے کپڑے دھوتے ہیں، آدھی رات سے طلوع صبح تک کام کرتے ہیں۔ انہیں بڑی مشکل سے دن کے وقت انٹرویو کے لیے باہر نکالا گیا۔

سزاؤں کا اجرا اور ٹیکسوں کا نفاذ بھی فرد کی ذات کے تعلق سے ہوتا ہے۔ برہمن تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھا۔ برہمن کی شخصیت اور اس کی جائیداد مقدس تھی۔ کوتلیا نے تو مختلف ذاتوں کے لیے قرض پر سود کی مختلف شرحیں لکھی ہیں۔ برہمن پر صفر فیصد، کشتری پر 4 فیصد، ویش پر 4 فیصد اور شودر پر 5 فیصد، دنیا میں جو کچھ موجود ہے، برہمن اس کا حق دار ہے۔

درحقیقت ساری دنیا برہمن کی جائیداد ہے اور شودر صرف برہمن کی خیرات پر زندہ ہیں۔ مہابھارت کہتی ہے کہ شودر کو کوئی بھی جائیداد نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ اس کا مالک (برہمن) جب چاہے گا اس پر قبضہ کر لے گا۔ قانونی مقدمات کے سلسلے میں کہا گیا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہے کہ کسی برہمن اور غیر برہمن کے درمیان جھگڑے کی صورت میں ثالث یا گواہوں کو لازمی طور پر برہمن کی تائید میں بولنا چاہیے۔ شت پیت برہمن کے مطابق صرف برہمن کا قتل ہی اصل قتل ہے۔ یجروید کے مطابق برہمن کا قتل کسی اور انسان کے قتل کی نسبت زیادہ وحشیانہ جرم ہے۔

دوسری طرف منو کہتے ہیں کہ برہمن اگر شودر کو قتل کردے تو یہ قتل محض کسی بلی، نیولے، پرندے، مینڈک، چھپکلی، الو یا کوّے کے قتل کے برابر ہوگا۔ بادشاہ کو چاہیے کہ برہمن کو ہرگز سزا نہ دے۔ خواہ وہ ممکنہ جرائم میں ملوث ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بجائے اسے اپنی پوری جائیداد اور جان کی حفاظت کے ساتھ جلاوطن کردیا جائے۔ برہمن کے قتل سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے بادشاہ کو اپنے دل میں بھی برہمن کا قتل کرنے کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔

یہ ہیں ہندو مذہب کی تعلیمات اور سیکولر بھارت کا اصل چہرہ۔

بادشاہت

سترہویں صدی میں ایک بار سلطان ابراہیم کے حرم میں یہ اطلاع پہنچی کہ اس کی کسی کنیز کا خواجہ سرا سے خفیہ تعلق ہے۔ سلطان کے حکم پر اس اطلاع کی تصدیق کے لیے سخت تفتیش کی گئی لیکن موردالزام کنیز کا سراغ نہ ملا۔ محل میں 286 کنیزیں تھیں۔ سلطان نے طیش میں ان سب کو بوریوں میں بھر کے باسفورس میں ڈبونے کا حکم دے دیا۔ حکم کی آکر تعمیل کی گئی۔

مسلمان حکمرانوں میں سب سے بڑا حرم عثمانی خلفاء کا تھا۔ ایک عثمانی سلطان یلدرم کو تیمور کے ہاتھوں شکست ہوئی تو تیمور نے یلدرم کو ایک پنجرے میں بند کردیا اور اس کی ملکہ کو برہنہ کرکے دربار میں ساقی گری پر مجبور کردیا۔ اس واقعے کا عثمانی خلفاء پر بہت اثر پڑا۔ انہوں نے شادی کرنا ہی چھوڑ دی اور ان کے حرم میں صرف کنیزیں رکھی جانے لگیں۔

یہ واقعات پڑھ کر ممکن ہے کوئی یہ سوچے کہ بادشاہی نظام میں جب دنیا اتنی ترقی یافتہ نہ تھی، اخبارات، میڈیا، چینلز نہ تھے تو اس قسم کے مظالم ہوئے۔

لیکن اس ترقی یافتہ جدید دنیا میں بھی جب میڈیا کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ایک پل میں کوئی بھی خبر مشرق سے مغرب کا سفر طے کرلیتی ہے۔ بے گناہ معصوم عورتوں اور بچوں پر بمباری کرکے انہیں ختم کردیا جاتا ہے اور کسی کان پر جوں نہیں رینگتی۔ عراق اور افغانستان میں لاکھوں انسان مارے جاچکے ہیں۔

موریہ شہنشاہ اشوک

بدھ ذرائع کے مطابق موریہ شہنشاہ (اشوک) نے اپنے 99 بھائیوں کو مار کر گدی حاصل کی۔ سوویں اور سب سے چھوٹے بھائی ”دلس“ کو پہلے تو چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں حکومت پر قبضہ کرنے کا الزام لگا کر اسے بھی مروادیا۔

کلنگ کی لڑائی میں اشوک نے ایک ایک لاکھ آدمیوں کو مارا اور ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کو قیدی بنایا۔

”اشوکا ودان“ کے مطابق اشوک نے بدھ مٹھوں میں رہنے والے سب ہی مذہبی پیشواؤں کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ سب تارک مذہب تھے۔ یک بار ”حرم سرا“ کی عورتوں نے اسے بدصورت بتایا تو پانچ سو عورتوں کو زندہ جلوادیا اور وہ ”چانڈا اشوک“ یعنی ظالم اشوک کہلایا۔ اس نے ایک ایسا مقام مخصوص کیا اور ایسے آلات اور افراد کا تعین کیا جن کا کام بے قصور لوگوں کو پکڑ کر سخت ایذائیں پہنچانا تھا۔ ان جہنم نما مقامات کی دیکھ بھال وہ خود کیا کرتا تھا۔

سات سال کے ایک بھکشو نے اشوک کو بدھ بنایا اور اسی بھکشو کے کہنے پر اس نے بدھ مذہب کی مخالفت کرنے والے برہمنوں کو قتل کرادیا۔

مندرجہ بالا کارناموں کے باجود دانش وروں نے اشوک کو امن پسند اور عظیم شہنشاہ کے خطابات سے نوازا ہے۔ تارا ناتھ کے خیالات کو تسلیم کرتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوئے رومیلا تھا بر بتاتی ہیں کہ زندگی کے کتنے ہی سال اشوک نے آرام طلبی میں گزارے اور دھا (مذہب)، چانڈ (خوں ریز) کے علاوہ کاما (نفس پرست) بھی کہلایا۔

چاول کی سوغات

چاول وادئ سندھ سے جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو گیا۔ دنیا میں سب سے پہلے اسی وادی میں چاول کی کاشت کی گئی تھی۔ ہڑپہ اور موئن جوڈرو کے کھنڈروں سے چاول کے دانے دستیاب ہوئے ہیں۔ چین، جاپان، کوریا، انڈونیشیا، ملایا، سیام، بنگال وغیرہ میں چاول ہی لوگوں کی بنیادی غذا ہے جسے عام طور سے مچھلی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ چاول کی کئی قسمیں ہیں جن میں باڑا اور باسمتی نہایت عمدہ ہیں۔

ایران، ترکستان، ازبکستان اور خراسان میں چاول میں بھیڑ، بکری اور مرغ کا گوشت ملا کر پکانے کا رواج ہوا جسے ''پلاؤ'' کہا جاتا ہے اور دنیا کے لذیذ ترین کھانوں میں سے ایک ہے۔ کسی دوسرے کھانے (سالن) کے ساتھ سادہ چاول پکا کر کھایا جائے اسے ''پلاؤ'' کہتے ہیں۔ پلاؤ کو کئی طریقوں سے پُرلطف بنایا گیا۔

ایرانی قسم کے پلاؤ دم کرنے لگے۔ دلی اور لکھنو میں پلاؤ پکانے کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے اور ان کے دلچسپ نام رکھے گئے۔ قورمہ پلاؤ میں گوشت کے ٹکڑے ملا کر دم کرتے ہیں۔ اس میں زعفران کی آمیزش کر کے ''مزعفر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ شیش رنگ پلاؤ میں چھ رنگ دیتے ہیں۔ دم پخت کر کے اور مکھن ملا کر پکایا جاتا ہے۔ متنجن بھون کر پکاتے ہیں۔

امرائے دہلی بریانی پسند کرتے تھے جس میں گوشت بھون کر ملایا جاتا تھا۔ لکھنوی پلاؤ کے شیدائی تھے۔ ان کے ہاں کوکو پلاؤ، موتی پلاؤ، چنبیلی پلاؤ، نور پلاؤ، گل زار پلاؤ، انار دانہ پلاؤ، نورتن پلاؤ اہتمام سے دم کیے جاتے تھے۔

ایرانی، نارنجی پلاؤ (اس میں نارنگی کے چھلکوں کا ذائقہ اور خوشبو ملاتے ہیں) اور بابونی پلاؤ کے شوقین رہے ہیں۔ نمکین پلاؤ میں پیاز کا گاڑھا رنگ دیا جاتا ہے اور گرم مسالوں کا ذائقہ دیا جاتا ہے۔ میٹھے چاول عام طور سے زردے اور سفیدے کی صورت میں بنائے جاتے ہیں۔ جن میں بادام، پستہ، گری، کھوپرا اور سبز الائچی ملاتے ہیں۔ نوابان لکھنو پلاؤ میں زیادہ گھی اور یخنی ملوایا کرتے تھے۔ تذکرہ نویسوں (عبد الرزاق کان پوری، یاد ایام اور عبدالحلیم شرر ''گزشتہ لکھنو'') کی روایت کے مطابق چوبیس سیر یخنی میں ایک سیر چاول دم کیے جاتے تھے۔ یہ اہتمام نواب غازی الدین حیدر کے لیے تھا جو معروف ہو کر ہر نوابی مطبخ کا لازمہ بن گیا۔

ناقابل تسخیر قلعے

سلجوقی خاندان کا مالک شاہ بغداد کا حکمراں تھا۔ اس کی رعایا فیاضی اور انصاف پسندی میں اسے بے مثل گردانتی تھی۔ ملک شاہ کا وزیراعظم نظام الملک بھی بہت سی باتوں میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ ملک شاہ کی نظروں میں نظام الملک کی خداداد ذہانت، دیانت داری اور پیش بینی کی بہت قدر و منزلت تھی۔ وہ اپنی وسیع سلطنت کے انصرام و انتظام کے لیے بڑی حد تک نظام الملک کا دست نگر تھا۔

نظام الملک کو اپنی شخصیت اور وجاہت کے باعث لامحدود اختیارات حاصل تھے، اس نے سات مرتبہ سلطنت کے طول و عرض میں سفر کیا اور ہر شہر، ہر قریے میں رعایا کی حالت کا معائنہ کیا۔ اس نے بہت سی مسجدیں اور تالاب بنوائے۔ متعدد یتیم خانے اور مدرسے کھولے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی قائم کی۔

مندرجہ بالا کاموں پر اس قدر رقم خرچ ہوئی تھی کہ خزانہ خالی ہونے لگا۔ ملک شاہ کو بہت تشویش ہوئی۔ اس نے نظام الملک سے کہا۔

''آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ درس گاہوں کی تعمیر

پرتو آپ نے اس قدر روپے صرف کردیے، لیکن قلعہ ایک بھی نہیں بنوایا اور نہ ملک کی فوج کو زیادہ طاقت ور بنانے پر کچھ خرچ کیا۔"

نظام الملک نے ملک شاہ کی باتیں ادب و احترام سے سنیں اور نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اعلا حضرت! قلعہ ایک عارضی چیز ہوتا ہے، اسے تباہ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن میں نے جو قلعے تعمیر کیے ہیں وہ ناقابل تسخیر ہیں۔ انہیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ آپ نے فوج کو طاقت ور بنانے کا ذکر کیا ہے۔ فوج کے سپاہیوں کے تیر ایک سو گز سے زیادہ دور نہیں جاسکتے لیکن میں نے جو فوج تیار کی ہے، اس کے تیر آسمان تک چھید سکتے ہیں۔ میری علمی سرگرمیاں اعلا حضرت کے عہد کو دوامی شہرت بخشیں گی۔"

حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج عبدالملک کا معتمد علیہ اور مشیر خاص تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم، سفاک اور کریہہ المنظر تھا۔ عبدالملک کی زیادہ تر کامیابیاں حجاج ہی کی مرہون منت ہیں۔

کہتے ہیں جب یہ پیدا ہوا تو اس نے ماں کا دودھ پینے سے انکار کردیا۔ ایک دانا کی تجویز پر کہ اگر اسے تین دن تک بھیڑ کا خون پلاؤ تو یہ ماں کا دودھ پیے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا چونکہ خون اس کی گھٹی میں پڑ چکا تھا۔ اس لیے قتل و غارت سے بھی دریغ نہ کیا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ "سفاکانہ افعال کا ارتکاب کرنے میں مجھے جو لذت ملتی ہے، وہ میں ہی محسوس کرسکتا ہوں۔"

عبدالملک سے راہ و رسم پیدا کرنے سے پہلے وہ طائف کے مدرسے میں ایک معمولی مدرس تھا لیکن اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت کے باعث جلد ہی اس کا دست راست بن گیا۔

عراق کی فتح کے بعد عبدالملک نے اسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قلع قمع کرنے پر مامور کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ظالم حجاج نے ان کی نعش کو تین دن سولی پر لٹکائے رکھا۔

اس فتح کے بعد عبدالملک نے حجاز کی ولایت حجاج کے سپرد کردی۔ حجاج نے رعایا پر زبردستی کی حکومت کی۔

عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا تو اس نے بھی حجاج کے احترام اور مرتبے کا خاص خیال رکھا اور ہر کام میں اس سے مشورہ کرتا۔

95 ہجری میں حجاج بن یوسف کا کوفہ میں انتقال ہوا، وہ تین سال تک حجاز کا امیر رہا اور پورے بیس برس عراق پر حکومت کی۔

اگرچہ وہ ظالم، سفاک اور جاہ پسند تھا مگر اس میں چند خوبیاں بھی تھیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک زبردست مقرر اور فصیح و بلیغ خطیب تھا۔ دینی علوم میں ماہر تھا۔ اس کی قرأت سارے عرب میں مشہور تھی۔ قرآن شریف پر اعراب لگانے کا دستور بھی سب سے پہلے اسی نے جاری کیا۔

(شاہدہ سید...... لاڑکانہ)

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

بیف کباب کھاؤسے

اجزاء:

قیمہ	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
ہری پیاز (باریک کٹی)	آدھا کپ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	آدھا کپ
ہری مرچیں	چار سے پانچ عدد
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلیکس	حسب ضرورت
انڈا	ایک عدد
اسپیگھٹی	آدھا پیکٹ
تیل	تلنے کے لیے

کڑھی کے لیے:

تیل	چوتھائی کپ
پیاز	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
بیسن	تین کھانے کے چمچے
ناریل کا دودھ	دو کپ
پسا لہسن	ایک چائے کا چمچہ

سرونگ کے لیے:

(انڈے، پیاز، ہری مرچ، ہرا دھنیا، فرنچ فرائز، ادرک)

ترکیب: قیمے میں نمک، ہری پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، ادرک پیسٹ، کارن فلور اور زیرہ ملا کر پیس لیں اور چھوٹے کباب بنا کر انڈے سے کوٹ کر کے کارن فلیکس میں رول کریں اور گرم تیل میں تل لیں۔ ایک ساس پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ساتے کریں۔ نمک، لال مرچ، لہسن، ہلدی ڈال کر تل لیں۔ بیسن کو ناریل کے دودھ میں ملا کر اس میں ڈال دیں اور چمچہ چلاتے رہیں۔ جب کڑھی گاڑھی ہو جائے تو اسپیگھٹی کو ابال کر کڑھی میں مکس کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ سائیڈ میں کباب رکھیں اور ابلے انڈے براؤن پیاز، ہری مرچ، ہرا دھنیا، فرنچ فرائز اور ادرک ______ سے سجا کر پیش کریں۔

آلو بخارے کی چٹنی

اجزاء:-

خشک آلو بخارے	ایک پاؤ
چینی	ایک کپ
لال رنگ	ایک چٹکی
پسی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پانی	ڈیڑھ کپ
بادام	سات عدد
نمک	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ

ترکیب:

آلو بخارے اچھی طرح دھو کر ڈیڑھ کپ نیم گرم پانی میں رات بھر کے لیے بھگو دیں۔ ایک برتن میں اسی پانی کے ساتھ جس میں آلو بخارے بھگو کر رکھے تھے ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے۔ اب اس میں چینی ڈال کر پکائیں جب دیکھیں کہ چینی گھل گئی ہے تو بادام، کلر، نمک اور لال مرچ ڈال کر اچھی طرح ملا لیں اور گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ ٹھنڈا کر کے کسی صاف جار میں محفوظ کر لیں۔

پالک کا رائتہ

اجزاء:

پالک	آدھا پاؤ
دہی	دو کپ
کالا نمک	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
بھنا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری مرچ	دو عدد (باریک کٹی)

ترکیب:

پالک کے پتوں کو اچھی طرح دھو کر خشک کر لیں اور باریک کاٹ لیں۔ ایک پین میں گھی گرم کریں اس

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

میں آدھا زیرہ اور ہری مرچ ڈال کر بھونیں، پالک ڈال کر دو منٹ کے لیے اور بھونیں۔ ایک منٹ کے لیے ڈھک کر پکائیں۔ ایک الگ پیالے میں دہی، نمک و کالا نمک اور باقی زیرہ ڈال کر مکس کر لیں دہی والے پیالے میں تیار کی ہوئی پالک ڈال کر اچھی طرح ملا لیں مزیدار پالک رائتہ تیار ہے۔

مٹن پشاوری

اجزاء:

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
ٹماٹر	دو عدد
ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
تیز پات	دو پتے
جائفل جاوتری	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
پیاز	ایک عدد (بڑی)
لہسن	دو عدد
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی	دو عدد
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچ	چار عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب:

گوشت کو ابال کر رکھ لیں۔ ایک الگ پتیلی میں پیاز کو سنہرا تل لیں۔ ادرک لہسن ڈال کر بھونیں، اچھی طرح بھن جائے تو اس میں ابلا ہوا گوشت اور تمام مسالا جات ڈال کر تیز آنچ پر سات سے آٹھ منٹ تک بھونیں۔ پانچ منٹ تک درمیانی آنچ پر پکائیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں۔ ادرک اور دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

مسالے دار مرچیں

ہری مرچیں بڑی	چھ عدد
کابلی چنے	دو کھانے کے چمچے
پیاز	ایک عدد
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	چھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ہلدی	دو چٹکی
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

مرچوں کو دھو کر لمبائی میں شگاف ڈال دیں۔ کابلی چنے ابال لیں۔ لہسن ادرک، ہری مرچ، ہرا دھنیا، ہلدی، لال مرچ اور نمک ملا کر چٹنی کی طرح پیس لیں۔ (خیال رہے پتلی نہ ہو) ایک برتن میں گھی ڈال کر باریک کٹی پیاز ابلے چنے اور مسالا ڈال کر ذرا سے تیل میں تل لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر یہ آمیزہ مرچوں میں بھر دیں۔ اب ایک برتن میں دو چمچے تیل ڈال کر اس میں یہ مرچیں رکھ دیں اور ہلکی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔ مسالے دار تلی مرچیں تیار ہیں۔

بنانا برفی

ضروری اشیاء:

کیلے	چار عدد
دودھ	ایک کپ
آئسنگ شوگر	تین کھانے کے چمچے
کھویا (میٹھا)	آدھا پاؤ
سبز الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
زعفران	چند ریشے
بادام، پستے	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

سب سے پہلے زعفران کے چند ریشے گرم دودھ میں بھگو دیں۔ دودھ میں آئسنگ شوگر، سبز الائچی پاؤڈر اور مسلے ہوئے کیلے شامل کر کے اتنا پکائیں کہ دودھ گاڑھا ہو جائے۔ کھوئے میں ایک کھانے کا چمچہ گھی ملا کر دودھ میں شامل کر دیں، آمیزہ گاڑھا ہو کر ساس پین کے کناروں سے الگ ہونے لگے تو اس میں زعفران شامل کر دیں۔ اب اس آمیزے کو پہلے سے چکنی کی ہوئی ڈش میں نکال کر ہموار انداز میں پھیلا دیں۔ بادام، پستے چھڑک دیں ٹھنڈا ہونے پر برفی کے ٹکڑے کاٹ لیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ادارہ

خوب صورت بنیے

چہرے کی دلکشی کے لیے

چہرے پر جھریاں عموماً عمر میں اضافے یا پھر زیادہ دھوپ میں رہنے سے پڑ جاتی ہیں۔ عمر میں اضافے والی کا تو کوئی علاج ممکن نہیں، لیکن جھریاں اگر دھوپ کی وجہ سے ہیں تو کوشش کریں کہ دھوپ میں کم نکلا کریں۔ اس کے علاوہ دھوپ میں نکلنے سے پہلے چہرے پر اچھے سن بلاک کا استعمال کریں۔

تاکہ چہرے کی قدرتی نمی برقرار رہے۔

جھریوں سے بچنے کے لیے بہت ہی سستا اور آسان ماسک گھر پر بھی تیار ہو سکتا ہے۔

چنے کی دال لے کر پیس لیں یعنی موٹا چورا بنا لیں۔ پھر اس میں ایک انڈے کی سفیدی جو کہ پہلے ہی سے جھاگ کی شکل میں پھینٹ لی گئی ہو اور تھوڑا سا شہد بھی ملا لیں۔ اس آمیزے کو چہرے پر لگا لیں۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد چہرہ نیم گرم پانی سے دھو لیں۔

متناسب جسم

جسم خواہ کتنا ہی متناسب ہو مگر بڑھا ہوا پیٹ ساری خوب صورتی اور دلکشی کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے، پیٹ کم کرنے کے لیے نہار منہ سادہ چائے (بغیر دودھ اور شکر کے) میں چوتھائی لیموں کا رس شامل کر کے روزانہ ایک ماہ پابندی سے پئیں تو بڑھا ہوا پیٹ کم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ بڑھے ہوئے پیٹ کے لیے ایک انتہائی آسان ورزش ذیل میں درج ہے۔

اس ورزش کا دہرا فائدہ حاصل ہوگا۔ ایک تو بڑھا پیٹ کم ہو جائے گا۔ دوسرے اگر ٹانگیں وزنی ہیں تو ان کے وزن میں بھی کمی واقع ہوگی۔

زمین پر سیدھی لیٹ جائیں۔ ٹانگوں کو ہوا میں بلند کر کے سائیکل کی طرح چلائیں۔ یہ عمل سو سے ڈیڑھ سو مرتبہ کریں۔ ابتدا میں جتنی بار یہ عمل کر سکتی ہیں کریں پھر آہستہ آہستہ بڑھا کر سو مرتبہ کر دیں۔ دو مہینوں میں خاطر خواہ اثر پڑے گا۔ اس کے ساتھ غذا کو متوازن رکھیں تاکہ ورزش بہتر اثر کر سکے۔

(ایسی خواتین جنہیں سانس یا قلب کا مرض لاحق ہو ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر یہ ورزش نہ کریں)

صحت مند اور روشن آنکھیں

آنکھیں چہرے کو خوب صورت بنانے میں کافی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لیے ان کا صحت مند اور روشن رہنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں رات کو سوتے وقت اصلی شہد (اگر شہد نیم کے درخت کا حاصل کردہ ہو تو اثر بہتر ہوگا) ایک ایک سلائی دونوں آنکھوں میں پھیر لیں۔ اس سے نہ صرف آنکھیں روشن اور صحت مند ہوں گی بلکہ بینائی بھی بہتر ہو جائے گی۔

روزانہ صبح ٹھنڈا پانی تین دفعہ آنکھوں میں ڈالنے سے بھی بینائی اور آنکھوں کی صحت پر مجموعی اثر پڑے گا۔

☆☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com